غزلیاتِ فارسیِ غالب

ڈاکٹر خالد حمید (ایم ڈی)

غزلیاتِ فارسیِ غالب

منظوم اردو ترجمہ

ڈاکٹر خالد حمید (ایم ڈی)

PRINTED IN PAKISTAN

ادب برائے معاشرتی انقلاب

لاشئ غیر القول والقلم

ناشر ------- دارالاشاعت بزمِ علم وفن پاکستان (مرکزی)

مطبع ------- ایریز پرنٹرز راولپنڈی

خط نگار ------- عنایت اللہ خوشنویس

ترتیب دار ------- ثنا اکبر

تقسیم کار ------- تسلیم اختر

سنہ ۲۰۰۰ء

ISBN-969-8488-09-X

رابطہ

بزمِ علم وفن پاکستان / انٹرنیشنل

۱۱ شان پلازہ، بلیو ایریا، اسلام آباد

فون: ۲۷۹۳۱۵ فیکس: ۲۹۷۲۱۰ پوسٹ بکس ۱۹۳۵

farzeed@hotmail.com

BAZM-E-ILMO-FANN INTERNATIONAL

27, St. Quentin Rise, Bradway, SHEFFIELD, S17 4PR - U.K.

Phone: 0114-2351239

E-mail: Mehwar@aol.com

6821-Pine Creek Dr.

Toledo, OH-43617-1275 U.S.A

E-mail: khalmeed@aol.com

۲۵۰ روپے ۱۰ پونڈ ۲۰ ڈالر امریکی
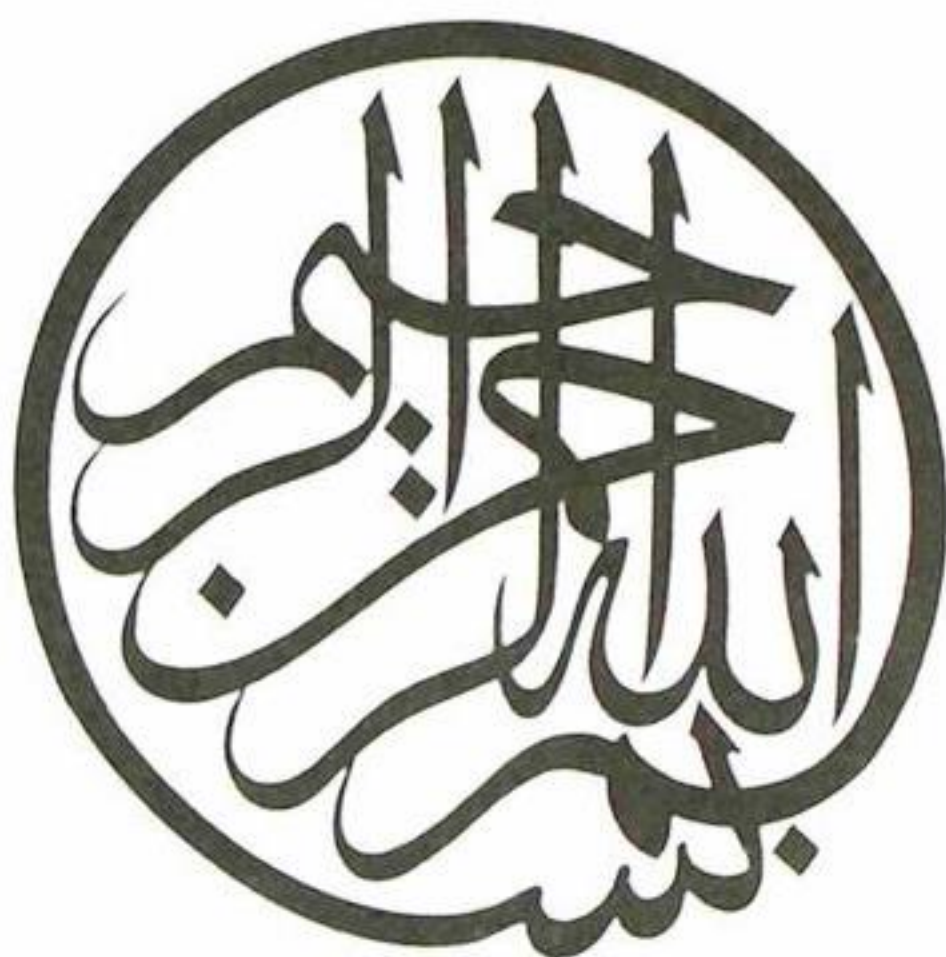
ابتدائیہ

فارسی بیں تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ

عبدالرحمان بجنوری نے محاکمہ قائم کیا کہ ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ وید مقدس اور دیوانِ غالب۔ مراد ان کی ڈیڑھ جزو کے مجموعۂ اردو سے تھی، مگر خود مرزا نے تو فرمایا تھا: بگذر از مجموعۂ اردو ......

انہیں اپنے دیوان فارسی پر بہت فخر تھا اور اگر اس میں خوش بیانی کو ذوق حضوری سے مطالعہ کریں تو یہ کتاب اپنا جواب آپ ہے۔ اپنے زمانے میں مدرجہ مقبول ہوئی مگر پھر برصغیر میں فارسی کا چلن نہ رہا اور یہ گنج گراں مایہ کتب خانوں کے ذخیروں میں محفوظ ہو کر رہ گیا۔

ڈاکٹر خالد حمید نے کمال یک سوئی اور تندہی سے غالب کے قابلِ رشک فارسی دیوان پر منظوم قبائے اردو چست کی ہے اور ان کی محنت کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہوگی۔ اپنے اس کارنامے سے مترجم نے مرزا غالب کی دلی خواہش کو ایک پسندیدہ انداز میں کمال خوبی و خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے اور اردو دان طبقہ اس رنگ رنگ مرقع کو قابلِ فہم صورت میں حاصل کر کے یقیناً اس سے لطف اندوز ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب کی اس کاوش سے دامن اردو میں ایک بے بہا "گنجینۂ معنی" کا اضافہ ہوا ہے

شوکت واسطی

غالب - ملتانی دستار میں

والد مرحوم

مولانا عبدالحمید خان

مدیر

ماہوار جریدہ **مولوی** دہلی

کے نام

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ماہوار جریدہ
مولوی
فی پرچہ
چندہ سالانہ
ONE RUPEE INDIA
صوبہ پنجاب بمبئی
اور ممالک محروسہ سرکار حیدرآباد نظام دکن
کے مسلم باشندگان کی اکثریت حضور غوث پاک سے متوسل ہے، اور جو لوگ بڑے پیر کی نیاز کے لئے
اس ماہ میں خرچ کرتے ہیں وہ اپنی ترقی کے خود ہی شاہد ہیں، چار سال سے مولوی کا غوث نمبر
غوث پاک کی نیاز کے سلسلہ میں لوگ مفت تقسیم کرتے ہیں، اور یہ اس قدر موثر اور مقبول نیاز
ثابت ہوئی ہے، کہ ہر سال اضافہ ہی ہو رہا ہے، اسی لئے اس سال یہ پرچہ دو ہزار زائد چھپوایا
ہے، آپ کی ہر مراد ان شاء اللہ پوری ہوگی، اگر مولوی کا غوث الاعظم نمبر مفت تقسیم کرائیے گا
ایک روپے کے بارہ پرچے مع محصول ڈاک دیئے جاتے ہیں، منگائیے اور تقسیم کیجیے
مہتمم رسالہ مولوی عبدالحمید خان کوچہ چیلاں دہلی

(عکس سرورق)

سپاسنامہ

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست

شکرِ ایزد کہ مجھے دوست ملے ہیں ایسے۔ ایک یارِ مہربان ہیں ڈاکٹر امجد حسین، مقیمِ ٹولیڈو اور جراحِ دل و سینہ جنہوں نے میرا بزمِ علم و فن پاکستان کے محترم شوکت واسطی سے تعارف کرایا اور ایک رفیق شفیق جمیل احمد سابق معتمدِ حکومت پاکستان جنہوں نے میرے مسودہ کے نظم و نشر کی ذمہ داری لی

خالد حمید

در پرتوِ نورِ الٰہی

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بگردشِ رطلِ گراں بگردانیم

عرض و معذرت

یہ مطلع مرزا نوشہ کی ایک بڑی پیاری غزل کا ہے اور میری بدقسمتی کہ ردیف کا ڈھنگ کا ترجمہ نہ کر سکا پھر اسے چھوڑ بھی نہ سکا۔ بس یہی سوچا کہ ردیف اور قافیہ کو ہاتھ نہ لگاؤں لیکن تھوڑا بہت ردّو بدل کر دوں تاکہ فارسی سے ناآشنا لوگ مزہ لے سکیں۔ میں یہ بات صرف اس لیے کہہ رہا ہوں کہ شاید اس سے آپ کو میری مجبوریوں کا احساس ہو جائے۔

لوگ بھی کہتے ہیں:

کلامِ میر سمجھے اور زبانِ میرزا سمجھے
مگر اُن کا کہا وہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

اور مرزا صاحب نے بھی خود فرمایا ہے

سخنِ سادہ، دلم را نفریبد غالبؔ
نکتۂ چند ز پیچیدہ بیانے بہ من آر

غالبؔ دقیق و عمیق ہی نہیں، پیچیدگی اور اُلجھاؤ میں بھی سب سے آگے ہیں۔ ان کی تو اُردو کی بات بھی میرے سر سے اُوپر ہوتی ہے۔ فارسی پڑھنا تو سر پھوڑنے کے برابر ہے۔ مولانا حالی کی شرح ناپید ہے۔ مگر خدا بخشے صُوفی تبسّم کو کہ وہ مرزا غالبؔ کا یہ خزانہ اپنے ہم عصر اُردو والوں کے لئے کھول گئے۔ میرے شفیق بہنوئی ڈاکٹر انیس الرحمٰن کو جب میری مجبُوری کا احساس ہوا تو انہوں نے مجھے صُوفی صاحب کی شرح خرید کر بھیج دی اور یوں میری مشکل آسان ہوگئی۔

اس ترجمے میں میں نے صُوفی تبسّم کی پیروی کی ہے اور دل و جان سے کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے باوجود بھی میں نے ترجمہ غلط کیا ہو۔ اگر غلطیاں ملیں تو میری جہالت پر رحم کھا کر انہیں نظر انداز کر دیجیے۔

آمدم بر سرِ مطلب۔ حال ہی میں غزلیاتِ حافظِ شیراز کا منظوم اُردو ترجمہ پیش کر چکا ہوں۔ اِس مجموعہ میں غالبؔ کی قریباً ساڑھے تین سو فارسی غزلوں میں سے پونے تین سو پیش کر رہا ہوں۔ حسبِ معمول اِس میں خامیاں ہیں اور بہت ہیں۔ ظاہر ہے تحسین و آفرین تو مانگ نہیں سکتا مگر جراٴت کی داد کی خواہش دل میں ہے اور ضرور ہے۔

۶۸۲۱ - پائن کریک ڈرائیو - ٹولیڈو۔
اوہائیو ۱۲۷۵ - ۴۳۶۱۷
(یو - ایس - اے)

خالد حمید

غزلیات

ای به خلا و ملا خوی تو هنگامه زا	با همه در گفتگو بی همه با ماجرا
شاهد حسن ترا در روش دلبری	طرهٔ پر خم صفات موی میان ماسوا
دیده ور آنکه دید تو بینش فزون	از نگه تیز رو گشته نگه نارسا
آب بکشتی بزور خون سکندر بچه	جان نپذیری بهیچ نقد خضر را روا
بزم ترا شمع و گل خستگی بوتراب	ساز ترا زیر و بم واقعهٔ کربلا
تشنگیان ترا قافله بی آب و نان	نعمتیان ترا مائده بی اشتها
گرمی نبض کسی کز تو بدل داشت سوز	سوخته در مغز خاک ریشهٔ دارو گیا
مصرف زهر ستم داده بیاد توام	سبز بود جای من در دهن اژدها
گم شده گریه‌ام زانکه بعهد ازل	برده درین جوی آب گردش صفت آسیا
ساده ز علم و عمل مهر تو ورزیده‌ام	مستی ما پایدار بادهٔ ما ناشتا

غالب کے دیوان فارسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء سے غزلیات کا پہلا صفحہ

اے بہ خلا و ملا خوئے تو ہنگامہ زا
باہمہ در گفتگو، بے ہمہ با ماجرا

ہے تیرا شوقِ ہنگامہ جو کرتا ہے جہاں برپا
وگرنہ حیثیت رکھتے ہیں کیا پیدا و ناپیدا

شاہدِ حسنِ ترا در روشِ دلبری
طرّۂ پُرخم صفات موئے میاں ماسوا

جمالِ شاہدِ رعنا، خمِ گیسوئے جانانہ
ہے تیری دلبری کے سامنے موئے میاں جیسا

دیدہ وراں راکند دیدِ تو بینش فزوں
از نگہِ تیز رَو گشتہ نگہ توتیا

بنایا دُوربیں دیدہ وروں کو دید نے تیری
نگاہِ تیز رَو ان کی ہوئی ہے نگہِ سرمہ سا

بزمِ ترا شمع و گل خستگیِ بوتراب
سازِ ترا زیر و بم واقعۂ کربلا

ہیں زخمِ بوترابی شمع و گل اس بزم میں تیری
وقوعہ کربلا کا زیر و بم ہے سازِ محفل کا

آب نہ بخشی بزورِ خونِ سکندر ہدر
جاں نہ پذیری بہ ہیچ نقدِ خضر نارَوا

ہوا خونِ سکندر جستجو میں آبِ حیواں کی
حیاتِ جاوداں پر لُٹ گیا مالِ خضر کیسا

نکبتیانِ ترا قافلہ بے آب و ناں
نعمتیانِ ترا مائدہ بے اشتہا

جو ہیں معتوب تیرے ان کو روٹی ہے نہ پانی ہے
ملی ہیں نعمتیں بے بھوک، جن پر فضل ہے تیرا

گرمیِ نبضِ کسے کز تو بدل داشت سوز
سوختہ در مغزِ خاکِ ریشۂ دار و گیا

نہ برگ و گل ترے عاشق کی تربت پر ہیں، ان کو تو
جلا کے خاک کر دیتا ہے سوزِ عاشقی اس کا

مصرفِ زہرِ ستم دادہ بیادِ توام
سبز بود جائے من در دہنِ اژدہا

ہے اس میں زہرِ رنجوری کچھ ایسا، گر ڈسے اس کو
دہانِ اژدہا کو سبز کر دے زہر عاشق کا

کم مشمر گریہ ام زانکہ بعلمِ ازل
بودہ دریں جوئے آب گردشِ ہفت آسیا

بہ توفیقِ ازل، ایسا اثر ہے میرے نالے میں
کہ اس کے سیل سے گرداں ہے دورِ ہفت گردوں ہا

سادہ ز علم و عمل مہرِ تو ورزیدہ ایم
مستیٔ ما پایدار، بادۂ ما ناشتا

نہیں علم و عمل ہم میں مگر تیری محبّت سے
ملی ہے مستیِ دائم، ہمارا عشق ہے پکا

خُلد بہ غالبؔ سپار زاں کہ بداں روضہ در
نیک بود عندلیب خاصہ نوآئیں نوا

ہے غالبؔ خلد کے در پر اسے مت روک اے رضواں
پرندِ خوش نوا کوئی نہیں جنّت میں اس جیسا

تعالی اللہ برحمت شاد کردن بے گناہاں را
خجل نہ پسندد آزرم کرم بے دستگاہاں را

ہے برحق آپ کا تحسین دینا بے گناہوں کو
بڑی رحمت ہے لیکن بخشنا بے دستگاہوں کو

خوئے شرمِ گنہ در پیش گاہِ رحمتِ عامت
سہیل و زہرہ افشاندہ ز سیما روسیاہاں را

درخشاں قطرہ قطرہ ہے ندامت کے پسینے کا
ہے درگہ میں تری زُہرہ جبینی روسیاہوں کو

زہے دردت کہ با یک عالم آشوبِ جگر خائیَ
دَوَد در دل گدایاں را و در سر پادشاہاں را

دیا تُو نے ہے دردِ عالم آشوبِ جگر خائیُ
فقیروں کو دلوں میں اور سروں میں بادشاہوں کو

بہ حرفے حلقہ در گوش افگنی آزاد مرداں را
بہ خوابے مغز در شور آوری بالیں پناہاں را

ترا اک حرف کرتا ہے غلام آزاد مردوں کو
دگرگوں خواب میں کرتا ہے تو بالیں پناہوں کو

ز شوقت بے قراری آرزو خارا نہاداں را
بہ بزمت لائے خواری آبرو پرویز جاہاں را

تڑپنا تیری الفت میں، تمنّا سخت کوشوں کی
ملے عزّت تری محفل میں کمتر سر براہوں کو

بہ داغت شادم امّا زیں خجالت چوں بروں آیم
کہ رشکم در جحیم افگند خلد آرامگاہاں را

جو دیکھا داغِ الفت زاہدوں نے، رشک نے انکے
بنایا ہے جہنّم خُلد کی آرامگاہوں کو

بہ دلہا ریختی یک سر شکستن ہم ز یزداں داں
کہ لختے بر خمِ زلف و کلاہ زد کج کلاہاں را

نہ اتنے ٹوٹتے دل اور نہ یوں خونِ جگر ہوتا
خمِ گیسو خُدا دیتا نہ گر ان کج کلاہوں کو

بنازم خوبیِ خوں گرم محبوبے کہ در مستی
کند ریش از مکیدن ہا زبانِ عذر خواہاں را

زہے خوبیِ خونِ گرمِ جاناں، جوشِ مستی میں
کرے زخمی وہ لب دے دے کے بوسے عذر خواہوں کو

بہ مے آسائشِ جانہا بداں ماند کہ ناگاہاں
گذر بر چشمۂ افتد تشنہ لب گم کردہ راہاں را

کھلا عشاق پر ہے میکدے کا آستاں ایسے
ملے اک چشمہ جیسے تشنہ لب گم کردہ راہوں کو

ز جورش داوری بردم بہ دیواں لیک زیں غافل
کہ سعیِ رشکم از خاطر برد نامش گواہاں را

نہ جاتا دادِ جورِ یار لے کر گر پتہ ہوتا
کہ نام اس کا مرا جذبہ، بھلا دے گا گواہوں کو

گسستِ تار و پودِ پردۂ ناموس را نازم
کہ دامِ رغبتِ نظارہ شد رسوا نگاہاں را

ہوا گر پردۂ ناموس میرا چاک، احسن ہے
کہ محوِ دید اس نے کر دیا رسوا نگاہوں کو

نشاطِ ہستیِ حق دارد از مرگ ایمنم غالبؔ
چراغم چوں گل آشامد نسیمِ صبح گاہاں را

نشاطِ ہستیِ حق ہو تو خوفِ مرگ کیا غالبؔ
بھڑکتا ہے چراغ اور اس ہوا سے صبح گاہوں کو

خاموشیِ ما گشت بد آموز بتاں را
زیں پیش وگرنہ اثرے بود فغاں را

خاموشی نے میری کیا سنگین بتاں کو
ورنہ تو رسائی تھی بہت آہ و فغاں کو

منت کشِ تاثیرِ وفائیم کہ آخر
ایں شیوہ عیاں ساخت عیارِ دگراں را

منت کشِ تاثیرِ وفا میں ہوں کہ اس کے
شیوے نے کیا فاش عیارِ دگراں کو

در طبعِ بہار ایں ہمہ آشفتگی از چیست
گوئی کہ دل از بیمِ تو خوں گشتہ خزاں را

دیکھا جو بہاراں نے ترا حسنِ شگفتہ
آشفتہ ہوئی ایسی، کیا مات خزاں کو

موئے کہ بروں نامدہ باشد چہ نماید
بیہودہ در اندامِ تو جستیم میاں را

وہ چیز اگر ہے بھی تو ہے بال سے پتلی
دیکھے کوئی کس طرح بھلا تیری میاں کو

طاقت نتوانست بہنگامہ طرف شد
دادیم بدستِ غمت، از نالہ عناں را

تابِ غمِ اُلفت نہ رہی دل میں تو ڈالا
دستِ المِ یار میں نالے کی عناں کو

تا شاہدِ رازت بہ خموشی شدہ رسوا
چوں پردہ برخسار فروہشت بیاں را

رسوا ہے خموشی سے ترا عاشقِ محرم
زنجیرِ بیاں اُس نے بنایا ہے بیاں کو

در مشربِ بیدادِ تو خونم مئے ناب ست
کز ذوق بہ خمیازہ در افگندہ کماں را

مے مشربِ بیداد میں ہے خوں کہ وہ ظالم
انگڑائی سے رکھتا ہے تنی اپنی کماں کو

بر طاعتیاں فرخ و بر عشرتیاں سہل
نازم شبِ آدینۂ ماہِ رمضاں را

زاہد کو مبارک ہے تو ہے رند کو بخشش
دی جمعہ کی یہ رات جو حق نے رمضاں کو

اینک زدہ ام بالِ تقاضا ز دو مصرع
تا مژدۂ معراج دہم سعیِ بیاں را

دو مصرعوں نے دی ہے مجھے پرواز کی طاقت
تا مژدۂ معراج ملے سعیِ بیاں کو

زیں ساں کہ فرو رفتہ بہ دل پیر و جواں را
مژگانِ تو جوہر بود آئینۂ جاں را

اُتری ہے کچھ ایسی دلِ ہر پیر و جواں میں
مژگاں تری جوہر ہوئی آئینۂ جاں کو

وا داشت سگِ کوئے تو زیں حد نشناسی
در پائے تو می خواستم افشاند رواں را

بھونکا ہے سگِ کوچہ بہت راہ میں مجھ پر
قدموں پہ ترے جب بھی گیا دینے میں جاں کو

بر تربتم از نخلِ قدت جلوہ فرو بار
تا خاک کند نو بر ازاں پائے نشاں را

آ قبر پہ اے سروِ رواں میری خراماں
تا خاک مری چومے کفِ پا کے نشاں کو

جستیم سراغِ چمنِ خُلد بہ مستی
در گردِ خرامِ تو رہ افتاد گماں را

ملتا ہے سراغِ چمنِ خُلد بہ مستی
رفعت ملے از گردِ رہِ یار گماں کو

اے خاکِ درت قبلۂ جان و دلِ غالبؔ
کز فیضِ تو پیرایۂ ہستی ست جہاں را

چوکھٹ ہے تری قبلۂ جان و دلِ غالبؔ
دَم سے ترے زیبائیِ ہستی ہے جہاں کو

تا نامِ تو شیرینیِ جاں دادہ بہ گفتن
در خویش فرو بردہ دل از مہرِ زباں را

کچھ ایسی ترے نام میں شیرینیِ جاں ہے
طاقت نہ رہی لب میں نہ جنبش ہے زباں کو

بر اُمتِ تو دوزخِ جاوید حرام ست
حاشا کہ شفاعت نہ کنی سوختگاں را

اُمت کے لیے دوزخِ جاوید نہیں ہے
اُمیدِ شفاعت ہے بہت سوختگاں کو

چوں عذارِ خویش دارد نامۂ اعمالِ ما
سادہ پُرکارِ فراواں شرم اندک سالِ ما

کیوں نہ ستھرا عاشقوں کا نامۂ اعمال ہو
شرمگین و سادہ جب کہ شاہدِ کم سال ہو

میلِ ما سوئے وے و میلش بسوئے چوں خودلیست
آرد از خود رفتنش ناگہ بہ استقبالِ ما

بےخودی دے اس کو یارب ایسی بزمِ غیر میں
غیر وہ سمجھے مجھے اور میرا استقبال ہو

حالِ ما از غیر می پرسی و منت می بریم
آگہی بارے کہ آگہ نیستی از حالِ ما

گاہے گاہے پُوچھتا ہے حال میرا غیر سے
ہرج کیا ہے وہ اگر یوں واقفِ احوال ہو

عیش و غم در دل نمی استد خوشا آزادگی
بادہ و خونابہ یکساں ست در غربالِ ما

دم بدم بہتے رہیں یکسانیت سے خُون و مے
عیش و غم کچھ بھی نہ ہوں، یوں دل مرا غربال ہو

نقشِ من در خاطرِ یاراں دژم صورت گرفت
بسکہ رُو درہم کشید آئینہ از تمثالِ ما

خاطرِ یاراں مری صورت سے کیوں برہم نہ ہو
درہم آئینہ جو میری دیکھ کر تمثال ہو

نیشتر سازید و بگدازید ہر جا تیشہ ایست
خونِ گرمِ کوہ کن دارد رگِ قیفالِ ما

نیشتر تیشہ بناؤ، فصدِ جاں کھولو مری
خُونِ گرمِ کوہ کن رگ میں نہ تا جنجال ہو

ما ہمائے گرم پروازیم فیض از ما مجوی
سایا ہمچو دُود بالا میرود از بالِ ما

گرم پروازی ہو، دل تجھ کو بنے رشکِ ہما
تیرے سائے سے فلک تاکہ بلند اقبال ہو

خضر در سرچشمۂ حیواں فرو غلطید نش
لغزشِ پائیست کش رُو دادہ در دنبالِ ما

چشمۂ حیواں بہ رکنا لغزشِ پا ہے خضر
عمر کو چاہے بھی کتنا اس سے استقلال ہو

خاک را از ابرِ ادرارِ معین دادہ اند
بے مئے پارینہ برما راندہ اند امسالِ ما

خاک کو بارش ملے ہر سال جب تھوڑی بہت
کیوں مرا خالی مئے پارینہ سے امسال ہو

باچنیں گنجینہ ارزد اژدہائے ہم چنیں
حلقہ بر گردِ دلِ ما زد زبانِ لالِ ما

چُپ زباں بیٹھی ہو، جیسے گنج پر ہو اژدہا
چاہے جتنا دل مرا اُلفت سے مالا مال ہو

جانِ غالبؔ تابِ گفتارے گماں داری ہنوز
سخت بیدردی کہ می پرسی زما احوالِ ما

جانِ غالبؔ جب رہی مجھ میں نہ تابِ گفتگو
ہے ستم جو مجھ سے کرتے پرسشِ احوال ہو

گر بیائی مست ناگاہ از درِ گلزارِ ما
گل زبالیدن رسد تا گوشۂ دستارِ ما

گر تو آجائے خراماں یک نفس گلزار میں
پھولے گل ایسا کہ پہنچے گوشۂ دستار میں

وحشتے در طالعِ کاشانۂ ما دیدہ است
می برد چوں رنگ از رخ سایہ از دیوارِ ما

ان کا سایہ دیکھ کر ان کو، گریزاں ہے بہت
ہے عجب آشفتگی گھر کے در و دیوار میں

گوشہ گیرانیم و محوِ پاسِ ناموسِ خودیم
آبروئے ما گدازِ جوہرِ رفتارِ ما

گوشہ گیری نے کیا ہے محوِ پاسِ آبرو
خلوت و عزلت سے ہے جوہر مری رفتار میں

خستۂ عجزیم از ما جز گنہ مقبول نیست
تکیہ دارد بر شکستِ توبہ استغفارِ ما

عجز کے مارے ہیں، ہم سے جز گنہ مقبول کیا
ہے شکستہ توبہ میری تکیہ استغفار میں

سخت جانیم و نمائشِ خاطرِ ما نازک ست
کارگاہِ شیشہ پنداری بود کہسارِ ما

سخت جاں ہو کر بھی ہے نازک مزاجی ہم میں یوں
کارگاہِ شیشہ ہو جیسے کوئی کہسار میں

می خزاید در سخن رنجے کہ بر دل میرسید
طوطیِ آئینۂ ما می شود زنگارِ ما

رنج دل فریاد بن کے لب پہ پہنچا اس طرح
طوطیِ آئینہ ہو جیسے عیاں زنگار میں

از گدازِ یک جہاں ہستی صبوحی کردہ ایم
آفتابِ صبحِ محشر ساغرِ سرشارِ ما

ہو گدازِ ہستی اپنی گر صبوحی، تو ملے
آفتابِ صبحِ محشر ساغرِ سرشار میں

سر گرانیم از وفا و شرمساریم از جفا
آہ از ناکامیِ سعیِ تو در آزارِ ما

ہم وفا سے بے نیاز اور ہیں جفا سے بے خبر
کیسی ناکامی ہے سعیِ یارِ دل آزار میں

چاکِ "لا" اندر گریبانِ جہات افگندہ ایم
بے جہت بیروں خرام از پردۂ پندارِ ما

چاک "لا" سے ہے گریبانِ جہانِ شش جہت
کچھ سوا تیرے نہیں جب پردۂ پندار میں

ذرہ جز در روزنِ دیوار نکشو دست بار
جنسِ بیتابی بہ دزدی بردہ از بازارِ ما

ہے رواں ذرہ نکل کے روزنِ دیوار سے
اس نے بیتابی خریدی ہے مرے بازار میں

از نمِ باراں نشاطِ گل بدآموزِ تو شد
گریۂ ابرِ بہاری کردہ آبی کارِ ما

نو بہار آئی ہے لیکن ہے خزاں میرے لئے
وہ ہوا ہے محو ایسا کچھ گل و گلزار میں

غالبؔ از صہبائے اخلاقِ ظہوریؔ سرخوشیم
"پارۂ بینش ست از گفتارِ ما کردارِ ما"

معتقد غالبؔ ہوئے سن کے ظہوریؔ کا سخن
"ہے نہیں گفتار میں عزت کہ ہے کردار میں"

نمی بینم درِ عالم نشاطے کآسماں ما را
چو نور از چشمِ نابینا ز ساغر رفت صہبا را

کریں ہیں جس طرح محرومِ رونقِ چشمِ بینا کو
وہ عیشِ جان لیتا ہے جو لے ساغر سے صہبا کو

مکن ناز و ادا چندیں دلے لیستان و جانے ہم
دماغِ نازکِ من بر نمی تابد تقاضا را

نہ کر ناز و ادا ایسے، لے دل بھی دین بھی جاں بھی
کہ کر سکتا نہیں برداشت میں طورِ تقاضا کو

سرابِ آتش از افسردگی چو شمع تصویرم
فریبِ عشق بازی می دہم اہلِ تماشا را

سرابِ آتشیں دل ہے مرا، تو عکسِ شمع ایسا
فریبِ عاشقی دیتا ہوں یوں اہلِ تماشا کو

من و ذوقِ تماشائے کسے کز تابِ رخسارش
جگر بر تابہ چسپید آفتابِ عالم آرا را

ہے وہ ذوقِ تماشائے رخِ تاباں مجھے، جس نے
تپش دی ہے جگر کی آفتابِ عالم آرا کو

چہ لب تشنہ ست خاکم کاستینِ گردبادِ من
چو اشک از چہرہ از روئے زمیں برچید دریا را

میں خاکِ خشکِ صحرا ہوں، غبارِ آستیں میرا
ہے اتنا تشنہ لب جو جذب کر لیتا ہے دریا کو

خیالش را بساطے بہر پا انداز می جستم
پسندیدم بہ مستی مخملِ خوابِ زلیخا را

خیالِ یار کے آگے بچھانے کو کیا میں نے
پسندیدہ بہ مستی مخملِ خوابِ زلیخا کو

دلِ مایوس را تسکیں بہ مردن می تواں دادن
چہ امید است آخر خضر و ادریس و مسیحا را

دلِ مایوس کو اُمیدِ تسکیں موت سے ہو جب
تو پھر اُمید ہو کیا خضر و ادریس و مسیحا کو

بہاراں ست و خاک از جلوۂ گل امتلا دارد
بہ رگ زن نشتر از موجِ خرامِ ناز صحرا را

ہوا پُر جوش ہے خونِ بیاباں جلوۂ گل سے
خرامِ ناز کے نشتر سے کھولو فصدِ صحرا کو

سرو کارم بود با ساقیئے کز تندیِ خُویشش
نفس در سینہ می لرزد ز موجِ بادہ مینا را

ملا ہے تند خو ساقی کچھ ایسا دیکھ کر جس کو
بہت لرزاتی موجِ تیزِ مے ہے قلبِ مینا کو

خطے بر ہستیِ عالم کشیدیم از مژہ بستن
زخود رفتیم و ہم با خویشتن بردیم دنیا را

وجودِ عالمِ ہستی اگر ہے تو خیالی ہے
جو مرتا ہے تو لے کر ساتھ جاتا ہے وہ دنیا کو

در آغوشِ تغافل عرضِ یک رنگی تواں دادن
تہی تا می کنی پہلو بما بنمودۂ جا را

نہیں مجھ میں اور اس میں جب کوئی تفریق تو کیسے
تہی آغوش میری ہے مناسب اس دل آرا کو

نمی رنجد کہ در دامِ تغافل می تپد صیدش
نمی دانم چہ پیش آمد نگاہِ بے محابا را

تڑپتا صید ہے کیوں اس طرح دامِ تغافل میں
ہوا صیاد کیا تیری نگاہِ بے محابا کو

زمیں گوئے ست کو مجنوں کہ من بردم ز میدانش
غبارم در نوردِ خود فرو پیچید صحرا را

میں سبقت لے گیا مجنوں سے ہوں چوگان بازی میں
نوردی نے مری جب کر دیا میدان صحرا کو

ازیں بیگانگی ہا می تراود آشنائی ہا
حیا می ورزد و در پردہ رسوا می کند ما را

تری بیگانگی میں جب کہ رنگِ آشنائی ہے
تغافل سے کرے رسوا ہے پھر کیوں اپنے شیدا کو

حذر از زمہریرِ سینۂ آسودگاں غالبؔ
چہ منت ہا کہ بر دل نیست جانِ ناشکیبا را

خُدا کا شکر ہے تم کو نہیں آسودگی غالبؔ
کہ سازِ زندگی ہے سوزِ الفت ناشکیبا کو

پس از کشتن بخوابم دید نازم بدگمانی را
بخود پیچد کہ ہے ہے دی غلط کردم فلانی را

کیا ہے قتل مجھ کو یا کیا ہے میرے ثانی کو
جگاتا خواب میں ہوں جل کے اس کی بدگمانی کو

دلم بر رنجِ نابرداریِ فرہاد می سوزد
خداوندا بیامرز آں شہیدِ امتحانی را

دلِ فرہاد میں کچھ بھی نہ تابِ آزمائش تھی
خدایا بخش دے تو اس شہیدِ امتحانی کو

دریغ از حسرتِ دیدار ورنہ جائے آں دارد
کہ بے رُویت بہ دشمن دادہ باشم زندگانی را

نہ ہوتی حسرتِ دیدارِ جاناں اتنی گر دل میں
عدو کی نذر کر دیتا میں ایسی زندگانی کو

سرشتم را بپالودند تا سازند از لایش
پرِ پروانہ و منقارِ مرغِ بوستانی را

مرے سوزِ جگر سے اور سازِ خوش بیانی سے
ہیں پروانے کو پر، منقارِ مرغِ بوستانی کو

چو خود را ذرہ گویم رنجد از حرفم زہے طالع
زخود می داندم بے مہر، نازم مہربانی را

خفا ہوتا ہے وہ، کرتا ہوں جب اظہارِ عجز اس سے
ذرا دیکھو تو اس نامہرباں کی مہربانی کو

بپایش جاں فشاندن شرمسارم کرد می دانم
کہ داند ارزشی نبود متاعِ رائیگانی را

تمہارے پاؤں پر دیتا ہوں جاں پر جانتا ہوں میں
ہے وجہِ شرم دے دینا متاعِ رائیگانی کو

فدایت دیدہ و دل رسمِ آرائش مپرس از من
خرابِ ذوقِ گلچینی چہ داند باغبانی را

نہ پوچھ اے گلشن آرا مجھ سے کوئی رسمِ آسائش
خرابِ ذوقِ گلچینی نہ جانے باغبانی کو

چہ خیزد گر ہوس گنجِ امیدم در دل افشاند
دریں کشور روائی نیست نقدِ شادمانی را

بنایا شوق نے دل کو امیدوں کا خزانہ تو
روا جاتیں کب اس کشور میں نقدِ شادمانی کو

نشاطِ لذتِ آزار را نازم کہ در مستی
ہلاکِ فتنہ دارد ذوقِ مرگِ ناگہانی را

نشاطِ لذتِ آزار کچھ ایسی ہے اب دل میں
کیا ہے ماند اس نے حظِ مرگِ ناگہانی کو

مپرس از عیشِ نومیدی کہ دنداں در دل افشردن
اساسِ محکمے باشد بہشتِ جاودانی را

اگر پڑ جائے عیشِ ناامیدی کا مزہ دل کو
نہ پوچھے پھر کوئی عیشِ بہشتِ جاودانی کو

سراسر غمزہ ہایت لاجوردی بود و من عمرے
بہ معشوقی پرستیدم بلائے آسمانی را

تیرے ناز و ادا میں ہیں سراسر آفتیں ایسی
سمجھتا ہوں میں معشوقی بلائے آسمانی کو

بجز سوزندہ اخگر گل نہ گنجد در گریبانم
بد آموزِ عتابم بر نتابم مہربانی را

سوا چنگاریوں کے کچھ نہیں میرے گریباں میں
خدا رکھے سلامت تیری ہر نامہربانی کو

دلم معبودِ زردشت ست غالب فاش می گویم
بہ خس یعنی قلم من دادہ ام آذر فشانی را

بنے آتش کدے ہیں جا کے وہ زردشت کا پیرو
قلم کی تیرے غالب دیکھے جو آذر فشانی کو

محو کن نقشِ دوئی از ورقِ سینۂ ما
اے نگاہت الفِ صیقلِ آئینۂ ما

گر مٹے نقشِ دوئی، صاف ورق سینہ ہو
نگہ تیری الفِ صیقلِ آئینہ ہو

وقفِ تاراجِ غمِ تست چہ پیدا چہ نہاں
ہمچو رنگ از رخِ ما رفت دل از سینۂ ما

غمِ بیرون و دروں ایک ہیں وقفِ غارت
رنگ اڑے رخ سے، تہی دل سے اگر سینہ ہو

چہ تماشاست ز خود رفتۂ خویشتن بودن
صورتِ ما شدہ عکسِ تو در آئینۂ ما

بے خودی کا یہ تماشا کہ نہیں فرق، اگر
عکس تیرا کہ مرا اندرِ آئینہ ہو

عرصہ بر الفتِ اغیار چہ تنگ آمدہ ست
خوش فرو رفتہ بہ طبعِ تو خوشا کینۂ ما

نہ رہے الفتِ اغیار کی گنجائش کچھ
یوں سمایا تیرے سینے میں مرا کینہ ہو

محتشم زادۂ اطرافِ بساطِ عدمیم
گوہر از بیضۂ عنقاست بہ گنجینۂ ما

میں ہوں شہزادۂ اطرافِ بساطِ عدمی
مخزنِ بیضۂ عنقا مرا گنجینہ ہو

نیست مستانِ ترا تفرقۂ بدر و ہلال
بادہ مہتاب شود در شبِ آدینۂ ما

ایک ہوں بدر و ہلال آنکھ میں مستوں کی ترے
بادہ مہتاب بنے جب شبِ آدینہ ہو

غالب امشب ہمہ از دیدہ چکیدن دارد
خونِ دل بود مگر بادۂ دوشینۂ ما

غالب اس رات ٹپکتا ہے جو یوں آنکھوں سے
خونِ دل بن نہ گیا بادۂ دوشینہ ہو

سوزِ عشقِ تو پس از مرگ عیان ست مرا
رشتۂ شمعِ مزار از رگِ جان ست مرا

سوزشِ عشق ہوئی مر کے عیاں ہے میری
رشتۂ شمعِ مزاری رگِ جاں ہے میری

می نگنجم ز طرب در شکنِ خلوتِ خویش
حلقۂ بزم کہ چشمِ نگران ست مرا

مجھ کو خلوت میں رکھے خوش ہے تصوّر اس کا
گردشِ جام جو چشمِ نگراں ہے میری

ہر خراشے کہ ز رشکِ تنم افتد بر دل
در سپاسِ دمِ تیغِ تو زبان ست مرا

زخم کے رشک سے دل ہوتا ہے بسمل جب بھی
تیغ کی تیری ثنا کرتی زباں ہے میری

دل خود از تست و ہم از ذوقِ خریداریِ تست
این ہمہ بحث کہ در سود و زیان است مرا

دل یہ تیرا ہے مگر ذوقِ خریداری کو
بحث در سلسلۂ سُود و زیاں ہے میری

جوئے از بادہ و جوئے ز عسل دارد خُلد
لبِ لعلِ تو ہم این ست و ہم آن ست مرا

جوئے شیر و عسل و بادہ جو ہیں جنت میں
لعلِ لب میں ترے سب چکھے زباں ہے میری

چوں پری زاد کہ در شیشہ فرودش آرند
روئے خوبت بہ دل از دیدہ نہان ست مرا

وہ پری زاد کہ شیشے میں اتاریں جس کو
دل میں زخشاں ہے جو آنکھوں سے نہاں ہے میری

بہ تنگ و تازِ من افزود گسستن یک دست	شوق وا امید بڑھاتے ہیں تگ و دو دل کی
در رہت رشتۂ امید عنان ست مرا	دھاگہ امید کا اس رہ میں عناں ہے میری
بےخودی کردہ سبک دوش فراغے دارم	بےخودی نے مجھے دی ایسی فراغت کہ بنی
کوہِ اندوہ رگِ خوابِ گران ست مرا	طبعِ غمگین رگِ خواب گراں ہے میری
خارہا از اثرِ گرمیِ رفتارم سوخت	راہرووں کے لئے صحرا میں جلائے کانٹے
منّتے بر قدمِ راہروان ست مرا	اس قدر گرمیِ رفتارِ رواں ہے میری
رہروِ نفتۂ در رفتہ بہ آبم غالب	تشنگی نے مجھے پانی میں ڈبویا غالب
توشۂ برلبِ جُو ماندہ نشان ست مرا	توشہ اک برلبِ جُو یادِ زیاں ہے میری

آشنایانہ کشد خارِ رہت دامنِ ما
گوئی ایں بود از ایں پیش بہ پیراہنِ ما

آشنایانہ پکڑتا جو مرا دامن ہے
خارِ رہ یہ ترا، بنتا مرا پیراہن ہے

بے تو چوں بادہ کہ در شیشہ ہم از شیشہ جداست
نبود آمیزشِ جاں در تنِ ما با تنِ ما

جیسے مے شیشے میں شیشے سے جُدا رہتی ہے
بن تیرے رہتا جُدا جان سے میرا تن ہے

سایہ و چشمہ بہ صحرا دہم عیشے دارد
اگر اندیشۂ منزل نشود رہزنِ ما

سایہ و چشمۂ صحرا میں ملے عیش کہاں
میرا اندیشۂ منزل ہوا جب رہزن ہے

تا رود شکوۂ تیغِ ستم آساں از دل
بخیہ بر زخمِ پریشاں فتد از سوزنِ ما

شکوۂ تیغِ ستم کیسے رہے سینے میں
بخیۂ خام و پریشاں جو کرے سوزن ہے

دوست با کینۂ ما مہرِ نہاں می ورزد
خود ز رشک ست اگر دل بُرد از دشمنِ ما

یار کو کینہ نہیں، مہرِ نہاں ہے مجھ سے
کرتا دکھلاوے کی وہ دوستیِ دشمن ہے

می برد مور مگر جاں بہ سلامت ببرد
تا چہ برق ست کہ شد نامزدِ خرمنِ ما

بھاگتی پھرتی بچانے کو ہے وہ جاں اپنی
برق کا کام جلانا گو مرا خرمن ہے

دعویٔ عشق زما کیست کہ باور نہ کند
می جہد خونِ دلِ ما ز رگِ گردنِ ما

رائیگاں ہوگا نہیں، دعویٔ اُلفت کے لئے
خُونِ دل اتنا بہاتی جو رگِ گردن ہے

سخنِ ما ز لطافت نپذیرد تحریر
نہ شود گرد نمایاں ز رمِ توسنِ ما

نہیں منت کشِ تحریر مرا لطفِ سخن
گرد اڑاتا نہیں دوڑے جو مرا توسن ہے

طوطیاں را نبود ہرزہ جگرگوں منقار
خوردہ خونِ جگر از رشکِ سخن گفتنِ ما

سُرخ منقار کرے خونِ جگر سے طوطی
باعثِ رشک مری اتنی سخن گفتن ہے

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما

خواہشِ مرتبہ کچھ ہم کو نہیں تھی غالبؔ
خود بنا شعر تمنّا سے، ہمارا فن ہے

نقشے ز خود براہ گذر بستہ ایم ما
بر دوست راہِ ذوقِ نظر بستہ ایم ما

نقشِ وفا بہ راہگذر باندھتے ہیں ہم
اے یار تیرا ذوقِ نظر باندھتے ہیں ہم

با بندۂ خود ایں ہمہ سختی نمی کنند
خود را بزور بر تو مگر بستہ ایم ما

بندے ہیں تیرے، دے نہ ہمیں اس قدر سزا
خود کو بزور تجھ سے اگر باندھتے ہیں ہم

دل مشکن و دماغ و دلِ خود نگاہدار
کایں خود طلسمِ دُود و شرر بستہ ایم ما

مت توڑ تا نہ سوختہ ہوں روح و جاں ترے
دل میں طلسمِ دُود و شرر باندھتے ہیں ہم

بر رُوئے حاسداں درِ دوزخ کشودہ رشک
از بہرِ خویش جنتِ در بستہ ایم ما

رشکِ حسود کھولے ہے دوزخ کا باب، جب
اپنے لئے بہشت کا در باندھتے ہیں ہم

فرمانِ درد تا چہ روائی گرفتہ است
صد جا چو نَے بہ نالہ کمر بستہ ایم ما

فرمانِ درد تیرا پہنچتا ہے ہر جگہ
سُن کے، بہ آہ و زار کمر باندھتے ہیں ہم

سوزِ ترا رواں ہمہ در خویشتن گرفت
از داغِ تہمتے بہ جگر بستہ ایم ما

ہر ریشہ جان و دل کا جلا سوزِ عشق سے
تہمت مگر بہ داغِ جگر باندھتے ہیں ہم

گوئی وفا نہ دارد اثر ہم بما گرائے
زیں سادگی کہ دل بہ اثر بستہ ایم ما

کہتے ہیں ٹھیک لوگ وفا میں اثر نہیں
پر سادگی سے دل پہ اثر باندھتے ہیں ہم

تا در وداعِ خویش چہ خوں در جگر کنیم
از کوئے دوست رختِ سفر بستہ ایم ما

کوچے سے جانا یار کے جانا ہے جان سے
ہنگام نزع رختِ سفر باندھتے ہیں ہم

ہر جاست نالہ، ہمتِ ما حق گزارِ اوست
حرزے بہ بالِ مرغِ سحر بستہ ایم ما

دیتے ہیں دادِ نالہ گری نوحہ خواں کو یوں
حرز اک بہ بالِ مرغِ سحر باندھتے ہیں ہم

از خوانِ نطقِ غالبؔ شیریں سخن بود
کایں مایہ زلّہ ہائے شکر بستہ ایم ما

ہیں خوانِ نطقِ غالبؔ شیریں سخن پہ جو
چن چن کے ریزہ ہائے شکر باندھتے ہیں ہم

در گردِ غربت آئینہ دارِ خودیم ما
یعنی ز بے کسانِ دیارِ خودیم ما

غربت میں اپنے حال کے آئینہ دار ہیں
رہ کر بھی ہم وطن میں غریبِ دیار ہیں

دیگر ز سازِ بے خودیِ ما صدا مجوی
آوازِ ازگسستنِ تارِ خودیم ما

بجتا ہے خامشی سے گو اک سازِ بے خودی
پُرشور ہیں، شکستہ جو ہستی کے تار ہیں

از بسکہ خاطرِ ہوسِ گل عزیز بود
خوں گشتہ ایم باغ و بہارِ خودیم ما

محرومِ گل رہے، ہوسِ گل ہوئی نہ کم
خوں سے بناتے اشک کے باغ و بہار ہیں

ما جملہ وقفِ خویش و دلِ ما زما پُرست
گوئی ہجومِ حسرتِ کارِ خودیم ما

تھی آرزوئے کار بہت ایک دن، پر اب
صیدِ ہجومِ حسرتِ ناکردہ کار ہیں

از جوشِ قطرہ ہمچو سرشک آب گشتہ ایم
اما ہمہ بہ جیب و کنارِ خودیم ما

چاہا تھا قطرہ بن کے ہوں میں بحر میں فنا
تر کرتے اشک پر مرے جیب و کنار ہیں

مشتِ غبارِ ماست پراگندہ سو بسو
یارب بہ دہر در چہ شمارِ خودیم ما

بکھری ہوئی ہماری جو ہے خاک دہر میں
بے کار و نامراد ہیں مشتِ غبار ہیں

با چوں توئے معاملہ برخویش منّت است
از شکوۂ تو شکر گزارِ خودیم ما

وابستگی میں تیری بہت فخر ہے ہمیں
کرتے ہیں شکوہ پر ترے احساں گزار ہیں

روئے سیاہِ خویش ز خود ہم نہفتہ ایم
شمعِ خموشِ کلبۂ تارِ خودیم ما

روئے سیاہ اپنا چھپاتے ہیں خُود سے ہم
شمعِ خموشِ کلبۂ احزانِ تار ہیں

در کارِ ماست نالہ و ما در ہوائے او
پروانۂ چراغِ مزارِ خودیم ما

جلنے کی آرزو ہے اور اس کی ہوا میں ہم
پروانہ ایک گردِ چراغِ مزار ہیں

خاکِ وجودِ ماست بہ خونِ جگر خمیر
رنگینیِ قماشِ غبارِ خودیم ما

ہیں مشتِ خاک ایک مگر خونِ دل سے ہم
رنگین کرتے اپنا لباسِ غبار ہیں

ہر کس خبر ز حوصلۂ خویش میدہد
بدمستیِ حریف و خمارِ خودیم ما

پینا شرابِ عشق ہے اک کارِ حوصلہ
بدمست غیر ہو گئے، ہم پُرخمار ہیں

غالب چو شخص و عکس در آئینۂ خیال
با خویشتن یکے و دوچارِ خودیم ما

آئینۂ خیال میں جو شخص و عکس ہیں
غالب ہیں ایک سب، ولے لگتے دو چار ہیں

بہ شغلِ انتظارِ مہوشاں در خلوتِ شب ہا
سرِ تارِ نظر شد رشتۂ تسبیحِ کوکب ہا

بہ شغلِ انتظارِ مہوشاں در خلوتِ شب ہا
سرِ تارِ نظر ہے رشتۂ تسبیحِ کوکب ہا

بروئے برگِ گل تا قطرۂ شبنم نہ پنداری
بہار از حسرتِ فرصت بدنداں میگزد لب ہا

بروئے برگ گل شبنم نہیں، یہ خوں کے قطرے ہیں
بہاراں کاٹتی ہے حسرتوں میں دانت سے لب ہا

بہ خلوت خانۂ کامِ نہنگِ "لا" زدم خود آ
ستوہ آمد دل از ہنگامۂ غوغائے مطلب ہا

نہنگِ "لا" کے منہ میں میں فنا ہونے کو جاتا ہوں
کرے ہے تنگ یوں ہنگامۂ غوغائے مطلب ہا

کند گر فکرِ تعمیرِ خرابی ہائے ما گردوں
نیابد خشت مثلِ استخواں بیروں ز قالب ہا

ہماری فکرِ تعمیرِ خرابی گر کرے گردوں
نہ پائے خشت مثلِ استخواں بیرونِ قالب ہا

خوشا بے رنگیِ دل دستگاہِ شوق را نازم
نمی بالد بہ خویش ایں قطرہ از طوفانِ مشرب ہا

زہے بے رنگیِ دل، دولتِ اُلفت ذرا دیکھو
بڑھا سکتا نہیں قطرے کو یہ طوفانِ مشرب ہا

ندارد حسن در ہر حال از مشاطگی غفلت
بود تہ بندیِ خط سبزۂ خط در تہِ لب ہا

نہ آرائش سے کرتا ہے کبھی غفلت. جمال اپنی
بڑھاتا سبزۂ خط سے ہے وہ رنگینیِ لب ہا

خوشا رندی و جوشِ زندہ رُو دو مشربِ عذبیش
بہ لب خشکی چہ میری در سرابستانِ مذہب ہا

خوشا رندی و جوشِ قدحِ مے و طورِ رنگینی
ہے تو کیوں تشنہ لب اندر سرابستانِ مذہب ہا

تو خود پنداری و دانی کہ جاں بردم نمی دانی
کہ آتش در نہادم آب شد از گرمیِ تب ہا

پسینہ عشق میں جو میرے چہرے سے ٹپکتا ہے
یہ آتش ہے جسے پانی کرے ہے گرمیِ تب ہا

مبادا ہمچو تارِ سبحہ از ہم بگسلد غالبؔ
نفس با ایں ضعیفی بر نتابد شورِ یارب ہا

نہ جائے ٹوٹ مثلِ سبحہ اے غالبؔ نفس تیرا
ضعیفی میں رہی اس کو نہیں کچھ تابِ یارب ہا

پس از عمرے کہ فرسودم بہ مشقِ پارسائی ہا
گدا گفت و بہ من تن درنداد از خودنمائی ہا

بصد خستہ دلی کی ہم نے مشقِ پارسائی ہے
مگر وہ خود نما سمجھا طریقت کو گدائی ہے

فغاں زاں بوالہوس بر کش، محبت پیشہ کُش کز من
رباید حرف و آموزد بدشمن آشنائی ہا

رقیبِ بوالہوس پر لطف، الزام ہوس ہم پر
یہ ہم سے کیوں عداوت اور عدو سے آشنائی ہے

بتِ مشکل پسند از ابتذالِ شیوہ می رنجد
بگوئیدش کہ از عمر است آخر بے وفائی ہا

ہے وہ مشکل پسند آزردہ طورِ مبتذل سے جو
پسند اس کو پھر اپنا کیوں طریقِ بے وفائی ہو

نہ شد روزے کہ سازم طرّہ اجزائے گریباں را
بدستم چاک ہا چوں شانہ ماند از نارسائی ہا

کریں کس طرح یک جا اپنے اجزائے گریباں کو
کہ جب ہر چاک اس کا اک ثبوتِ نارسائی ہے

نیرزم التفاتِ دُزد و رہزن، بے نیازم ہیں
متاعم را بہ غارت دادہ اند از ناروائی ہا

میسّر التفاتِ دُزد و رہزن بھی نہیں ہم کو
ہے اتنی بے سروسامانی، ایسی بے نوائی ہے

بروزِ رستخیز از جنبشِ خاکم بر آشوبی
نو و یزداں چہ سازد کس بدیں صبر آزمائی ہا

وہ روزِ حشر میری خاک میں جنبش سے برہم ہے
نہ کرتا ترک محشر میں بھی کچھ صبر آزمائی ہے

کدوئے چو نہ مے یا ہم چناں بر خوشتن بالم
کہ پندارم سر آمد روزگارِ بے نوائی ہا

کبھی بھر دیوے ہے ساقی ہمارا کاسہ گر مے سے
لگے یہ کچھ ختم ہوتا روزگارِ بے نوائی ہے

سخن کوتہ، مرا ہم دل بہ تقویٰ مائل ست اما
ز ننگِ زاہد افتادم بہ کافر ماجرائی ہا

کبھی ہوتا بھی گر ہے دل ہمارا مائلِ تقویٰ
بناتی ہم کو پھر کافر ریائے پارسائی ہے

چہ خوش باشد دو شاہد را بہ بحثِ ناز پیچیدن
نگہ در نکتہ زائی ہا نفس در سرمہ سائی ہا

جو بحثِ ناز میں اُلجھے ہیں شاہد کسقدر ان کی
نفس میں نکتہ زائی ہے نگہ میں سرمہ سائی ہے

نہ رنجم گر بہ صورت از گدایاں بودہ ام غالبؔ
بدار الملکِ معنی می کنم فرماں روائی ہا

بظاہر آپ لگتے ہیں فقیرِ بے نوا غالبؔ
مگر بر ملکِ معنی آپ کی فرماں روائی ہے

جاں بر نتابد اے دل ہنگامۂ ستم را
از سینہ ریز بیروں مانندِ تیغ دم را

اے دل سہوں میں کب تک ہنگامۂ ستم کو
سینے سے کھینچ باہر مانندِ تیغ دم کو

از وحشتِ بروں نم بنگر غمِ دروں نم
آمیزشِ غریبے باشد بہ ہوش رم را

ہوش اور ہوش اُڑنے میں فاصلہ نہیں کچھ
وحشت عیاں کرے ہے رازِ نہانِ غم کو

گویند می نویسد قاتل براتِ خیرے
یارب شکستہ باشد برنامِ ما قلم را

سنتے ہیں لکھ رہا ہے قاتل تو حکمِ بخشش
اے کاش نام میرا توڑے ترے قلم کو

بے وجہ در رہت نیست از پا فتادنِ من
بر دیدہ می نشانم در ہر قدم قدم را

جاتا ہوں گرتا پڑتا یوں راہ پر میں تیری
رکھتا ہوں ہر قدم پر آنکھوں پہ ہر قدم کو

سوگندِ کُشتنم خورد از غصّہ جاں سپردم
کردم ز بے نیازی خوں در جگر قسم را

سوگندِ قتل کھائی تُو نے ہے، کیسے لیکن
مر کے میں غم کے ہاتھوں، ہوں توڑتا قسم کو

در نامہ تا نبشتی بر من نویدِ قتلے
در دل چو جوہرِ تیغ جا دادہ ام رقم را

مژدہ لکھا ہے خط میں کرنے کا قتل تُو نے
جوہر بنا کے دل میں رکھتا ہوں اس رقم کو

بیداد گر ندارد سرمایۂ تواضع
تیغت برسمِ یغما از ما ربودہ خم را

خم تیغ کا نہیں ہے سرمایۂ تواضع
کرتی ہے قتل و غارت، مت دیکھ اس کے خم کو

کاشانہ گشت ویراں ویرانہ دلکشا تر
دیوار و در نہ سازد زندانیانِ غم را

ویران گھر ہوا ہے، ویرانہ دل کشا ہے
دیوار و در نہیں کچھ، زندانیانِ غم کو

مانندِ خارزارے کآتش زنند در وے
سوزد ز بیمِ خوبیت اجزائے نالہ ہم را

ہیں خارزار جلتے جس طرح، تیری خُو کی
آتش جلا رہی ہے اجزائے زار و غم کو

در مشربِ حریفاں منع ست خُود نمائی
بنگر کہ چوں سکندر آئینہ نیست جم را

ہے مشربِ حریفاں میں منع خُود نمائی
آئینۂ سکندر سے کام کیا ہے جم کو

زاہد مناز چندیں زنّارم ار گسستی
از جبہہ ام نہ دُزدد کس سجدۂ صنم را

زاہد نہ خوش ہو میرا زنّار توڑ کر یوں
چھینے گا دل سے کیسے تو الفتِ صنم کو

اشکے نماند باقی از فرطِ گریہ غالبؔ
سیلے رسید و گوئی از دیدہ شُست نم را

غالبؔ بہ فرطِ گریہ باقی رہے نہ آنسو
سیلاب لے گیا سب آنکھوں سے میری نم کو

من آں نیم کہ دگر می تواں فریفت مرا
فریبمش کہ مگر می تواں فریفت مرا

کم حسنِ یار اگر دیوے ہے فریب مجھے
بہت کچھ اور مگر دیوے ہے فریب مجھے

بہ حرفِ ذوقِ نگہ می تواں ربود مرا
بہ وہمِ تابِ کمر می تواں فریفت مرا

بیانِ ذوقِ نظر لوٹتا ہے دل میرا
اور ایک وہمِ کمر دیوے ہے فریب مجھے

ز ذکرِ مُل بگماں می تواں فگند مرا
ز شاخِ گل بہ ثمر می تواں فریفت مرا

خیالِ مے مجھے کرتا ہے مست یہ کچھ ایسا
نہالِ گل بہ ثمر دیوے ہے فریب مجھے

ز دردِ دل کہ بافسانہ درمیاں آید
بہ نیم جنبشِ سر می تواں فریفت مرا

فسانۂ غمِ اُلفت کے سننے والوں کی
ذراسی جنبشِ سر دیوے ہے فریب مجھے

ز سوزِ دل کہ بہ واگو بہ بر زباں گزرد
بیکِ دو حرفِ حذر می تواں فریفت مرا

جو ذکرِ سوزِ جگر گفتگو میں آتا ہے
دو ایک حرف کا ڈر دیوے ہے فریب مجھے

من و فریفتگی! ہرگز آں محال اندیش
چرا فریفت اگر می تواں فریفت مرا

میں اور فریب! مگر شاہدِ محال اندیش
بہ یک فسونِ نظر دیوے ہے فریب مجھے

خدنگ جز بجگر ایش کشاد نہ پذیرد
ازو بزخمِ جگر می تواں فریفت مرا

گو تیر اس کی کماں سے ابھی نہیں نکلا
مگر یہ زخمِ جگر دیوے ہے فریب مجھے

زبازنا مدنِ نامہ بر خوشم کہ ہنوز
بہ آرزوئے خبر می تواں فریفت مرا

نہ آیا لوٹ کے قاصد مرا مگر خوش ہوں
کہ آرزوئے خبر دیوے ہے فریب مجھے

شبِ فراق ندارد سحر ولے یک چند
بہ گفتگوئے سحر می تواں فریفت مرا

شبِ فراق کی کب ہے سحر مگر چندے
یہ گفتگوئے سحر دیوے ہے فریب مجھے

گرسنہ چشمِ اثر نیستم کہ در رہِ دید
بہ کیمیائے نظر می تواں فریفت مرا

نہ بھُوکا چشمِ اثر کا ہوں، پر خیال ترا
بہ کیمیائے نظر دیوے ہے فریب مجھے

سرشتِ من بود ایں ورنہ آں نیم غالبؔ
کہ از وفا بہ اثر می تواں فریفت مرا

وفا سرشت میں ہے میری، کیا کروں غالبؔ
کہ اک خیالِ اثر دیوے ہے فریب مجھے

زمن گرت نہ بود باور انتظار بیا
بہانہ جوئے مباش و ستیزہ کار بیا

دکھا نہ اتنا خدارا تُو انتظار آجا
نہ ہو ملاپ تو لڑنے کو ایک بار آجا

بیک دو شیوہ ستم دل نمی شود خرسند
بہ مرگِ من کہ بہ سامانِ روزگار بیا

دو ایک طورِ ستم سے بھرے نہ جی میرا
تو لے کے جور کا سامانِ روزگار آجا

بہانہ جوست در الزامِ مدعی شوقت
یکے بہ رغمِ دلِ نا امیدوار بیا

عدو ہے روکے تجھے پر کبھی خدا کے لئے
بِنا امیدِ دلِ نا امیدوار آجا

ہلاکِ شیوۂ تمکیں مخواہ مستاں را
عناں گستہ تر از بادِ نوبہار بیا

اجاڑ شیوۂ تمکیں سے یوں نہ مستوں کو
ادھر بھی بن کے کبھی بادِ نوبہار آجا

زما گسستی و با دیگراں گرو بستی
بیا کہ عہدِ وفا نیست استوار بیا

تُو مجھ سے توڑے کبھی، باندھے غیر سے ہے کبھی
لگے ہے پھر بھی ترا عہد استوار آجا

وداع و وصل جداگانہ لذّتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

وداع و وصل میں ہیں لذّتیں جداگانہ
ہزار بار تُو جا صد ہزار بار آجا

تو طفلِ سادہ دل و ہم نشیں بد آموز است
جنازہ گر نہ تواں دید بر مزار بیا

تُو سادہ دل ہے بہت اور رقیب بد آموز
نہ وقتِ مرگ گر آیا سرِ مزار آجا

فریب خوردۂ نازم چہا نمی خواہم
یکے بہ پرسشِ جانِ امیدوار بیا

فریب خوردۂ غمزہ ہوں حسرتیں ہیں بہت
کبھی بہ پُرسشِ جانِ امیدوار آ جا

زخوئے تست نہادِ شکیب نازک تر
بیا کہ دست و دلم می رَوَد زکار بیا

ہے تیری خو سے، مری طبعِ صبر نازک تر
ہوس کا ہاتھ سے جاتا ہے اختیار آ جا

رواجِ صومعہ ہستی ست زینہار مرو
متاعِ میکدہ مستی ست ہوشیار بیا

رواجِ صومعہ ہستی ہے واں نہ جا ہرگز
متاعِ میکدہ مستی ہے بے شمار آ جا

حصارِ عافیتے گر ہوس کنی غالبؔ
چو ما بہ حلقۂ رندانِ خاکسار بیا

حصارِ امن اگر چاہیئے تجھے غالبؔ
درونِ حلقۂ رندانِ خاکسار آ جا

چوں بہ قاصد بسپرم پیغام را
رشک نگذارد کہ گویم نام را

لے کے قاصد جائے جب پیغام کو
رشک سے لوں میں نہ اس کے نام کو

گشتہ در تاریکیِ روزم نہاں
کُو چراغے تا بجویم شام را

میرا دن تاریکیوں میں چھپ گیا
شمع لے کے ڈھونڈتا ہوں شام کو

آں مَیَم باید کہ چوں ریزم بجام
زورِ مے در گردش آرد جام را

چاہیئے مے وہ کہ جب ڈالوں اسے
زورِ مے گردش میں لائے جام کو

بے گناہم پیرِ دیر از من مرنج
من بہ مستی بستہ ام احرام را

مجھ سے ہو برہم نہ اے پیرِ مغاں
باندھتا مستی میں ہوں احرام کو

از دلِ تست آنچہ برمن می رود
می شناسم سختیِ ایام را

ظُلم تیرا جان کر، اے سنگدل
جھیلتا ہوں سختیِ ایّام کو

تا نیفتد ہر کہ تن پرور بود
خوش بود گر دانہ نبود دام را

چاہیئے عاشق نہ تن پرور اگر
بھرتا دانوں سے ہے تُو کیوں دام کو

بسکہ ایمانم بہ غیب است استوار
از دہانِ دوست خواہم کام را

غیب پر ایمان ہے پکّا، سو میں
دوست کے مُنہ سے نکالوں کام کو

ماکجا، اوکو، چہ سودا در سرست
ذرہ ہائے آفتاب آشام را

ہم کہاں اور وہ کہاں، سودا ہے پر
ذرّہ ہائے آفتاب آشام کو

زحمتِ عام است دائم خاص را
عشرتِ خاص است ہردم عام را

خاص کو تکلیف عامی دائماً
خاص عشرت دمبدم ہے عام کو

دلستاں در خشم و غالبؔ بوسہ جُو
شوق نشناسد ہمی ہنگام را

دلستاں برہم ہے، غالبؔ بوسہ جُو
دیکھو اس کے شوقِ بے ہنگام کو

در ہجر طرب بیش کند تاب و تبم را
مہتاب کفِ مارِ سیاہ است شبم را

فرقت میں بڑھاتا ہے طرب دل کی طلب کو
کرتا مہِ تاباں ہے فزوں ظلمتِ شب کو

آورخ کہ چمن بستم و گردوں عوضِ گل
در دامنِ من ریختہ پائے طلبم را

گل جوئی تھی، پر چرخ نے پھولوں کے بجائے
دامن میں مرے ڈال دیا پائے طلب کو

ساز و قدح و نغمہ و صہبا ہمہ آتش
یابی ز سمندر رہِ بزمِ طربم را

ساز و قدح و نغمہ وصہبا ہیں سب آتش
شعلوں سے ملے نشو و نما بزمِ طرب کو

در دل ز تمنّائے قدم بوسِ تو شوریست
شوقت چہ نمک دادہ مذاقِ ادبم را

خواہش سے قدم بوسی کی اک شور ہے دل میں
کس شوق سے ملتا ہے نمک ذوقِ ادب کو

از لذّتِ بیدادِ تو فارغ نتواں زیست
دریاب عیارِ نگہِ بے سببم را

راس آئی ہے مجھ کو تری بے داد کی لذّت
دل مانگے ہے ہر وقت ترے طیش و غضب کو

ترسم کہ دہد نالہ جگر را بدریدن
قطعِ نظر از جیب بدوزیم لبم را

ڈرتا ہوں کہ نالہ نہ کرے پاش جگر کو
کچھ فکرِ گریباں نہیں، سیتا ہوں میں لب کو

از نالہ بہ نبضم بنہ اے دوست سر انگشت
مانندِ نَے اندر ستخواں جوئے تبم را

یہ نبض میں میری نہیں، پائے گا تو جانم
ہڈی کی تپش میں مرے نالے کے سبب کو

ساقی بہ نمے کز قدحِ بادہ چکانی
بر خلد بخنداں لبِ کوثر طلبم را

جو پھینکے ہے ساقی تو زمیں پر وہ ہمیں دے
تاکہ یہ مٹائے لبِ کوثر کی طلب کو

در من ہوسِ بادہ طبیعی ست کہ غالب
پیمانہ بہ جمشید رساند نسبم را

مجھ میں ہوسِ بادہ طبیعی ہے کہ غالب
جمشید سے پیمانہ ملاتا ہے نسب کو

بر نمی آید ز چشم از جوشِ حیرانی مرا
شد نگہ زنّار تسبیحِ سلیمانی مرا

چشمِ کافر نے دیا ہے جوشِ حیرانی مجھے
بن گئی زنّار تسبیحِ سلیمانی مجھے

دامن افشاندم بجیب و ماندہ در بندِ تنم
وحشتے کو تا بروں آرد ز عریانی مرا

یوں تو دامن سے چھپاتا ہوں میں چاکِ جیب کو
صرف وحشت ہے مری پوشاکِ عریانی مجھے

وہ اگر پیش از من بہ پابوس کسے خواہد رسید
سجدۂ شوقے کرمی بالد بہ پیشانی مرا

کیا مزہ ہو گر وہ مجھ سے پہلے پابوسی کرے
دیتی شوقِ سجدہ جو ہے میری پیشانی مجھے

ہم چنیں بیگانہ زی با من دل و جانِ کسے
بدگماں گردم اگر دانم کہ میدانی مرا

تُو ہے جان و دل عدو کا، بے رخی مجھ سے صحیح
بدگماں کرتی ہے تیری مہر ارزانی مجھے

با ہمہ خرسندی از وے شکوہ ہا دارم ہمی
تا نداند صیدِ پرسش ہائے پنہانی مرا

دل میں خُوش ہوں، ظاہراً کرتا ہوں شکوے نا کہیں
وہ نہ سمجھے صیدِ پرسش ہائے پنہانی مجھے

بر نیا یم با روانی ہائے طبعِ خویشتن
موجِ آبِ گوہرِ من کردہ طوفانی مرا

غرق اپنی ہی طبیعت کی روانی میں ہوں میں
موجِ آبِ گوہرِ طبعی ہے طوفانی مجھے

تا بہ راحت مُردم و یک رہ بخاکم نامدی
دوزخی گردیدہ اندوہِ پشیمانی مرا

میں تری رہ میں مرا، تو قبر پر آیا نہیں
دوزخی کرتا ہے اندوہِ پشیمانی مجھے

خویش را چوں موجِ گوہر گرچہ، گرد آوردہ ام
دل پُر است از ذوقِ اندازِ پَر افشانی مرا

جس قدر چاہے میں رکھوں کھینچ کر دل کو مگر
پھڑ پھڑاتا اس کا ہے ذوقِ پَر افشانی مجھے

تشنہ لب بر ساحلِ دریا ز غیرت جاں دہم
گر بہ موج افتد گمانِ چینِ پیشانی مرا

تشنہ لب ہوں ساحلِ دریا پہ، پر دے دوں گا جاں
گر دکھائے موج اس کی چینِ پیشانی مجھے

با سراج الدّین احمد چارہ جُز تسلیم نیست
ورنہ غالبؔ نیست آہنگِ غزل خوانی مرا

ہے نہ جُز تسلیم چارہ کچھ سراج الدّین سے
ورنہ تو غالبؔ نہیں شوقِ غزل خوانی مجھے

از وہمِ قطرگی ست کہ در خود گمیم ما
اما چو وا رسیم ہماں قلزمیم ما

گو وہمِ قطرگی میں بہت گم ہوئے ہیں ہم
کھولی جو آنکھ دل کی تو قلزم ہوئے ہیں ہم

در خاک از ہوائے گل و شمع فارغیم
از توسنِ تو طالبِ نقشِ سمیم ما

فرصت ہوائے گل سے ملی خاک میں، پر اب
توسن کے تیرے منتظرِ سم ہوئے ہیں ہم

تمکینِ ماز چرخِ سبک سر بہ باد رفت
خوش دستگاہِ انجمنِ انجمیم ما

تمکین لُوٹ چرخِ سبک سر نے لی تو کیا
اس انجمن میں غیرتِ انجم ہوئے ہیں، ہم

مردم بہ کینہ تشنۂ خونِ ہم اند و بس
خوں می خوریم چوں ہم ازیں مردمیم ما

مردم بہ کینہ تشنۂ خوں یک دگر ہوئے
انسان گر نہ بن سکے، مردم ہوئے ہیں ہم

از حد گزشت شملہ و دستار و ریشِ شیخ
حیرانِ ایں درازیِ یالِ دُمیم ما

دستار و ریشِ شیخ کی دیکھی ہے ہم نے جب
حیراں بہت بہ یالِ خر و دُم ہوئے ہیں ہم

دستت زما بشوئے مسیحا کہ زیرِ خاک
آب از تفِ نہیبِ صدائے قُمیم ما

ہم کو جگا نہ نیند سے تربت میں اے مسیح
کر بے نیاز و بے غرضِ قُم ہوئے ہیں ہم

پنہاں بہ عالم ایم زبس عینِ عالمیم
چوں قطرہ در روانیِ دریا گمیم ما

پنہاں ہیں کائنات میں، خود کائنات ہیں
دریائے حق میں قطرہ صفت گم ہوئے ہیں ہم

مارا مدد بہ فیضِ ظہوری ست در سخن
چوں جامِ بادہ راتبہ خوارِ خمیم را

ہے شاعری میں فیضِ ظہوری ہمیں بہت
مانندِ جام منتظرِ خم ہوئے ہیں ہم

غالب ز ہند نیست نوائے کہ می کشم
گوئی ز اصفہان و ہرات و قمیم ما

غالب ہماری دھوم ہے یزد و ہرات میں
دلی میں رہ کے بادشہِ قم ہوئے ہیں ہم

بہ بیم افگندہ مے راچارۂ رنجِ خمارِ ما
قدح برخویش می لرزد زدستِ رعشہ دارِ ما

خطر میں ڈالے مے کو چارۂ رنجِ خمار اپنا
تزلزل میں رکھے ساغر کو دستِ رعشہ دار اپنا

خوشا جانے کہ اندوہے فروگیرد سراپایش
زنومیدی تواں پرسید لطفِ انتظارِ ما

زہے وہ دل سراپا جس میں تیرا غم سمایا ہے
تو نومیدی سے میری پوچھ لطفِ انتظار اپنا

نشستن بر سرِ راہِ تحیر عالمے دارد
کہ ہر کس می رود از خویش میگردد دوچارِ ما

ہیں بیٹھے ہم سرِ راہِ تحیر اور یہ عالم ہے
جو ہووے آشنا ہم سے وہ کھووے اعتبار اپنا

چوں بوئے گل جنوں تازیم از مستی چہ می پرسی
گسستن دارد از صد جا عنانِ اختیارِ ما

بوئے گل کی طرح مستی میں ہے آوارگی ہم کو
جنونِ عشق میں کھویا ہے ایسا اختیار اپنا

فروزد ہر قدر رنگِ گل، افزاید تپ و تابش
کبابِ آتشِ خویش ست پنداری بہارِ ما

فزوں جتنا ہو رنگ اتنی ہی بڑھتی ہے تپش گل میں
کہ اپنی آگ میں جلتا ہے ہنگامِ بہار اپنا

حریفاں شورشِ عشقِ ترا بے پردہ وبیندے
بداماں گر نہ گشتے موسمِ گل پردہ دارِ ما

مخالف دیکھ لیتے شورشِ اُلفت کو بے پردہ
نہ دامانِ چمن گر ہم بناتے پردہ دار اپنا

ہنوز از مستیِ چشمِ تو می بالد تماشائے
بموجِ بادہ ماند پرتوِ شمعِ مزارِ ما

تری آنکھوں کی مستی دیکھ کر سرشار ہووے ہے
بنے ہے موجِ بادہ، پرتوِ شمعِ مزار اپنا

بدیں تمکیں حریفِ دستبردِ نالہ نتواں شد
بود سنگِ فلاخن مرصدا را کوہسارِ ما

نہیں کچھ ضبط و تمکیں نالہ و فریاد کے آگے
صدا کو ہے مگر سنگِ فلاخن کوہسار اپنا

خوشا آوارگی گر در نوردِ شوق بر بندد
بہ تارِ دامنے شیرازۂ مشتِ غبارِ ما

زہے آوارگی اس کی، بندھا ہے تارِ دامن سے
نوردِ شوق میں شیرازۂ مشتِ غبار اپنا

بدیں یک آسماں دُردانہ می بینی نمی بینی
کہ ماہِ نو شد از سودن کفِ گوہر شمارِ ما

فسوں میں جس کے اختر ہیں، مہِ کامل وہ کیا جانے
کہ ہے بے نُور کیسا دیدۂ اختر شمار اپنا

نہالِ شمع را بالیدن از کاہیدن ست ایں جا
گدازِ جوہرِ ہستی ست غالب آبیارِ ما

فروغِ شعلۂ شمع اور بڑھتا ہے پگھلنے سے
گدازِ جوہرِ ہستی ہے غالب آبیار اپنا

بہ پایانِ محبّت یاد می آرم زمانے را
کہ دل عہدِ وفا نابستہ دادم داستانے را

بہ پایانِ محبّت یاد آیا وہ زماں ہم کو
مہِ نامہرباں جب وہ لگا تھا مہرباں ہم کو

فسونے گو کہ بر حالِ غریبے دل بدرد آرد
بد اندیشے باندوہِ عزیزاں شادمانے را

فسوں ایسا ہو کوئی، جب وہ دیکھے خستہ حالی کو
دل اس کا درد سے بھر آئے، کر دے شادماں ہم کو

اجازت داد پیشش یک دو حرف از دردِ دل گفتم
پس از دیرے کہ بر خود عرضہ دادم داستانے را

اجازت مل گئی دو ایک حرفِ عشق کہنے کی
وگرنہ کب سے تھی فکرِ بیانِ داستاں ہم کو

جہاں ہیچ ست باوے لاجرم زیں ہا چہ اندیشد
گرفتم کز فغانم دل زہم پاشد جہانے را

ہے اتنی بے نیازی کچھ اثر اس پر نہیں ہوتا
گو ملتی ہے فغاں سے غمگساریِ جہاں ہم کو

ندارم تابِ ضبطِ راز و می ترسم ز رسوائی
مگر جویم ز بہرِ ہمزبانی بے زبانے را

نہیں ہے تابِ ضبطِ راز، پھر ہے خوفِ رسوائی
کہیں سے لا کے دو اک ہمزبانِ بے زباں ہم کو

کشادِ شستنش از سستی ندارد دلنشیں تیرے
مگر برمن گمارد آسماں زوریں کمانے را

چلائے جب بھی، دل کے پار ہو تیرِ نظر اس کا
عطا کر ایسا یارب دلبرِ زوریں کماں ہم کو

بیا در گلشنِ بختم کہ در ہر گوشہ بنمائیم
زجوشِ لالہ و گل در حنا پائے خزانے را

نہیں سامانِ رنگینی اگر گلشن میں تو کیا غم
ہے اُمیدِ بہار و گل بہت اندر خزاں ہم کو

کمالِ دردِ دل اصل ست در ترکیبِ انسانی
بخوں آغشتہ اند اندر بُنِ ہر موئے جانے را

کمالِ دردِ دل ہی سے ہے سب ترکیبِ انسانی
ملی آلودۂ خوں ہے بُنِ ہر موئے جاں ہم کو

خورم خوف از تو بے حد لیکن از زاری چہ کم گردد
اگر شد زہرہ آب و برد اجزائے فغانے را

دلِ غمگیں میں کچھ ایسا ہوا ہے خوف کا عالم
کہ خاموشی بنی ہے اپنی، فریاد و فغاں ہم کو

بہ شہر از دوست بعد از روزگارے یافتم غالبؔ
زعنوانِ خطے کز راہ دُور آمد نشانے را

ملا ہے ایک مدّت بعد ایسا خط ہمیں غالبؔ
دیا ہے یار کا عنوان نے جس کے نشاں ہم کو

خوش وقتِ اسیری کہ برآمد ہوسِ ما
شد روزِ نخستین سبدِ گل قفسِ ما

آدم مقام یہ ترا مُلکِ ہوس بنا
روزِ ازل سے گوشۂ گلشن قفس بنا

مہتاب نمکسار بود بادۂ ما را
اے بے مزہ بے روئے تو بزمِ ہوسِ ما

ہے ذائقہ یہ مے کا، نمک سار ماہ سے
بے مہ جبین بے مزہ شورِ ہوس بنا

حیرت زدۂ جلوۂ نیرنگِ خیالیم
آئینہ مدارید بہ پیشِ نفسِ ما

حیرت زدۂ جلوۂ نیرنگِ فکر ہوں
میرے، مکدّر آئینہ پیشِ نفس بنا

آوازۂ شرع از سرِ منصور بلند است
از شب روئ ماست شکوہِ عسسِ ما

مذہب ہوا بہت سرِ منصور سے بلند
عاصئ عشق باعثِ شانِ عسس بنا

وقت ست کہ خونِ جگر از درد بجوشد
چنداں کہ چکد از مژۂ دادرسِ ما

یوں خونِ دل سے دردِ جگر جوش جوش ہے
خوں ریز اس سے دیدۂ فریاد رس بنا

در دہر فرو رفتۂ لذّت نتواں بود
بر قند نہ بر شہد نشیند مگسِ ما

دنیا کی لذّتیں نہ ہمیں قید کر سکیں
مصری، نہ شہد اپنا مقامِ مگس بنا

اے بے خبر از نیستی و ذوقِ فراغش
در پیرہنِ ما نبود خار و خسِ ما

اے غافلِ فراغِ عدم دیکھ بعدِ مرگ
کیسے یہ پیرہن مرا بے خار و خس بنا

طولِ سفرِ شوق چہ پرسی کہ دریں راہ
چوں گرد فرو ریخت صدا از جرسِ ما

ذوقِ درازئ سفرِ شوق کیا کہیں
اک رہنمائے قافلۂ بے جرس بنا

حورانِ بہشتی کہ ندارند گلابے
بر خویش فشانند گدازِ نفسِ ما

دوزخ سے جل کے جب گیا عاصی بہشت میں
حوروں کو عطر اس کا گدازِ نفس بنا

از تست اگر ساختہ پرداختۂ ما
کفرے نبود مطلبِ بے ساختۂ ما

واعظ ہوا، خطیب ہوا، پارسا ہوا
کافر طلب ہوا بھی اگر، کفر کیا ہوا

پروردۂ نازیم بہ رحمت کدۂ عجز
بر پائے تو باشد سرِ افراختۂ ما

رحمت کدۂ عجز میں تھا ناز کا پلا
رکھ کے تمہارے پاؤں پہ سر کبریا ہوا

در عشقِ تو برماست دیتِ اہلِ نظر را
ابروئے تو تیغے بخیال آختۂ ما

ابرو کی تیغ تیری کھنچی جو خیال میں
اہلِ نظر کا ذمّے مرے خوں بہا ہوا

حیرانیِ ما آئینۂ شہرتِ یار است
شد جادہ بکویش نفسِ باختۂ ما

حیرت مری ہے یار کی شہرت کا آئینہ
ہر سانس کوئے یار کا اک رہنما ہوا

غالب مدم افسونِ اقامت کہ بلاست
دیوانۂ از بند بروں تاختۂ ما

غالب رہا نہ بس کا کسی کے ترا جنوں
آزاد تو جو توڑ کے زنجیرِ پا ہوا

شکستِ رنگ تا رسوا نہ سازد بیقراراں را
جگر خون ست از بیمِ نگاہت رازداراں را

شکستِ رنگ رُو رسوا کرے ہے بیقراروں کو
خدارا اس طرح مت دیکھ اپنے جاں نثاروں کو

زپیکاں ہائے ناوک در دلِ گرمم نشاں نبود
بہ ریگستاں چہ جوئی قطرہ ہائے آبِ باراں را

ملے کیسے نشاں تیروں کا تیرے گرم سینوں میں
کریں ہیں تر کبھی بارش کے قطرے ریگزاروں کو

بود پیوستہ پشتِ صبر بر کوہ از گراں جانی
چہ افسوں خواندۂ در گوشِ دل امیدواراں را

کسی نے گوشِ الفت میں عجب افسوں پھونکا ہے
کہ دیوے ہے تمنّا، صبرِ دل امیدواروں کو

کفِ خاکیم از ما بر نہ خیزد جز غبار آں را
فزوں از صرصرے نبود قیامت خاکساراں را

بنے گی دھول مٹھی بھر، وہاں پر خاک بہ اپنی
قیامت بڑھ کے آندھی سے نہ ہو گی خاکساروں کو

در آبے خود بہ بازی گاہِ اہلِ حسن تا بینی
بروئے شعلہ گرمِ عشقِ جولاں، نے سواراں را

ہے کیا انداز بازی گاہ میں کم سن حسینوں کا
کہ گوئے شعلہ سے ہے ربطِ چوگاں ان سواروں کو

نگشتت از سجدۂ حق جبۂ زہاد نورانی
چناں کافروخت تابِ بادہ روئے بادہ خواراں را

کہاں سجدوں کی جبہ سائی سے زہاد پاتے ہیں
دمک چہرے کی دیوے ہے جو بادہ، بادہ خواروں کو

دریغ آگاہیِ کافسردگی گردد سر و برگش
زمستی بہرہ جز غفلت نہ باشد ہوشیاراں را

نشہ عرفان کا کرتا ہے درویشوں کا دل روشن
وگرنہ بیخودی دیتی ہے غفلت ہوشیاروں کو

زغیرت می گدازد در خجالت گاہ تاثیرم
زبوں دیدن بدستِ شیشہ بازاں کوہساراں را

بہت ہوتا ہے دل میں درد میرے دیکھتا ہوں جب
کبھی شیشے سے کاٹے بازی گر ہے کوہساروں کو

برنجم غالب از ذوقِ سخن خوش بودے ار بودے
مرا لختے شکیب و پارۂ انصاف یاراں را

بلندیِ سخن غالب کی ، بد ذوقی عزیزوں کی
کچھ اس کو صبر دے یارب یا کچھ انصاف یاروں کو

سپردم دوزخ و آں داغہائے سینہ تابش را
سرابے بود در رہ تشنۂ برقِ عتابش را

بنائے آتشِ دوزخ سراب اک رُخ کی تاب اسکی
جلا کے خاک کر دیتی ہے دل برقِ عتاب اسکی

ز بیدائی حجابِ جلوہ ساماں کردنش نازم
کفِ صہبا است گوئی پنبہ مینائے شرابش را

حجابِ جلوہ ساماں یار کا جوشِ قدح جیسا
چھپائے بھی اگر اس سے نہیں چھپتی شراب اسکی

ندانم تا چہ برقِ فتنہ خواہد ریخت بر ہوشم
تصوّر کردہ ام بگسستنِ بندِ نقابش را

ہوئے بے ہوش گر جاتے سے اک برقِ تجلّی کے
اٹھائی ہے تصوّر میں بھی گر ہم نے نقاب اسکی

دم صبحِ بہار ایں مایہ مدہوشی نمی ارزد
صبا بر مغزِ دہر افشاند گوئی رختِ خوابش را

دم صبحِ بہاراں میں ہے مدہوشی کا یہ عالم
ملی ہو جیسے گلشن کو صبا سے وضعِ خواب اسکی

سوادش داغِ حیرانی غبارش عرضِ ویرانی
جہاں را دیدم و گر دیدم آباد و خرابش را

چمن ہے داغِ حیرانی، بیاباں عرضِ ویرانی
نہ ہم کو چاہیئے دنیائے آباد و خراب اس کی

ز تابِ تشنگی جاں را نویدِ آبرو بخشم
کمندِ جذبۂ دریا شناسم موجِ آبش را

ہے تابِ تشنگی میں اک نویدِ آبرو ہم کو
کمندِ جذبۂ دریا ہمیں ہے موجِ آب اسکی

ز من کز بے خودی در وصل رنگ از بوئے نشناسم
بہر یک شیوہ نازش بازمی خواہد جوابش را

نہیں ہم کو تمیزِ رنگ و بو کچھ وصل میں لیکن
تقاضا ہے کہیں ہم ہر ادا ہے لاجواب اسکی

سوارِ توسنِ نازست و بر خاکم گزر دارد
ببال اے آرزو چنداں کہ دریابی رکابش را

سوارِ توسن آیا ہے بہ صد انداز تربت پر
اُٹھا لے تو آرزو اور چُوم لے اٹھ کے رکاب اسکی

شکایت نامہ گفتم در نوردم تا رواں گردد
ہماں در راہِ قاصد ریخت زشکم پیچ و تابش را

شکایت نامہ لکھ کے دیدیا تھا ہم نے قاصد کو
لیا ہے رشک سے واپس، رہی جب ہے نہ تاب اسکی

ندانم تا چساں از عہدۂ دردش بروں آیم
زشادی جاں بہا گفتم متاعِ کم میابش را

متاعِ جاں کے بدلے دل نے مانگا دردِ الفت کو
تھا کم مایہ، ہوئی نہ پیشکش یہ کامیاب اسکی

زخوباں جلوہ وز مابے خوداں جاں رُو نما خواہد
خریدار ست زا نجم تا بہ شبنم آفتابش را

برائے رُونما عشاق سے جاں، حسن سے جلوہ
ہے طالب نجم و شبنم کی بھی ضوئے آفتاب اسکی

خیالش صیدِ دامِ پیچ و تابِ شوقِ بود اما
من از مستی غلط کردم بشوخی اضطرابش را

تصوّر صیدِ دامِ پیچ و تابِ شوق تھا لیکن
لگا مجھ کو یہ سب ہے ایک وضعِ اضطراب اسکی

بہ نظم و نثرِ مولانا ظہوری زندہ ام غالبؔ
رگِ جاں کردہ ام شیرازہ اوراقِ کتابش را

تجھے غالبؔ ملی ہے زندگی نظمِ ظہوری سے
رگِ جاں سے بندھی ہے تیری ہر جلدِ کتاب اسکی

مدام محرمِ صہبا بود پیالۂ ما
بگردِ مہر تنید است خطِ ہالۂ ما

شراب سے مرا لبریز یوں پیالہ ہو
کہ جیسے مہر کے اطراف ایک ہالہ ہو

زہے ز گرمیِ خوییت نفس گراں مایہ
گدازِ نالۂ ما، آبیارِ نالۂ ما

نفس ہو تند خوئی سے تری گراں مایہ
گدازِ نالہ مرا، آبیارِ نالہ ہو

بدل ز جورِ تو دنداں فشردہ ایم و خوشیم
ز استخواں اثرے نیست در نوالۂ ما

چباؤں دانت سے دل کو ہوں اس اُمید پہ میں
کہ ہڈیوں سے تہی یوں مرا نوالہ ہو

تو زود مستی و ما رازدارِ خوئے تو ایم
شراب در کش و پیمانہ کن حوالۂ ما

کہ زود مست تری خو کا رازدار ہوں میں
سپرد کر مرے، غماز گر پیالہ ہو

درازیِ شب ہجراں ز حد گذشت، بیا
فدائے روئے تو عمرِ ہزار سالۂ ما

درازیِ شبِ ہجراں ہے کس قدر، آ جا
فدائے روئے تو عمرِ ہزار سالہ ہو

جنوں بہ بادیہ پروازِ گلستاں بخشید
سوادِ دیدۂ آہوست داغِ لالۂ ما

جنوں بنائے مرا، گلستاں بیاباں کو
سوادِ دیدۂ آہو بہ داغِ لالہ ہو

ہمیں گداختن است آبروئے ما غالبؔ
گہر چہ ناز فروشد بہ پیشِ ژالۂ ما

ہے غالبؔ آبرو سوز و گدازِ الفت سے
گہر کو ناز ہو گر اس میں آبِ ژالہ ہو۔

نہفت شوخیِ بے پردہ شورِ جنگش را
زبادہ تندیِ ایں بادہ برد زنگش را

چھپائے شوخیِ بے پردہ رازِ جنگ اس کا
کرے شراب کی تندی جو ماند رنگ اس کا

کدام آئینہ بارو ئے او مقابل شد
کہ بے قراریِ جوہر نبرد زنگش را

مقابل آئے کوئی آئینہ اگر تیرے
ہو بے قراریِ جوہر سے صاف زنگ اس کا

چو غنچہ جوشِ صفائے تنش زبالیدن
دریدہ بر تنِ نازک قبائے تنگش را

کرے ہے جوشِ صفائے بدن، کلی کی طرح
دریدہ بر تنِ نازک لباسِ تنگ اس کا

زگرمیِ نفسش دل در اہتزاز آمد
شرارہ شہپرِ پرواز گشت سنگش را

کیا ہے اس پہ اثر آتشیں نفس نے مرے
شرار دیکھ کے رقصاں ہے قلبِ سنگ اس کا

نظارۂ خطِ پشتِ لبش زخویشم برد
زبادہ نشۂ فزوں دادہ اند بنگش را

نظارۂ خطِ پشتِ دولب سے بے خود ہوں
سُرورِ مے سے زیادہ ہے کیفِ بنگ اس کا

چہ نغمہ ہا کہ بہ مرگم سرود، پنداری
ز رشتۂ کفنم تار بود چنگش را

ہے موت پر مری یوں نغمہ زن کہ لگتا ہے
کفن کا رشتہ بنا میرا، تارِ چنگ اس کا

به حشر وعدهٔ دیدار کرده، بے تابم
شتابِ من بسر آرد مگر درنگش را

تڑپ جو وعدۂ دیدار دیوے ہے دل کو
شتاب میرا ہے یا شیوۂ درنگ اس کا

جگر نشانه نهم برخود اعتمادم نیست
مباد دل به تپش رد کند خدنگش را

ہے شوقِ زخم کچھ ایسا، جگر اُٹھا لایا
تڑپتے دل سے، خطا جب ہوا خدنگ اس کا

کشیده ایم بدیوانگی ز شوخیِ دوست
بگونه گونه ادا، نازِ رنگ رنگش را

ہزار جاں سے فدا دیکھ دیکھ کے ہوں میں
طرح طرح کی ادا، نازِ رنگ رنگ اس کا

ز ظرفِ غالبِ آشفته گر نه ای آگاه
بیا زما به مئے تند ہوش و ہنگش را

ہے ظرفِ غالبِ آشفتہ آزمانا اگر
شرابِ تند پلا اور دیکھ ڈھنگ اس کا

رازِ خوبیت از بد آموزِ تو می جوئیم ما
از تو می گوئیم گر با غیر می گوئیم ما

کھوج میں رازِ طبیعت کی ترے رہتے ہیں ہم
پوچھتے ہیں غیر سے، اس کے ستم سہتے ہیں ہم

حشرِ مشتاقاں ہماں بر صورتِ مژگاں بود
مرز خاکِ خویشتن چوں سبزہ می روئیم ما

ٹھہر سکتے حشر تک ہیں ہم نہ جلوے کے لئے
چشمِ نرگس بن کے اپنی خاک سے اُگتے ہیں ہم

رازِ عاشق از شکستِ رنگ رسوامی شود
باوجودِ سخت جانی ہا تنک رُوئیم ما

باوجودِ سخت جانی، ہیں تنک رُو عشق میں
رنگِ رُو سے راز کھلتا ہے، خجل ہوتے ہیں ہم

زیں بہار آئیں نگاہاں بو کہ بپرہیزد یکے
عمرہا شد رخ بخونِ دیدہ می شوئیم ما

تا پذیرائی بہار آرا نگہ اس کی کرے
اپنا چہرہ آنسوؤں سے خون کے دھوتے ہیں ہم

تا چہا مجموعۂ لطفِ بہاراں بودہ ای
تا بہ زانو سودہ پائے ما و می پوئیم ما

وہ جو اک مجموعۂ لطفِ بہاراں ہے، اسے
دشت کی ویرانیوں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم

زحمتِ احباب نتواں داد غالب بیش ازیں
ہر چہ می گوئیم بہرِ خویش می گوئیم ما

داد کی غالب توقع جب نہ یاروں سے رہی
جو بھی اب کہتے ہیں، اپنے واسطے کہتے ہیں ہم

اے روئے تو بہ جلوہ در آوردہ رنگ را
نقشِ تو تازہ کردہ بساطِ فرنگ را

دیتا بہ جلوہ رخ ترا گلشن کو رنگ ہے
تازہ بہ نقش رکھے بساطِ فرنگ ہے

از نالہ خیزیِ دلِ سختِ تو در تبم
در عطسۂ شرر مفگن مغزِ سنگ را

حیراں ہوں نالہ خیز دلِ سخت دیکھ کر
کرتا گداز دل شررِ قلبِ سنگ ہے

از عمرِ نوح عرض برد انتظار و تو
در عرضِ شوق تابِ نیاری درنگ را

کم جس کے انتظار میں ہے عمرِ نوح بھی
اس کو نہ عرضِ شوق میں تاب درنگ ہے

داغم کہ در ہوائے سرِ دامنِ کیست
در خونِ من زناز فرو بردہ چنگ را

یارب ہوائے دامنِ دشمن ہوئی اسے
جس کی درازدستی سے دل میرا تنگ ہے

سوزد کہ بسکہ تابِ جمالش نقاب را
دانم کہ درمیاں نہ پسند د حجاب را

تابِ جمالِ یار جلاتی نقاب ہے
وہ ناپسند اس کو رواجِ حجاب ہے

پیراہن از کتان و دمادم ز سادگی
نفریں کند بہ پردہ دریِ ماہتاب را

پردہ دریِ جامۂ باریک رات کو
کرتا ہے ماہتاب یا جوشِ شباب ہے

تا خود شبے بہ ہمدمیِ ما بسر برد
در چشمِ بختِ غیر رہا کردہ خواب را

آیا ہے ایک شب جو وہ آغوش میں مرے
خوابیدہ بختِ غیر ہوا بے حساب ہے

تا رفتہ، دم ز وعدۂ باز آمدن زند
تا در وصال یاد دہد اضطراب را

جانے کی بات جان کے کرتا ہے وصل میں
شوخی سے یوں بڑھائے مرا اضطراب ہے

در دل خزد بہ لابہ و از جاں بدر کشد
دیرینہ شکوۂ ستمِ بے حساب را

کرتا ہے دُور، ناز سے آتا ہے پاس جب
مجھ کو جو شکوۂ ستمِ بے حساب ہے

جُرأت نگر کہ ہرزہ بہ پیش آمدِ سوال
گیرم بہ بوسہ زآں لبِ نازک جواب را

جُرأت کی داد دیکھ کہ پہلے سوال سے
بوسے سے دیوے خود لبِ نازک جواب ہے

نازم فروغِ بادہ زعکسِ جمالِ دوست
گوئی فشردہ اند بجام آفتاب را

عکسِ جمالِ یار سے یوں ہے فروغِ مے
جیسے اُبھرتا جام سے اک ماہتاب ہے

سوزد زگرمی اش مے و اوہمچناں بہ لہو
ریزد ز آبگینہ بہ ساغر شراب را

جلتی ہے تابِ جلوہ سے تیری وہ ساقیا
ڈالے بہ عشوہ جام میں جو تو شراب ہے

آبش دہم ببادہ و او ہر دم از تمیز
نوشد مے و زجام فرو ریزد آب را

پیتا ہوں کرکے آب سے بادہ الگ الگ
پانی ملا کے جو کوئی دیوے شراب ہے

آسودہ باد خاطرِ غالبؔ کہ خوئے اوست
آمیختن ببادۂ صافی گلاب را

آسودہ باد خاطرِ غالبؔ کہ روز وہ
پیتا شرابِ ناب ملا کے گلاب ہے

نویدِ التفاتِ شوق دارم از بلا جاں را
کمندِ جذبۂ طوفاں شمردم موجِ طوفاں را

نویدِ التفاتِ شوق غم میں میں نے دی جاں کو
کمندِ جذبۂ طوفاں بنایا موجِ طوفاں کو

پرستارم جگر درباخت، یارب در دل اندازش
زہے تابی بہ زخمم سرنگوں کردن نمکداں را

نہیں جب تابِ غم غمخوار کو، یارب ہو کیا اچھا
کہ میرے زخم پر وہ سرنگوں کر دے نمکداں کو

چناں گرم ست بزم از جلوۂ ساقی کہ پنداری
گدازِ جوہرِ نظارہ در جام ست مستاں را

ہوئی ہے گرم محفل جلوۂ ساقی سے کچھ ایسی
گدازِ جوہرِ منظر ملا ہے جامِ مستاں کو

ندارم شکوہ از غم، با ہجومِ شوق خرسندم
زجا بر داشت جوشِ دل ہمانا داغِ ہجراں را

مجھے تجھ سے نہیں شکوہ، ہجومِ شوق میں خوش ہوں
کہ جوشِ آرزو دھوتا ہے دل سے داغِ ہجراں کو

قضا از نامہ، آہنگِ دریدن ریخت در گوشم
ز پشتِ ناخنم نسترده نقشِ روئے عنواں را

لکھا دیکھا پتے میں تھا، کچھ اندازِ ستم ایسا
پڑھے بن پھاڑ ڈالا خط، نہ دیکھا روئے عنواں کو

بہ تن چسپید بازم از نم خوننابہ پیراہن
خراشِ سینہ سطرِ بخیہ شد چاکِ گریباں را

چپکتا ہے بدن پر خون سے یوں میرا پیراہن
خراشِ سینہ سطرِ بخیہ ہے چاکِ گریباں کو

بہ جرمِ تابِ ضبطِ نالہ با من داوری دارد
ز شوخی می شمارد زیرِ لب دزدیدن افغاں را

سزا دیتا ہے جرمِ تابِ ضبطِ نالہ کی ہم کو
وہ گستاخی سمجھتا ہے ہمارے ضبطِ حرماں کو

ہنوز آئینۂ ما می پذیرد عکسِ صورت ہا
چو ناصح خندہ زد، اندر دل افشردیم دنداں را

ہمارے دل کے آئینے میں عکسِ حُسن ہیں ایسے
کرے ہے طنز واعظ، گاڑیں ہم بھی دل میں دنداں کو

تکلف برطرف، لب تشنۂ بوس و کنار ستم
زراہم باز چیں دامِ نوازش ہائے پنہاں را

تکلّف برطرف، لب تشنۂ بوسہ بہت ہم ہیں
ہٹا دو راہ سے دامِ نوازش ہائے پنہاں کو

بہ مستی گر بہ جنت بگزری زنہار نفریبی
سرابے در رہ ہستے تشنۂ دیدارِ جاناں را

فریبِ باغِ جنت میں نہ آنا، واں سے جب گزرو
سرابِ راہ یہ ہے تشنۂ دیدارِ جاناں کو

چمنِ ساماں بتے دارم کہ دارد وقتِ گل چیدن
خرامے کز ادائے خویش پُرگل کردہ داماں را

چمن ساماں ہے ایسا مرا بت، وقتِ گل چینی
گلوں سے اس کا ہر انداز بھر دیتا ہے داماں کو

بہ اندازِ صبوحی چوں بہ گلشن ترکتاز آری
پریدن ہائے رنگِ گل شفق گردد گلستاں را

صبوحی پی کے آتا ہے خراماں جب وہ گلشن میں
تو رنگِ گل سجاتا ہے شفق بن کر گلستاں کو

کبابِ نوبہار اندر تنورِ لالہ می سوزد
چہ فیض از میزبانِ لاابالی پیشہ، مہماں را

کبابِ نوبہار اندر تنورِ لالہ جلتا ہے
ہے فیضِ میزبانِ لااُبالی کیسا مہماں کو

چہ دُودِ دل چہ موجِ رنگ، در ہر پردہ از ہستی
خیالم شانہ باشد طرۂ خوابِ پریشاں را

ہو دُودِ دل کہ موجِ رنگ، ہر ہستی کے پردے میں
ہے شانہ، فکر میرا گیسوئے خوابِ پریشاں کو

بہ شب ہا پاسِ ناموست زخویشم بدگماں دارد
زشورِ نالہ می ریزم نمک در دیدۂ درباں را

تمہارے پاسِ عزّت میں ہوا ہوں بدگماں خود سے
نمک دیتا ہوں شورِ زار کا میں چشمِ درباں کو

زمستی محوِ پاکوبی بود ہر گرد باد ایں جا
رواجِ خانقاہ ست از کفِ خاکم بیاباں را

بگولا بن کے مشتِ خاک میری رقص کرتی ہے
رواجِ خانقاہ اس طرح ملتا ہے بیاباں کو

خلیدن ہائے منقارِ ہما در استخواں غالب
پس از عمرے بیادم داد کاوش ہائے مژگاں را

ہما تربت پہ تیری ہڈیاں نوچے ہے جب غالب
چبھن سے ہے دلائے یاد کاوش ہائے مژگاں کو

بہ خلوت مژدۂ نزدیکیِ یارست پہلو را
فریبِ امتحانِ پاکبازی دادہ ام او را

بہ خلوت مژدۂ قربت ملے ہے میرے پہلو کو
فریبِ پاکبازی دیتا جب ہوں یارِ گل رُو کو

زمحوِ پردۂ محمل مگو، فرہاد را میرم
کہ می خاید بذوقِ فتنہ شادروانِ مشکو را

نہ برتر کوئی مجنوں مجھ سے، نَے فرہادِ تیشہ زن
بہ ذوقِ عشق لائے کھینچ کر جو کوہ سے جُو کو

جہاں از بادہ و شاہد بداں ماند کہ پنداری
بہ دنیا از پسِ آدم فرستادند مینو را

جہاں میں شاہد و مے دیکھ کر لگتا ہے یوں مجھ کو
کہ بھیجا آبِ کوثر دے کے ہے حورانِ خوش خو کو

زمن رنجیدہ با اغیار در نازست و می خواہد
بہ جنبش ہائے ابرو از گرہ پردازد ابرو را

ہے مجھ کو چینِ ابرو، دیکھ کر دشمن کو وہ لیکن
بہ عشوہ جنبشِ ابرو سے کھولے گرہِ ابرو کو

بہ زورِ تند خوئی خستگاں را رامِ خود کردن
با آتش بردن ست از موئے تابِ پیچشِ مُو را

بہ زورِ تند خوئی کرنا تابع، ہو گیا کرنا
مطیع ایسے جلا کر ایک پیچ زلفِ بدخو کو

نباشد دیدہ تا حق بیں، مدہ دستوریِ اشکش
چو گوہر سنج کو پیش از گہر سنجد ترازو را

نہ ہو گر دیدۂ حق بیں، بہا آنسو نہ آنکھوں سے
کہ گوہر تولنے سے پہلے تولیں ہیں ترازو کو

چو بنشیند بہ محفل بگذرانم در دلِ تنگش
کہ رنجد غیر از و چو بے سبب درہم کشد رُو را

دلِ خستہ دکھاتا ہوں، وہ جب آتا ہے محفل میں
کہ درہم ہو عدو، دیکھے جو برہم یارِ خوش رُو کو

اگر داند کہ در نسبت مرا باکیست ہم چشمی
کشد در دیدہ ہر گردے کہ از رہ خیزد آہو را

کھلے اس پر ہمارا عاشقی کا رازِ ہم چشمی
وہ دیکھے جا کے گرد آلودگیِ چشمِ آہو کو

بہاراں گو برو مشاطۂ کوہ و بیاباں شو
گل از لختِ دلِ عشاق زیبد آں سرِ کُو را

بہاراں سے کہو جا کر سنوارے کوہ و صحرا کو
کہ ہم نے تو سجایا لختِ دل سے یار کے کُو کو

نشاں ذُو رست غالبؔ در سخن ایں شیوہ بس نبود
بدیں زوریں کماں می آزمایم دست و بازو را

مقامِ شاعری عالی ہے غالبؔ، پر سخن کہہ کر
میں اس زوریں کماں سے آزماؤں زورِ بازو کو

بادۂ مشکبوئے ما ، بید و کنارِ کشتِ ما
کوثر و سلسبیلِ ما، طوبیٰ ما، بہشتِ ما

بادۂ مشک بیز ہے ، بید و کنارِ کشت ہے
کوثر و سلسبیل ہے طوبیٰ ہے اور بہشت ہے

بسکہ غمِ تو بودہ ست تعبیہ در سرشتِ ما
نسخۂ فتنہ می برد چرخ ز سرنوشتِ ما

ڈالا ہے غم سرشت میں تو نے مری و لے فلک
نسخۂ فتنہ کو کرے نقل بہ سرنوشت ہے

حسرتِ وصل از چہ رُو چوں بخیال سرخوشیم
ابر اگر بایستد برلبِ جوست کشتِ ما

حسرتِ وصل کیوں مجھے، مستِ خیالِ یار ہوں
باراں کی فکر کس لیے جب لبِ جُو یہ کشت ہے

نورِ خرد در آگہی خواہشِ تن پدید کرد
صرفِ زقومِ دوزخ ست نامیہ در بہشتِ ما

عقل و خرد کے فیض سے خواہشِ تن ملی مجھے
حرص و ہوس کی آگ سے دوزخ ہوئی بہشت ہے

ایں ہمہ از عتابِ تو ایمنیِ عدو چراست
اے بہ بدی و ناخوشی خوئے تو سرنوشتِ ما

قہر و عتاب سے ترے کیوں ہے رقیب کو اماں
تند خوئی و ناخوشی جب مری سرنوشت ہے

بے خطر از خودی برآ، لب بہ انا الصنم کشا
شیوۂ گیرودار نیست در کنشِ کنشتِ ما

چھوڑ خودی کو بے خطر، کر تو خدائی اے صنم
شیوۂ باز پرس سے پاک مرا کنشت ہے

بادہ اگر بود حرام، بذلہ خلافِ شرع نیست
دل نہ نہی بہ خوبِ ما، طعنہ مزن بہ زشتِ ما

بادہ اگر حرام ہے، بذلہ گناہ تو نہیں
تجھ کو نہ قدرِ خوب ہے اور نہ تمیزِ زشت ہے

گفت بحکمِ حسرتی غالبِ خستہ ایں غزل
شاد بہ ہیچ می شود طبعِ وفا سرشتِ ما

نظم بحکمِ حسرتی غالبا تو نے جو کہی
خرم و شادماں بہت طبعِ وفا سرشت ہے

❋

دل تابِ ضبطِ نالہ ندارد خدائے را
از ما مجوئے گریۂ بے ہائے ہائے را

دل میں نہ تابِ ضبط رہی گر تو کیا ہوا
بے ہائے ہائے گریہ نہ مجھ کو روا ہوا

آید بہ چشم روشنیِ ذرہ آفتاب
بر ہر زمیں کہ طرح کنی نقشِ پائے را

ہر ذرۂ زمین بنا آفتاب اک
جس پر ترا نزول، ترا نقشِ پا ہوا

مشتاقِ عرضِ جلوۂ خویش ست حسنِ دوست
از قرب مژدہ دہ نگہِ نارسائے را

تھا اشتیاقِ جلوہ گری ایسا حسن کو
خود ہی نظارۂ نظرِ نارسا ہوا

آشفتگی بر اوجِ فنا بال می زند
اے شعلہ داغ گرد و نگہدار جائے را

اوجِ فنا پہ اڑتی ہے آشفتگی مگر
شعلہ بنا جو داغ، مقیمِ بقا ہوا

واماندگی ست پے سپرِ وادیِ خیال
شوقِ تو جادہ کرد رگِ خواب پائے را

طے وادیِ خیال ہوئی ہے، تھکن سے جب
شوقِ وصال ریشۂ یک خفتہ پا ہوا

سر منزلِ رسائیِ اندیشۂ خودیم
در ما گم ست جلوہ پئے رہنمائے را

خود منزلِ رسائیِ فکر و نظر ہیں ہم
گم ہم میں راہِ عشق کا ہر رہنما ہوا

از پیچ و تابِ آز ستوہند سرکشاں
انگشتِ زینہار شمر ہر لوائے را

ہیں پیچ و تابِ حرص میں مغلوب سرکشاں
عاجز ہوئے ہیں، ان کا علم ہے گرا ہوا

حسنِ بتاں ز جلوۂ نازِ تو رنگ داشت
بے خود بہ بوئے بادہ کشید یم لائے را

حسنِ ازل کے عکس سے ہے حسن کا فراں
ہے رنگ بت میں سارا خدا کا بھرا ہوا

گو بد تغافلِ تو کہ رد کردۂ تو ام
از پشتِ چشم می نگرم پشتِ پائے را

لوٹا ہوں اُلٹے پاؤں تری راہِ عشق میں
یوں بھی اثر پذیر تغافل ترا ہوا

یارب ببالِ تیغ کہ پرواز می کند
ننگ ست دوش فرقِ بلندی گرائے را

شمشیر لے کے آئے جو قاتل تو سر جھکا
ہے سرفراز سر وہی جو ہے گرا ہوا

گر چشم اشک از دست و گر سینہ آہ از دست
باکیست داوری دلِ درد آزمائے را

جب چشمِ تر اسی سے ہے، اس ہی سے آہِ دل
کیوں شکوہ پھر تجھے دلِ درد آزما ہوا

مُردم ز فرطِ ذوق و تسلی نمی شوم
یا رب کجا برم لبِ خنجر ستائے را

مرتا ہوں فرطِ ذوق سے، آتا نہیں نظر
یا رب وہ اس کا کیا لبِ خنجر ستا ہوا

غالبؔ بریدم از ہمہ، خواہم کہ زین سپس
کُنجے گزینم و بہ پرستم خدائے را

دیکھا نہیں ہے غالبِؔ خستہ کو جب سے وہ
گوشے میں بیٹھ، سجدہ گزارِ خدا ہوا

قضا آئینہ دارِ عجز خواہد نازِ شاہی را
شکستے در بہا دستے ادائے کج کلاہی را

مقدر نے دیا ہے عجزِ مضمر نازِ شاہی کو
شکست اندر شکن ہے ہر ادائے کج کلاہی کو

طبیعی نیست ہر جا اختلاط از وے حذر خوشتر
کم از سوزندہ آتش نیست آبِ گرم ماہی را

خلوص و اختلاط اچھے ہیں فطری طور پر لیکن
نہ کم سوزندہ آتش سے ہے، آبِ گرم ماہی کو

ز رختِ خوابم آتش پارہ ہا رفتست میداند
تبم در لرزہ افگندست بادِ صبح گاہی را

شبِ فرقت میں تابِ عشق کی چنگاریاں ایسی
کہ دیویں لرزشِ رفتار بادِ صبح گاہی کو

نماند از کثرتِ داغِ غمت آں مایہ جا باقی
کہ داغے در فضائے سینہ اندازد سیاہی را

ہیں اتنے داغِ غم سینے میں میرے، پاؤں رکھنے کی
نہیں ملتی ہے جا اس میں کسی داغِ سیاہی کو

شبم تاریک و منزل دُور و نقشِ جادہ ناپیدا
ہلاکم جلوۂ برقِ شراب گاہ گاہی را

شبِ تاریک و منزل دُور و نقشِ جادہ ناپیدا
سلامت رکھ خدا برقِ شرابِ گاہ گاہی کو

چہ رُومی سازی اے آئینہ آہ از سادگی ہایت
بہ من بگزار، گفتم، شیوۂ حیرت نگاہی را

نہیں ہے تابِ عکسِ یار اے آئینہ گر تجھ میں
تو مجھ پر چھوڑ دے اس شیوۂ حیرت نگاہی کو

ودلعیت بودہ ست اندر نہادِ عجز، ما نازے
جدا از قطرہ نتواں کرد طوفاں دستگاہی را

ہزاروں ناز ہیں مخفی نیاز و عجزِ قطرہ میں
جدا اس سے نہ کر پائے گا طوفاں دستگاہی کو

ہمانا کز نو آموزانِ درسِ رحمتی زاہد
بہ ذوقِ دعویٰ ازبر کردہ بحثِ بے گناہی را

ابھی تو مکتبِ رحمت میں ہے اک طفل اے زاہد
بہ ذوقِ دعویٰ رٹ اتنی نہ بحثِ بے گناہی کو

دلا گر داوری داری بچشمِ سرمہ آلودش
نخستم بے زباں کن تا بکار آیم گواہی را

ہے چشمِ سرمہ سا سے گر تجھے انصاف کی خواہش
خموش و بے زباں جا میرے دل، دینے گواہی کو

مرو در خشم گر دستے بدامانِ تو زد غالبؔ
وکیلش من، نمی داند طریقِ داد خواہی را

خفا مت ہو اگر غالبؔ پکڑتا ہے ترا دامن
نہیں وہ جانتا ناداں، طریقِ داد خواہی کو

لرزہ دارد خطر از ہیبتِ ویرانۂ ما
سیل را پائے بہ سنگ آمدہ در خانۂ ما

خوف خطرے کو لگے دیکھ کے ویرانہ مرا
لَوٹے ہے سیلِ رواں چھو کے درِ خانہ مرا

چشم بر تازگیِ شورِ جنوں دوختہ است
در خزاں بیش بود مستیِ دیوانۂ ما

منحصر فصلِ بہاراں پہ نہیں شورِ جنوں
مست ہے بیش خزاں میں دلِ دیوانہ مرا

مے باندازہ حرام آمدہ ساقی برخیز
شیشۂ خود بہ شکن بر سرِ پیمانۂ ما

دینا مے ناپ کے جائز نہیں ساقی تجھ کو
دے اُلٹ شیشے کو، پُر تاکہ ہو پیمانہ مرا

تنگیِ اش نام بر آوردہ تماشا دارد
در پئے مور فرو رفتنِ کاشانۂ ما

مور کا غرقِ زمیں ہونا تماشا ہے، اگر
قابلِ دید بھی چھوٹا سا ہے کاشانہ مرا

بہ چراغے نہ رسیدیم دریں تیرہ سرا
شمعِ خاموش بود طالعِ پروانۂ ما

نہ میسّر ہو چراغ اس کو شبِ تاریں گر
شمعِ خاموش پہ جاں دیتا ہے پروانہ مرا

دم تیغت تنک و گردن ما باریک ست
آفریں بر تو و بر ہمتِ مردانۂ ما

تیری شمشیر تنک، گردنِ باریک مری
زورِ بازو ترا اور حوصلہ مردانہ مرا

دودِ آہ از جگرِ چاک دمیدن دارد
زلف خیز ست زہے دست گہِ شانۂ ما

نکلا زخموں سے دھواں ایسا پریشاں ہوکر
آہ گیسو بنا اور چاکِ جگر شانہ مرا

خوش فرومی رود افسونِ رقیبت در دل
پنبۂ گوشِ تو گردد مگر افسانۂ ما

موہ لیتا ہے عدو دل ترا اک افسوں سے
پنبۂ گوش مگر بنتا ہے افسانہ مرا

مو برآید زکفِ دست اگر دہقاں را
نیست ممکن کہ کشد ریشہ سراز دانۂ ما

کشتِ الفت میں کروں کتنی بھی محنت چاہے
ریشہ ممکن ہی نہیں پیدا کرے دانہ مرا

دادہ بر تشنگیِ خویش گواہی غالبؔ
دہنِ ما بہ زبانِ خطِ پیمانۂ ما

دے رہا تشنہ لبی کی ہے گواہی غالبؔ
دہنِ وا بہ زبانِ خطِ پیمانہ مرا

اے گل از نقشِ کفِ پائے تو دامانِ ترا
گلفشاں کردہ قبا سروِ خرامانِ ترا

موسمِ گل میں بھرا گل سے ہے دامان ترا
گلفشاں جامہ ہے اے سروِ خرامان ترا

نازِ خونِ کہ ازیں پردہ شفق باز دمد
رونقِ صبحِ بہارست گریبانِ ترا

کس کا خوں بن کے شفق، پھوٹا ہے جوبن سے ترے
رونقِ صبحِ بہاراں ہے گریبان ترا

ہر قدر شکوہ کہ در حوصلہ گرد آمدہ بود
گوئے گردید بہ مستیِ خمِ چوگانِ ترا

شکوہ لاتا ہوں ترے پاس بصد حوصلہ گر
گیند اس کو ہے بناتا خمِ چوگان ترا

جذبۂ زخمِ دلم کار گر افتاد، مباد
عطسہ غربال کند مغزِ نمکدانِ ترا

جذبۂ زخمِ جگر حد سے ہوا ہے باہر
ناوک انداز! کہاں پر ہے نمکدان ترا

ندمد بوئے کباب از نفسِ غیر و خوشم
می شناسم اثرِ گرمیِ پنہانِ ترا

نفسِ غیر سے بُو آتی نہیں جلنے کی
بے اثر اس پہ ہے کیا شعلۂ پنہان ترا

راحتِ دائمیِ ذوقِ طلب را نازم
گردِ نمناک بود سایہ بیابانِ ترا

راحتِ دائمیِ ذوقِ طلب دیکھ مری
سایۂ خاک رکھے مجھ پہ، بیابان ترا

چشمِ آغشتہ بخوں بیں و ز خلوت بدر آ
اینک ابرِ شفق آلودہ گلستانِ ترا

خون میں ڈوبی ہوئی آنکھ مری دیکھ کہ ہے
کیسا اس سے شفق آلودہ گلستان ترا

آئی از بزمِ رقیب و سرِ راہت میرم
تا رُبایم دل از نازِ پشیمانِ ترا

نکلے جب بزمِ عدو سے تو تری راہ میں میں
جان دیتا ہوں، ہو دل تاکہ پشیمان ترا

چہ غم از سیلیِ سنگ ستمش کرد کبود
سبزہ زارے ست تنم طرفِ خیابانِ ترا

فرصتت باد کہ سر در سرِ کارت کردیم
آفتابِ لبِ بامیم شبستانِ ترا

ہر حجابے کہ دہد روئے بہ ہنگامۂ شوق
پردۂ ساز بود زمزمہ سنجانِ ترا

فارغش ساختہ از حسرتِ پیکاں غالبؔ
حق بود بر جگرِ ریشِ تو دندانِ ترا

سیلیِ سنگِ ستم سے ہیں مرے زخم ہرے
سبزہ زار ان سے ہوا طرفِ خیابان ترا

کر کے ہم خونِ جگر، ڈوبتے سُورج کی طرح
جگمگا دیتے ہیں کچھ دیر شبستان ترا

پردۂ ساز ہو یا پردۂ ہنگامۂ دل
سبب ان سب کا ہے اک زمزمہ سنجان ترا

مل گئی حسرتِ پیکاں سے فراغت غالبؔ
جب سے مجروح جگر کرتا ہے، دندان ترا

غمتِ در بوتۂ دانش گدازد مغزِ خاماں را
بست تنگِ شکر سازد دہانِ تلخ کاماں را

ترا بوتۂ غم کرتا ہے پائیدار خاموں کو
لبوں سے تیرے شیرینی ملے ہے تلخ کاموں کو

قضا در کارہا اندازۂ ہر کس نگہ دارد
بہ قطعِ وادیِ غم می گمارد تیز گاماں را

لحاظِ ظرف سے دیوے خدا ہے کام لوگوں کو
ملی ہے راہروی وادیِ غم تیز گاموں کو

ز ہستی پاک شو گر مردِ راہی، کاندریں وادی
گرانی ہاست رختِ رہروِ آلودہ داماں را

ہے گر تو مردِ راہی پھینک دے سامانِ ہستی کو
گراں رختِ سفر، وادی میں ہے اس نیک راہوں کو

دماغِ فتنہ می نازد بسامانِ رسیدن ہا
طلوعِ نشہ گردِ راہ باشد خوش خراماں را

دماغ شر کرے برپا ہزاروں فتنے راہوں میں
نہ لیکن گردِ رہ سے بیش ہیں یہ خوش خراموں کو

پئے رسوائیِ اربابِ تقویٰ جلوۂ سر کن
کتاں ہا ماہتابی سازشا ہم نیک ناماں را

پئے رسوائیِ اربابِ تقویٰ جلوہ گر ہو جا
کتاں در کر کے دے اے ماہ رخ ان نیک ناموں کو

بہ عرضِ ناز خوباں را، زما بے تاب تر دارد
عناں از برق باشد در رہش زریں ستاماں را

کرے بے تاب ہم سے ہے زیادہ تو حسینوں کو
عنانِ برق ہے جلوہ ترا زریں لگاموں کو

خرابیم و رضایش در خرابی ہائے ما باشد
زچشمِ بدنگہ دارد خدا ، ما دوست کاماں را

ہے بربادی ہمیں، پھر ہے رضائے یار بھی یہ ہی
نگاہِ بد سے لے ایزد بچا ہم دوست کاموں کو

بسا افتادہ سرمست و بسا افتادہ در طاعت
تو دانی تا بہ لطف از خاک برداری کداماں را

بہت سے مستِ الفت ہیں، بہت سے محوِ طاعت ہیں
ہوس تیری ہے رندوں کو، طلب ہے نیک ناموں کو

زقاتل مژدۂ زخمے گلُم درجیبِ جاں ریزد
نشاط انگیز باشد بوئے خوں، خونیں مشاماں را

کرے افزائشِ جاں عاشقوں کے قتل کا مژدہ
نشاط انگیز بوئے خون ہے خونیں مشاموں کو

جہاں را خاصی و عامی ست آں مغرور وایں عاجز
بیا غالبؔ زخاصاں بگزر و بگزار عاماں را

تکبّر خاص کو ہے بیش، پستی عام کو بے حد
تو غالبؔ اہمیت دے اتنی خاصوں کو نہ عاموں کو

نگویم تازہ دارم شیوۂ جادو بیاناں را
ولے درخویش بینم کارگر جادوئے آناں را

نہیں سچا سمجھتا ہوں میں ان جادو بیانوں کو
ولے دینی پڑے تحسین ہے شیریں زبانوں کو

ہمانا پیش کارِ بختِ ناسازم بہ تنہائی
ستوہ آوردہ ام از چارہ جوئی مہرباناں را

ینا ہوں پیش کارِ بختِ خوابیدہ، میں خود اپنا
نہ تابِ چارہ جوئی اب رہی ہے مہربانوں کو

ندارد حاجتِ لعل و گہر حسنِ خداداد ت
عبث در آب و آتش راندۂ بازارگاناں را

نہیں جب حاجتِ لعل و گہر کچھ حسن کو تیرے
تو ڈالا آب و آتش میں ہے کیوں بازارگانوں کو

چہ بے برگی ست جاں دادن ز زخم زاں دمِ خنجر
بلا کستم فراخی ہائے عیشِ سخت جاناں را

مریں عشاق تیرے کس طرح خنجر کے زخموں سے
خلش میں عیشِ جاں آتا ہے جب ان سخت جانوں کو

عوض دارد گر آزارِ دلم آزردہ می خواہم
بہ قتلِ خویش دست و ساعدِ نازک میاناں را

ہمارے قتل کا مل جائے سارا خوں بہا، گر ہو
پشیمانی بہ دست و بازوانِ نازک میانوں کو

سراغِ فتنہ ہائے زہرہ سوز از خویشتن گیرم
رگِ اندیشہ نبضِ کار باشد کارداناں را

سراغِ فتنۂ الفت ہے میرے حال میں پنہاں
رگِ اندیشہ نبضِ کار ہے ان کاردانوں کو

بہ لفظِ عشق تصدرہ کوہ و دریا درمیاں گفتن
بیاموزید تا پیششں برید افسانہ خواناں را

پڑے ہیں کتنے کرنے کوہ و دریا پار الفت میں
بتاؤ راز بھی یہ عشق کے افسانہ خوانوں کو

نہ بینی برگِ رز زر گشت و گل شد کبریت احمر
کند پائیز گوئی کیمیا گر باغبـاناں را

بنی ہے شاخِ گل احمر، ہوئی ہے برگِ رز زریں
خـزاں نے کیا بنایا کیمیا گر باغبانوں کو

مرنج از ناروائی بے نیازی عالمے دارد
حکایت ہا بود با خویشتن مر بے زباناں را

نہیں ہے بے نیازی کچھ خموشی میں نہ مغروری
پڑے ہے بات کرنی خود سے اپنی، بے زبانوں کو

نگیرد دیگراں را حق بہ جرمے گر یکے بخشد
سرت گردم شفیعی روزِ محشر دلستاناں را

کرے ہے جب شفاعت حسن تیرا روزِ محشر میں
سزا کیسے خدا دے ان ہزاروں دلستانوں کو

نداند قدرِ غم تا در نماند کس بداں غالبؔ
مسرّت خیزد از تقلیدِ پیراں نوجواناں را

نہ ہو جو آشنائے غم اسے کیا قدرِ غم غالبؔ
لگے آسان ہے تقلیدِ پیراں نوجوانوں کو

خیز و بے راہ رَوے را سرِ راہے دریاب
شورشِ افزا نگہِ حوصلہ گاہے دریاب

اُٹھ کے چل راہرووں کو سرِ راہے دریاب
شورشِ افزا نگہِ حوصلہ گاہے دریاب

عالم آئینۂ راز است چہ پیدا چہ نہاں
تابِ اندیشہ نداری، بہ نگاہے دریاب

عالم آئینۂ اسرار ہے، ظاہر کہ نہاں
تابِ اندیشہ نہیں گر، بہ نگاہے دریاب

گر بہ معنی نہ رسی، جلوۂ صورت چہ کم است
خمِ زلف و شکنِ طرفِ کلاہے دریاب

نہیں سیرت نہ سہی، جلوۂ صُورت ہی سہی
خمِ زلف و شکنِ طرفِ کلاہے دریاب

غمِ افسردگی ام سوخت، کجائی اے شوق
نفسم را بہ پَرِ افشانیِ آہے دریاب

غمِ دوراں سے جلا ہوں، کبھی آ کر اے جاں
تُو نفس کو بہ پَرِ افشانیِ آہے دریاب

تا چہ آئینۂ حسرتِ دیدارِ تو ایم
جلوہ بر خود کن و مارا بہ نگاہے دریاب

کس قدر آئینۂ حسرتِ دیدار ہوں میں
جلوہ گر خود پہ ہو، مجھ کو بہ نگاہے دریاب

تو در آغوشی و دست و دلم از کار شدہ
تشنہ لبے دلو و رسن بر سرِ چاہے دریاب

ہو سمجھنی میری محرومی اگر قربت میں
تشنہ لبے دلو و رسن بر سرِ چاہے دریاب

داغِ ناکامیِ حسرت بود آئینۂ وصل
شبِ روشن طلبی، روزِ سیاہے دریاب

وصل میں حسرت و ناکامی نہ کم ہووے کچھ
شبِ روشن میں بھی ہے روزِ سیاہے دریاب

فرصت از کف مدہ و وقت غنیمت پندار
نیست گر صبحِ بہارے، شبِ ماہے دریاب

جتنی فرصت بھی ملے، جان غنیمت اس کو
گر نہیں صبحِ بہارے، شبِ ماہے دریاب

غالبؔ و کشمکشِ بیم و امیدش ہیہات
یا بہ تیغے بکُش و یا بہ نگاہے دریاب

غالبؔ اور کشمکشِ خوف و امیدِ الفت
قتل اسے تیغ سے کر یا بہ نگاہے دریاب

گر پس از جور بانصاف گراید چہ عجب
از حیا روئے بما گر نہ نماید چہ عجب

کر کے وہ ظلم، عدل پہ آئے تو کیا عجب
اس شرم سے وہ منہ نہ دکھائے تو کیا عجب

بودش از شکوہ خطر، ورنہ سرے داشت بمن
بہ مزارم اگر از مہر بیاید چہ عجب

تھا زندگی میں خطرِ شکایت اسے، پر اب
بالنس گر وہ قبر پہ آئے تو کیا عجب

رسمِ پیماں بہ میاں آمدہ، خود را نازم
گفتہ باشد کہ زبستن چہ کشاید چہ عجب

رسماً تھا عہدِ وصل، یہ معلوم تھا مجھے
گر توڑ کے وہ اب اسے جائے تو کیا عجب

شیوہا دارد و من معتقدِ خوے وے ام
شوقم از رنجشِ او گر بہ فزاید چہ عجب

ہے جس کا شیوہ ناز و ادا و ستمگری
رنجش سے گر وہ شوق بڑھائے تو کیا عجب

چوں کشد مے، کُشدم رشک کہ در پردۂ جام
از لبِ خویش اگر بوسہ رباید چہ عجب

پی کے شراب، چاٹ کے ہونٹوں کو، وہ مجھے
بوسے کے رشک میں جو جلائے تو کیا عجب

طرۂ درہم و پیراہنِ چاکش نگرید
اگر از ناز بخود ہم نگراید چہ عجب

دامانِ چاک و زلفِ پریشاں کے ناز ہیں
خود سے بھی گر وہ چاہ نہ چاہے تو کیا عجب

ہرزہ میرم شمرد وز پئے تعلیمِ رقیب
بہ وفا پیشگی ام گر بستاید چہ عجب

تعلیمِ عشق کے لئے گر وہ رقیب کو
میری وفا بڑھا کے بتائے تو کیا عجب

کار با مطربۂ زُہرہ نہادے دارم
گر لبم نالہ بہ ہنجار سراید چہ عجب

زُہرہ نہاد مطربہ سن کر مری فغاں
غمگین گیت عشق کے گائے تو کیا عجب

آنکہ چوں برق بہ یک جائے نہ گیرد آرام
گلہ اش در دل اگر دیر نپاید چہ عجب

جبکہ نگاہِ دوست ہے اک برقِ تیز رو
گر دل میں میرے ٹھہر نہ پائے تو کیا عجب

باچنیں شرم کہ از ہستیِ خویشش باشد
غالبؔ ار رخ بہ رہِ دوست نساید چہ عجب

شرمندہ اتنا اپنی حقیری پہ ہے وہ جب
غالبؔ نہ کرنے سجدہ گر آئے تو کیا عجب

جنوں محمل بہ صحرائے تحیر رانده است امشب
نگہ در چشم و آہم در جگر وامانده است امشب

جنوں مجھ کو بہ صحرائے تحیر لائے ہے امشب
نگہ آنکھوں میں، دل میں آہ رکتی جائے ہے امشب

بہ ذوقِ وعدہ سامانِ نشاطے کردہ پندارم
ز فرشِ گل بروئے آتشم بنشانده است امشب

بہ ذوقِ وعدہ سامانِ طرب میں جمع کرتا ہوں
وہ فرشِ گل سے مجھ کو آگ پر بٹھلائے ہے امشب

خیالِ وحشت از ضعفِ رواں صورت نمی بندد
بیاباں بر نگہ دامانِ ناز افشانده است امشب

ضعیفی سے جنوں کا کچھ خیال آتا نہیں دل میں
بیاباں دامن اپنا نگہ پر پھیلائے ہے امشب

دل از من عاریت جستند اہلِ لاف و دانستم
سمندر ایں غریباں را بہ دعوت خوانده است امشب

یہ اربابِ ہوس کیوں مانگتے ہیں قرض دل میرا
لگے ہے آتشِ الفت انہیں بلوائے ہے امشب

زہے آسائشِ جاوید، ہمچوں صورتِ دیبا
بہ زخمِ تن و بستر بہم چسپانده است امشب

زہے آسائشِ جاوید، تھک کر میں جو لیٹا ہوں
لہو زخموں کا بستر پر مجھے چپکائے ہے امشب

بقدرِ شامِ ہجرانش، درازی باد عمرش را
فلک نیز از کواکب سبحہ ہا گردانده است امشب

بقدرِ شامِ ہجراں عمر لمبی اس کو دے یا رب
فلک، یہ سبحۂ انجم پہ، پڑھتا جائے ہے امشب

بخوابم می رسد بندِ قبا وا کردہ از مستی
ندانم شوقِ من بروے چہ افسوں خوانده است امشب

وہ آیا خواب میں بندِ قبا کھولے ہوئے سرمست
یہ میرا شوق کیا دامِ فسوں بچھوائے ہے امشب

بدستِ کیست زلفت کایں دلِ شوریدہ می نالد
سرِ زنجیرِ مجنوں را کہ می جنبانده است امشب

عدو کا ہاتھ اپنی زلف میں ڈلوا کے اے جاناں
سرِ زنجیرِ مجنوں کس لئے ہلوائے ہے امشب

خوش است افسانۂ دردِ جدائی مختصر غالبؔ
بہ محشر ہی تواں گفت آنچہ در دل مانده است امشب

ہے خوش افسانۂ دردِ جدائی مختصر غالبؔ
کہا جائے گا وہ محشر میں، جو رہ جائے ہے امشب

از اندہِ نایافت قلق می کنم امشب
گر پردۂ ہستی است کہ شق می کنم امشب

الم سے نارسائی کا قلق کرتا ہوں میں امشب
ہے یہ گر پردۂ ہستی تو شق کرتا ہوں میں امشب

ہاں آئینہ بگزار کہ عکسم نفرسید
نظارۂ یکتائیِ حق می کنم امشب

نہیں کھاتا فریبِ عکس و آئینہ بہ آسانی
نظارۂ جمالِ روئے حق کرتا ہوں میں امشب

آتش بہ نہادم شدہ آب از تفِ مغزم
از تب نبود اینکہ عرق می کنم امشب

گدازِ آتشِ طبع ایسی میرے مغز کے تف سے
نمایاں ہے یہ اندازِ عرق کرتا ہوں میں امشب

جاں بر لبم، اندازۂ دریاکشی ام نیست
از مے طلبِ سدِ رمق می کنم امشب

لبوں پر جان ہے، کر درگزر میری بلانوشی
کہ بادہ سے طلب سدِ رمق کرتا ہوں میں امشب

از ہر بنِ مو چشمۂ خوں باز کشادم
آرائشِ بستر ز شفق می کنم امشب

نکلتا ہے مرے ہر رونگٹے سے چشمۂ خوں گر
دمیدہ اپنے بستر پر شفق کرتا ہوں میں امشب

مے می چکد از لعلِ لبش در طلبِ نُقل
مشتے ز کواکب بہ طبق می کنم امشب

طلب میں نُقل کی پائی، ٹپکتی لعلِ لب سے مے
تو انجم توڑ کے زیبِ طبق کرتا ہوں میں امشب

نازم سخنش را و نیابم دہنش را
خوش تفرقہ در باطل و حق می کنم امشب

سخن تو ہے ترا لیکن دہن ہے بھی، نہیں بھی ہے
جُدا کچھ اس طرح باطل سے حق کرتا ہوں میں امشب

عمرے است کہ قانونِ طرب رفتہ ز یادم
آموختہ را باز سبق می کنم امشب

رہا نا آشنا میں جو طریقِ عیش سے برسوں
دوبارہ یاد یہ بھولا سبق کرتا ہوں میں امشب

غالبؔ نبود شیوۂ من قافیہ بندی
ظلمے است کہ بر کلک و ورق می کنم امشب

نہیں ہے قافیہ بندی مرا شیوہ، تو پھر غالبؔ
ستم ہے یہ جو بر کلک و ورق کرتا ہوں میں امشب

سحر دمیدہ و گل در دمیدن است، مخسپ
جہاں جہاں گلِ نظارہ چیدن است، مخسپ

سحر ہوئی ہے رخِ گل کھلا ہے، اٹھ بیٹھو
فلک بھی محوِ نظارہ ہوا ہے، اٹھ بیٹھو

مشام را بہ شمیمِ گلے نوازش کن
نسیمِ غالیہ سا در وزیدن است، مخسپ

شمیمِ گل سے معطّر کرو دماغ اپنا
نسیم ساتھ لیے غالیہ ہے، اٹھ بیٹھو

زخویش حسنِ طلب بین در صبوحی کوش
مئے شبانہ زلب در چکیدن است، مخسپ

مئے شبانہ میں گو لطف ہے بہت لیکن
صبوحی اور بڑھاتی مزا ہے، اٹھ بیٹھو

ستارۂ سحری مژدہ سنجِ دیدارے است
بہ بیں کہ چشمِ فلک در پریدن است، مخسپ

یہ کس کی دید کا ہے مژدہ سنج نجم سحر
فلک کا دیدہ پھڑکنے لگا ہے، اٹھ بیٹھو

تو محوِ خواب و سحر در تاسف از انجم
بہ پشتِ دست بدنداں گزیدن است، مخسپ

بخواب دیکھ کے تم کو، دمیدہ کر کے شفق
خود اپنا ہاتھ فلک کاٹتا ہے، اٹھ بیٹھو

نفس ز نالہ بہ سنبل درودن است، بہ خیز
زخونِ دل مژہ در لالہ چیدن است، مخسپ

ہے پیچ و تاب سے فریاد کی نفس، سنبل
رخ اشکِ خون سے لالہ بنا ہے، اٹھ بیٹھو

نشاطِ گوش بر آوازِ قلقل است، بیا
پیالہ چشم براہِ کشیدن است، مخسپ

نشاطِ گوش ہے آوازِ قلقل، آؤ بھی
پیالہ عیشِ دل و جاں فزا ہے، اٹھ بیٹھو

نشانِ زندگیِ دل دویدن است، مایست
جلائے آئینۂ چشم دیدن است، مخسپ

نشانِ جاں ہے تگ و تازِ دل، رکو نہ کہیں
جلائے آئینۂ چشم ضیا ہے، اٹھ بیٹھو

ز دیدہ سودِ حریفاں کشودن است، مبند
ز دل مرادِ عزیزاں تپیدن است، مخسپ

ہے چشمِ تر میں رقیبوں کا سود، رونا مت
مرادِ یار دلِ نارسا ہے، اٹھ بیٹھو

بہ ذکرِ مرگ شبے زندہ داشتن ذوقے است
گرت فسانۂ غالب شنیدن است، مخسپ

اڑانا نیند ہے لوگوں کی قصۂ غالب
فسانہ درد سے اس کا بھرا ہے، اٹھ بیٹھو

حق جلوه گر ز طرزِ بیانِ محمدؐ است
آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمدؐ است

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمدیؐ
گویا خدا ہوا بہ زبانِ محمدیؐ

آیئنہ دارِ پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار زشانِ محمدؐ است

آئینہ دارِ پرتوِ خورشید، ماہتاب
شانِ حق آشکار بہ شانِ محمدیؐ

تیرِ قضا ہر آیئنہ در ترکشِ حق است
اما کشادِ آں ز کمانِ محمدؐ است

تیرِ قضا جو ترکشِ حق میں ہیں سب کے سب
چلتے ہیں خوب تر بہ کمانِ محمدیؐ

دانی اگر بہ معنیٔ لولاک وارسی
خود ہر چہ از حق است، ازانِ محمدؐ است

تجھ پر کھلیں معانیٔ لولاک، تو اگر
لائے عمل میں قولِ زبانِ محمدیؐ

ہر کس قسم بدانچہ عزیز است می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمدؐ است

جیسے قسم اٹھاتا ہے عاشق حبیب کی
سوگند ہے خدا کی بجانِ محمدیؐ

واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فرو گذار
کانجا سخن ز سروِ روانِ محمدؐ است

واعظ تو ذکرِ سایۂ طوبیٰ نہ کر، جہاں
ہووے بیانِ سروِ روانِ محمدیؐ

بنگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمدؐ است

دو نیم، نیم جنبشِ انگشت مہ کرے
کیسی ہے دیکھ قدرت و آنِ محمدیؐ

در خود ز نقشِ مُہرِ نبوت سخن رود
آں نیز نامور ز نشانِ محمدؐ است

بر جسمِ پاک مُہرِ نبوت لگی ہوئی
کیا شاندار ہے یہ نشانِ محمدیؐ

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

غالبؔ ثنائے خواجہ کو یزداں پہ چھوڑ دے
ہے وہ ہی ایک مرتبہ دانِ محمدیؐ

گلشن بہ فضائے چمنِ سینۂ ما نیست
ہر دل کہ نہ زخمے خورد از تیغِ تو وا نیست

کوئی نہ چمن، گلشنِ سینہ سا، ہرا ہے
زخمی نہ ہوا غنچۂ دل جو، نہ کھلا ہے

می سوزم و می ترسم از آسیب زدانش
آوخ کہ در آتش اثرِ آبِ بقا نیست

جلتا تو ہوں الفت میں، مگر حیف کہ اس کی
آتش میں نہیں کچھ اثرِ آبِ بقا ہے

عمرے است کہ می میرم و مردن نتوانم
در کشورِ بے دادِ تو فرمانِ قضا نیست

مدت سے میں مرتا ہوں و لے مر نہیں سکتا
کیوں ظلم کے کشور میں نہ فرمانِ قضا ہے

ہفت اختر و نہ چرخ خود آخر بہ چہ کارند
بر قتلِ من ایں عربدہ یا بار روا نیست

ہفت اختر و نو چرخ سے ہے ساری تباہی
لڑنا نہ مرے قتل پہ قاتل سے روا ہے

عمرم سپری گشت و ہماں بر سرِ جور است
گویند بتاں را کہ وفا نیست چرا نیست

دائم تو کرے ظلم ہے ثابت قدمی سے
سب کہتے ہیں پھر بھی کہ نہیں تجھ میں وفا ہے

جنت نہ کند چارۂ افسردگیِ دل
تعمیر بہ اندازۂ ویرانیِ ما نیست

فردوس نہیں چارۂ افسردگیِ دل
کب حسبِ تباہی اسے تعمیر کیا ہے

فریاد ز زخمے کہ نمک سود نباشد
ہنگامہ بیفزائے کہ پرسش بہ سزا نیست

ہے زخم کی فریاد، نمک لاؤ کہیں سے
کیا خالی مری جان نمکدان ترا ہے

گر مہر و گر کیں ہمہ از دوست قبول است
اندیشہ جز آئینۂ تصویر نما نیست

غم دے کہ خوشی ہم کو، ہر اک رنگ میں اسکے
آئینۂ دل عشق میں تصویر نما ہے

مینائے مے از تندیِ ایں مے بگداز د
پیغامِ غمت درخورِ تحویلِ صبا نیست

تندیِ مئے غم سے ہے مینا میں گدازی
پیغام یہ ناقابلِ تحویلِ صبا ہے

ہر مرحلہ از دہر سراب است لبے را
کز نقشِ کفِ پائے کسے بوسہ ربا نیست

ہے ساری زمیں ایک سراب ان کو جنھوں نے
نقشِ کفِ پا کو کبھی بوسہ نہ دیا ہے

از نازِ دلِ بے ہوسِ ما نہ پسندید
دل تنگ شد و گفت دریں خانہ ہوا نیست

دل میں رہی باقی نہ ہوس میرے تو بولے
اس گھر میں رہوں کیا، نہیں جب اس میں ہوا ہے

برگشتنِ مژگانِ تو از روئے عتاب است
کاندر دلم از تنگیِ جا یک مژہ جا نیست

دل تنگ ہے ایسا تری غفلت سے کہ اس میں
اک نظرِ کرم کی بھی رہی کوئی نہ جا ہے

دریوزۂ راحت نتواں کرد ز مرہم
غالب ہمہ تن خستۂ یار است گدا نیست

مرہم کی گدائی نہ کرے گا کبھی غالب
گو خستہ بہت تیری جفاؤں نے کیا ہے

بسکہ دریں داوری بے اثر افتادہ است
اشک، تو گوئی، مرا از نظر افتادہ است

عشق میں فریاد ایسی بے اثر ہو جائے ہے
داغِ دامن، گر کے آنکھوں سے گہر ہو جائے ہے

عکسِ تنش را در آب لرزہ بود ہم زموج
بیمِ نگاہِ خودش کارگر افتادہ است

دیکھ کر پانی میں پرتو وہ خفا ہوتا ہے یوں
عکس لرزاں، دیکھ کے اس کی نظر ہو جائے ہے

نالہ نداند کہ من شعلہ زیاں کردہ ام
ہر چہ ز دل جستہ است، در جگر افتادہ است

رائیگاں ہوتا نہیں ہے شعلۂ دل اشک میں
دل سے جب لپکے ہے وہ غرقِ جگر ہو جائے ہے

خاطرِ بلبل بجوی، قطرۂ شبنم مگوی
کز پیِ گوشِ گل نالہ، تر افتادہ است

اشکِ بلبل ہے یہ شبنم، کس طرح سے دیکھیے
گوشِ بے پروائے گل نالے سے تر ہو جائے ہے

از نگہ سرخوشت کامِ تمنّا کند
آئینۂ سادہ دل دیدہ ور افتادہ است

دیکھے جب ہے آئینہ تو نگہِ صد پُر شوق سے
ہے تو سادہ دل ولے اہلِ نظر ہو جائے ہے

او دلے از ما گداخت وین نفست گرم ساخت
نالۂ ما از نگاہ، شوخ تر افتادہ است

نگہ تیری دل گداز اور آتشیں نالہ مرا
آہ میری یوں نگہ سے شوخ تر ہو جائے ہے

خونِ ہوس پیشگاں خوش نہ بود ریختن
تیغِ ادا پارۂ بد گہر افتادہ است

قصدِ خونِ دل کرے اہلِ ہوس کا ہے اگر
تیغ اس قاتل کی بھی کچھ بد گہر ہو جائے ہے

رشکِ دہانت گذاشت غنچۂ گل چوں شگفت
دید کہ از روئے کار پردہ بر افتادہ است

کس طرح غنچہ چھپائے یار کا رشکِ دہن
کھل کے صبح دم جو اس کا پردہ در ہو جائے ہے

وہ بہ فروماندگی دادِ فروماندگاں
سایہ در افتادگی وقفِ ہر افتادہ است

عاجزی کی دیجیے عاجز کو داد اور دیکھیے
سایہ چومے اس کو جو سجدے میں سر ہو جائے ہے

در گردِ نالہ وادیِ دل رزمگاہِ کیست
خونی کہ می دوَد بہ شرایئں سیاہِ کیست

اٹھا غبارِ نالہ یہ کس رزمگاہ سے
ہے جوش رگ میں خون کی، کس کے سپاہ سے

حسنِ تو در حجاب ز شرمِ گناہِ کیست
جا بر کرشمہ تنگ ز جوشِ نگاہِ کیست

تیرا حجاب کس کے ہے شرمِ گناہ سے
تنگِ کرشمہ کس کے ہے جوشِ نگاہ سے

مست است و رخ کشادہ بہ گلزار می رود
خوں در دلِ بہار ز تاثیرِ آہِ کیست

خونِ بہار کرنے کو بے پردہ مست و خوش
آیا چمن میں کس کی وہ تاثیرِ آہ سے

ما با تو آشنا و تو بیگانۂ ز ما
آخر تو و خدا کہ جہانے گواہِ کیست

مجھ کو ہے آشنائی تو بیگانگی تجھے
میرا یقین گر نہیں، سُن لے گواہ سے

مو بر نتابد ایں ہمہ پیچ و خم و شکن
زلفِ تو روز نامۂ بختِ سیاہ کیست

پیچ و خم و شکن سے ہے زلفِ سیاہ کو
کتنی مشابہت مرے بختِ سیاہ سے

زیں ساں کہ سر بسر گل و ریحان و سنبل است
طرفِ چمن نمونۂ طرفِ کلاہِ کیست

ہے باوجودِ سنبل و ریحان و گل بہت
طرفِ چمن خجل تری طرفِ کلاہ سے

رشک آیدم بہ روشنیِ دیدہ ہائے خلق
دانستہ ام کہ از اثرِ گردِ راہِ کیست

بینائی و بصارت ان آنکھوں میں خلق کی
ہیں سب یہ اک ترے اثرِ گردِ راہ سے

با من بخوابِ نازو من از رشک بدگماں
تا عرصۂ خیالِ عدو جلوہ گاہِ کیست

قربت میں بھی تری ہوں بہت بدگماں کہ تو
ہو گا عدو کا، جا کے مری خواب گاہ سے

بے خود بوقتِ ذبح تپیدن، گناہِ من
دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہِ کیست

ہے وقتِ ذبح میرا تڑپنا گنہ، ولے
شمشیر تیری کند ہے کس کے گناہ سے

غالب حسابِ زندگی از سر گرفتہ است
جانا! بہ من بگو کہ غمت عمر کاہِ کیست

غالب حسابِ زندگی تیرا عجیب ہے
بڑھتی ہے تیری عمر غمِ عمر کاہ سے

در تابم از خیال کہ دل جلوہ گاہِ کیست
داغم ز انتظار کہ چشمش براہِ کیست

جلتا ہوں، دل جو اس کا بنا جلوہ گاہِ غیر
ہے کیا غضب کہ چشم ہے اس کی براہِ غیر

از نالہ خیزیِ دلِ سختش درآتشم
ایں سنگِ پُر شرر ز ہجومِ نگاہِ کیست

روتا ہوں روتا دیکھ کر سنگین دل کو میں
جس کا بہائے خون ہے ظلمِ نگاہِ غیر

چشمش بر آب از تفِ مہرِ پری وشے است
من در گماں کہ از اثرِ دودِ آہِ کیست

گرمیِ عشق سے ہوئی کیا آنکھ اس کی نم
یا شاید اس پہ ہے اثرِ دودِ آہِ غیر

ظالم تو و شکایتِ عشق ایں چہ ماجرا است
بارے بہ من بگو کہ دلت داد خواہ کیست

دیکھو خدا کی شان کہ حیران رہ گیا
بے داد گر کو، دیکھ کے میں، داد خواہِ غیر

درخود گم است جلوۂ برقِ عتابِ تو
ایں تیرگی بہ طالعِ مشتِ گیاہِ کیست

کیا ہو گیا وہ جلوۂ برقِ غضب ترا
کیا کر گیا ہے طالعِ مشتِ گیاہِ غیر

نیرنگِ عشق شوکتِ رعنائے تو برد
در طالعِ تو گردشِ چشمِ سیاہِ کیست

نیرنگِ عشق لے گیا رعنائی اور ہوئی
قسمت میں تیری گردشِ چشمِ سیاہِ غیر

گوید ز عجز چوں تو خدا ناشناس، حیف
باچوں خودے کہ داورِ گیتی گواہ کیست

کس طرح عجز سے وہ خدا ناشناس اب
ہر اک، بیاں خدا سے کرے ہے، گناہِ غیر

با ایں ہمہ شکست درستی ادائے اوست
رنگِ رخت نمونۂ طرفِ کلاہِ کیست

تیری شکستِ رنگ کی رعنائی، جانِ من
شاید ہے اک نمونۂ طرفِ کلاہِ غیر

باتو بہ پند، حرف بہ تلخی گناہِ من
بامن بہ عشق، غلبہ بدعویٰ گناہِ کیست

میرے گلے میں تلخی اگر ہے، مرا گناہ
کرنا تجھے فریفتہ ہے پر گناہِ غیر

غالبؔ کنوں کہ قبلۂ او کوئے دلبر است
کے می رسد بدیں کہ درش سجدہ گاہِ کیست

غالبؔ نہ اس کے در پہ ملے اب پنہ کوئی
قبلہ بنایا جس نے ہے اپنا پناہِ غیر

یاد از عدو نیارم و ایں ہم ز دُور بینی ست
کاندر دلم گزشتن با دوست، ہمنشینی ست

یادِ عدو بھلانا ہے میری دُور بینی
تا وہ کرے نہ دل میں با دوست ہمنشینی

در عالمِ خرابی از خیلِ منعمانم
سیلم بر رخت شوقؔ، برقم بخوشہ چینی ست

ہے عالمِ خرابی میں ایک شان میری
طوفاں کی چہرہ شوقؔ، بجلی کی خوشہ چینی

میرم ولے بترسم کز فرطِ بدگمانی
داند کہ جاں سپردن از عافیت گزینی ست

مرتا ہوں، ڈر ہے لیکن تُو یہ کہیں نہ سمجھے
جاں چاہتا ہوں دے کر، میں عافیت گزینی

در بادہ دیر مستم، آرے نہ سخت جانی ست
در غمزہ زود رنجی، آرے ز نازنینی ست

ہوں دیر مست اگر میں، یہ میری سخت جانی
غمزہ میں زود رنجی، یہ تیری نازنینی

من سوئے او بہ بینم، داند ز بے حیائی ست
او سوئے من نہ بیند، دانم ز شرمگینی ست

ہے دید کی طلب گر، یہ میری بے حیائی
دیکھے نہ اک نظر تُو، یہ تیری شرمگینی

زیں خونچکاں نواہا در یاب ماجرا ہا
ہنگامہ ام اسیری، اندیشہ ام حزینی ست

یہ خونچکان آہیں، سب ماجرا بتائیں
جذبات میں اسیری، افکار میں حزینی

دردِ شکستِ دل را رامِ صدا نخواہم
سازِ شکایتِ من تارش ز موئے چینی ست

دردِ شکستِ دل میں کچھ شور و غل نہیں ہے
سازِ شکایتِ غم اک تارِ موئے چینی

سوزم دمے کہ یارم یاد آورد کہ غالبؔ
در خاطرش گزشتن با غیر ہمنشینی ست

کرتا ہے یاد غالبؔ کو یار گر، تو دل میں
اس سے کرائے وہ ہے با غیر ہمنشینی

چہ فتنہ ہا کہ در اندازۂ گمانِ تو نیست
قیامت است، دلِ دیر مہربانِ تو نیست

فساد و شر یہ در اندازۂ گمان نہیں
ہے حشر ایک، دلِ دیر مہربان نہیں

فریبِ آشتی دہ، ایں ظفر مبارکباد
دلِ ستم زدہ دربندِ امتحانِ تو نیست

فریب صلح میں تو کامیاب ہے لیکن
دلِ فگار کو اب تابِ امتحان نہیں

مگر ز پارۂ سنگم کہ ریزد ت دمِ تیغ
بکش، مترس کہ در سودِ من زیانِ تو نیست

نہ سنگ ہوں کہ ہو شمشیر کند مجھ سے تری
تو قتل کر مجھے، اس میں کوئی زیان نہیں

شکستِ رنگِ تو از عشق، خوش تماشائے است
بہارِ دہر بہ رنگینیِ خزانِ تو نیست

شکستِ رنگ میں تیرے ہے رنگ کچھ ایسا
بہار میں بھی یہ رنگینیِ خزان نہیں

شباہتے است مرآں را کہ بر نیامدہ است
وگرنہ موئے بہ باریکیِ میانِ تو نیست

کمر کو بال سے تشبیہہ دیں تری کیسے
کہ بال میں بھی یہ باریکیِ میان نہیں

زحق مرنج و در ابرو زخشم چیں مفگن
خوش است رسمِ وفا، گرچہ در زمانِ تو نیست

خفا نہ سن کے ہو، کہتا ہوں سچ کہ رسمِ وفا
ہے خوب، پر یہ ترا شیوہ میری جان نہیں

رواں فدائے تو نامم کہ بردۂ ناصح
زہے لطافت ذوقے کہ در بیانِ تو نیست

ہے ایک نام جو دیوے مزہ نصیحت کو
لطیف ورنہ اے واعظ ترا بیان نہیں

دل از خموشیِ لعلت امیدوار چراست
چہ گفتہ ای بہ زبانے کہ در دہانِ تو نیست

لبِ خموش سے اُمید ہو گئی دل کو
بہ غمزہ اس نے کہا وہ جو بر زبان نہیں

گمانِ زیست بود بر منت ز بے دردی
بد است مرگ، ولے بدتر از گمانِ تو نیست

گمانِ زندگی مجھ پر ہے تجھ کو اے ظالم
بُری ہے موت تو اچھا بھی یہ گمان نہیں

عیارِ آتشِ سوزاں گرفتہ ام صد بار
بہ سینہ تابیِ داغِ غمِ نہانِ تو نیست

یہ مانا آتشِ دوزخ میں ہے بہت گرمی
مگر وہ گرمیِ داغِ غمِ نہان نہیں

تغافلِ تو دلیلِ تجاہل افتاد است
تو و خدائے تو، غالبؔ ز بندگانِ تو نیست

بھلا دیا ہے اسے گر، بتا خدا کے لئے
غلام کیا ترا غالبؔ یہ میری جان نہیں

اے کہ گوئی غم درونِ سینہ جاں فرساست، ہست
خامشیم اما اگر دانی کہ حق باماست، ہست

پوچھنا تیرا، غم اتنا کیوں ہے جاں فرسا؟ ہے ٹھیک
کیا کہیں، ہم کو تو بس خاموش ہی رہنا، ہے ٹھیک

ایں سخن حق بود و گاہے بر زبانِ ما نرفت
چوں تو خود گفتی کہ خوباں را دل از خاراست، ہست

بات تو سچ ہے مگر ہم سے کہی جاتی نہیں
پر ترا کہنا کہ خوباں کا ہے دل خارا، ہے ٹھیک

دیدہ تا دل خوں شدن کز غم روایت می کنی
گر بگوییم کایں نخستیں موجِ آں دریاست، ہست

ٹھیک تو کہتا ہے، میرے خوں کے آنسو کچھ نہیں
گر اسے ٹھہراؤں اول موجۂ دریا، ہے ٹھیک

دیدی آخر انتقامِ خستگاں چوں می کشند
آنکہ می گفتیم ماکامروز را فرداست، ہست

شکوۂ جور و ستم کرنا غلط میرا سہی
رنگ اک دن خستگی کا میری پر لانا، ہے ٹھیک

ہم وفا ہم خواہشِ ما ہیچ پرسش عیب نیست
آنکہ میگفتی کہ خواہش در وفا بے جاست، ہست

بے نیازی ہم وفاداروں سے تیری ہے بجا
تیرا کہنا بھی شتابِ عشق کو بے جا، ہے ٹھیک

بارے از خود گو کہ چونی ور ز من پرسی بپرس
بخت ناساز است، آرے یارِ بے پرواست، ہست

بخت کی ناسازگاری کا گلہ کیسے کریں
جب کہ یہ سب احتراز یارِ بے پروا، ہے ٹھیک

خوئے یارت را تو دانی، ورنہ از حسن و جمال
زلفِ عنبر بوست، دارد عارضِ زیباست، ہست

جانتے ہیں خوئے جاناں اور یہ بھی کچھ اُسے
ناز بر گیسوئے مشکین و رخِ زیبا، ہے ٹھیک

صبر وا نگہ از تو، پندارم نہ حدِ آدمی است
وین کہ می گوئی ’بہ ظاہر گرمِ استغناست‘ ہست

صبر کرنا عاشقوں کو ہے نہیں آسان، اور
ہونا تیرا بھی بہ ظاہر گرمِ استغنا، ہے ٹھیک

باچنیں عشقے کہ طوفانِ بلا می خوانیش
چوں ببینی کاں شکوہِ دلبری برجاست ہست

جب تلک ہے حسن کو شان و شکوہِ دلبری
عشق کا بھی ایک طوفانِ بلا ہونا ہے ٹھیک

رہگزارت را دل و جاں ہمچناں فرش است، ہاں
جلوہ گاہت را زجاں بازاں ہماں غوغاست ہست

جبکہ تیری راہ میں ہیں فرشِ دل عشاق کے
ان کا کرنا تیری جلوہ گاہ میں غوغا ہے ٹھیک

نظم و نثرِ شورشِ انگیزے کہ می باید بخواہ
اے کہ می گوئی کہ غالبؔ در سخن یکتاست ہست

شورش انگیزی ہے اتنی جبکہ نثر و نظم میں
کہنا غالبؔ کو، سخن میں نادر و یکتا ہے ٹھیک

سینہ بکشودیم و خلقے دید کاینجا آتش است
بعد ازیں گویند آتش را کہ گویا آتش است

دیکھ کر کہتی ہے دنیا سینہ میرا آتشیں
گوشۂ دوزخ نہیں ہے کوئی اتنا آتشیں

انتظارِ جلوۂ ساقی کبابم می کند
مے بہ ساغر آبِ حیوان و بہ مینا آتش است

جل رہا ہوں انتظارِ جلوۂ ساقی میں میں
مے بہ ساغر آبِ حیوان و بہ مینا آتشیں

گریہ ات در عشق از تاثیرِ دُودِ آہ ماست
اشک در چشمِ تو آب و در دلِ ما آتش ست

میرا دُودِ آہ کرتا ہے تری آنکھوں کو نم
پانی آنسو ہیں ترے اور اشک میرا آتشیں

اے کہ می گوئی تجلی گاہِ نازش دُور نیست
صبرِ مشتے از خس و ذوقِ تماشا آتش ست

ہے نہیں گو دُور جلوہ گاہِ جاناں، پر مرا
صبر مشتِ خس ہے اور ذوقِ تماشا آتشیں

پردہ از رخ برگرفت و بے محابا سوختیم
بادہ باد است آتشِ او را و ما را آتش است

جل گیا یک لخت میں تو دیکھ کر رُخ کی جھلک
یوں کیا ہے مے نے تیرا روئے زیبا آتشیں

ہم بدیں نسبت زشوخی در دلت جا کردہ ایم
فاش گوئیم از تو سنگ است آنچہ از ما آتش است

سنگ کے اندر شرر ہو، مل کے یہ بیٹھیں اگر
قلب تیرا سنگِ خارا اور میرا آتشیں

گریۂ دارم کہ تا تحت الثریٰ آب است و بس
نالۂ دارم کہ تا اوجِ ثریا آتش است

میرے گریہ سے ہوا تحت الثریٰ سب آب آب
میرے نالوں سے بنا اوجِ ثریا آتشیں

پاک خور امروز و زنہار از پئے فردا منہ
در شریعت بادہ امروز آب و فردا آتش است

آج جتنی بھی ملے پی جا، نہ رکھ کل کے لئے
در شریعت بادہ امروز آب و فردا آتشیں

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیمِ بلاست
قعرِ دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است

بے تکلف، ہے بلا بہتر بلا کے خوف سے
قعرِ دریا سلسبیل و روئے دریا آتشیں

گشتہ ام غالب طرف با مشربِ عرفی کہ گفت
"روئے دریا سلسبیل و قعرِ دریا آتش است"

بات غالب کی ہے الٹی، قولِ عرفی ہے صحیح
"روئے دریا سلسبیل و قعرِ دریا آتشیں"

بخود رسید نش از ناز بسکہ دشوار است
چو ما بدامِ تمنائے خود گرفتار است

خود آگہی میں نہ کیونکر اسے ہو دشواری
غرورِ حسن میں اس کی ہے جب گرفتاری

تمام زحمتم از ہستی ام چہ می پرسی
زجسمِ لاغرِ خویشم بہ پیرہن خار است

بنا کے اس تنِ لاغر کو خارِ پیراہن
وجود میرا کرے سخت جان آزاری

صلائے قتل دہ و جانفشانیِ ما بیں
برائے کُشتنِ عشاق وعدہ بسیار است

صلائے قتل تری سن کے کس طرح عاشق
ہزار آتے ہیں کرنے کو تجھ پہ جاں واری

ستم کشِ سرِ ناموس جوئے خویشتنم
کہ تاز جیب برآمد بہ بندِ دستار است

ستمگری سرِ ناموس خواہ کی یہ ہے
خیالِ جیب نہ ہو گر، ہو فکرِ دستاری

بہ شب حکایتِ قتلم زغیر می شنود
ہنوز فتنہ بہ ذوقِ فسانہ بیدار است

ہمارے قتل کا قصہ سُنے ہے وہ شب بھر
چھپائے ذوقِ فسانہ میں شوقِ خونخواری

بیا کہ فصلِ بہار است و گل بہ صحنِ چمن
کشادہ روئے تر از شاہدانِ بازار است

تو آ کہ موسمِ گل میں کشادہ روئی سے
بنے گلاب و سمن شاہدانِ بازاری

غمم شنیدن و لختے بہ خود فرو رفتن
خوشا فریبِ ترحم چہ سادہ پُرکار است

بیانِ غم مرا سُن کے وہ ہووے ہے گم سم
خوشا فریبِ ترحم و سادہ پُرکاری

فناست ہستی من در تصوّر کمرش
چو نغمۂ کہ ہنوزش وجود در تار است

وجودِ نغمہ نہاں جیسے ایک تار میں ہو
کمر کی سوچ میں ہستی فنا ہوئی ساری

ز آفرینش عالم غرض جز آدم نیست
بگردِ نقطۂ ما دورِ ہفت پرکار است

ہے وہ ہی گردشِ ہفت آسمان کا مرکز
جہاں میں مردمِ خاکی کی ہے جہاں داری

نگاہ خیرہ شد از پرتوِ رخش غالبؔ
تو گوئی آئینۂ ما سرابِ دیدار است

ہے خیرہ تیری نگہ تابِ رخ سے اے غالبؔ
تو سمجھا دید جسے، ہے سرابِ دیداری

سمومِ وادیِ امکاں زبس جگر تاب است
گدازِ زہرۂ خاک است ہر کجا آب است

سمومِ وادیِ امکان کرتی ہے جگر تابی
گدازِ زہرۂ خاکی سے ہوتی ہے زمیں آبی

مرنج از شبِ تار و بیا بہ بزمِ نشاط
کہ پنبۂ سرِ مینائے بادہ مہتاب است

تو آ بزمِ طرب میں، غم نہ کر تاریکیِ شب کا
کہ پنبۂ سرِ مینائے مے ہے رشکِ مہتابی

بخواب آمدنش جز ستم طریقی نیست
خدا نخواستہ باشد بہ غیر ہم خواب است

ضرور آوے تسلی کے لئے وہ خواب میں میرے
کرے ہے جا کے جب بھی وہ عدو کے ساتھ ہم خوابی

ز وضعِ روزنِ دیوار میتواں دانست
کہ چشمِ غمکدۂ ما براہِ سیلاب است

نہیں یہ روزنِ دیوار، ہے یہ چشمِ غم خانہ
کرے بے صبر جو ہے انتظارِ موجِ سیلابی

ز نالہ کار بہ اشک اوفتادہ، دل خوں باد
ز شرمِ بے اثری ہا فغانِ ما آب است

ہوا ہے پانی پانی نالہ شرمِ نارسائی سے
جگر کا خون کرتی ہے دلِ مضطر کی بیتابی

ز وہم نقشِ خیالی کشیدۂ ورنہ
وجودِ خلق چو عنقا بدہر نایاب است

بنایا وہم سے نقشِ خیالی ہم نے اک ورنہ
وجودِ خلق کی کچھ کم نہیں عنقا سے، نایابی

نگہ ز شوخیِ حسنت چہ طرف بربندد
چنیں کہ طاقتِ ما را بناز سیماب است

نگہ کو حسن کی شوخی سے کیسے فیض یابی ہو
ہے جب کہ عشق کی بے تابیوں میں اتنی سیمابی

زمیں ز نقشِ سمِ توسنِ تو ساغر زار
ہوا ز گردِ رہت، شیشۂ مئے ناب است

زمیں نقشِ سمِ توسن سے ساغر زارِ بے ہمتا
صبا گردِ رہِ جاناں سے مینائے مئے نابی

قوی فتادہ چو نسبت، ادب مجو غالبؔ
ندیدۂ کہ سوئے قبلہ پشتِ محراب است

ادب آداب اس سے اس قدر کس واسطے غالبؔ
کہ سوئے قبلہ رہتی ہے ہمیشہ پشتِ محرابی

گردِ رہِ خویش از نفسم باز ندانست
ننگش ز خرام آمد و پرواز ندانست

کم سن ہے ابھی عشق کے وہ راز نہ جانے
شرم آتی خرامی سے ہے، پرواز نہ جانے

زاں ساں غمِ ما خورد کہ رسوائیِ ما را
خصم از اثرِ غمزۂ غماز ندانست

رسوائی میری دیکھ کے حیران عدو ہے
وہ کچھ اثرِ غمزۂ غماز نہ جانے

فرہاد کہ تا ایں ہمہ خوں خوردنم از غم
یک رہ بہ دلش کرد گزر، راز ندانست

سو جھیل کے غم اس کے، میں کرتا ہوں جو نالہ
کیوں ہوتا نہیں یہ اثر انداز، نہ جانے

نازم نگہِ شرم کہ دلہا ز میاں برد
زاں ساں کہ خود آں چشمِ فسوں ساز ندانست

اک نگہ سے لُوٹے ہے دلِ خلق وہ لیکن
ہے یہ اثرِ چشمِ فسوں ساز، نہ جانے

یک چند بہم ساختہ ناکام گزشتیم
من عشوہ نہ پزرفتم و او ناز ندانست

ہو صلح بھی اس سے تو بنے کام نہ کوئی
میں سوز کا شکوہ کروں، وہ ساز نہ جانے

از شاخ گل افشاند و ز خارا گہر انگیخت
آئینۂ ما درخورِ پرداز ندانست

گل شاخ کو، خارا کو گہر دیوے جو، میرے
آئینے کو وہ درخورِ پرداز نہ جانے

ہمدم کہ ز اقبال نویدِ اثرم داد
اندوہِ نگاہِ غلط انداز ندانست

ہمدم جو کہے آہ میں تاثیر ہے میری
اندوہِ نگاہِ غلط انداز نہ جانے

مخمورِ مکافات بہ خلد و سقر آویخت
مشتاقِ عطا شعلہ ز گل باز ندانست

مخمورِ مکافات کو ہے فخر عمل پر
مشتاقِ عطا ایسا کوئی ناز نہ جانے

غالبؔ سخن از ہند بروں بر کہ کس ایں جا
سنگ از گہر و شعبدہ ز اعجاز ندانست

جا چھوڑ کے غالبؔ اسے کہ ہند میں کوئی
سنگ از گہر و شعبدہ ز اعجاز نہ جانے

ہر ذرّہ محوِ جلوۂ حسنِ یگانہ ایست
گوئی طلسمِ شش جہت آئینہ خانہ ایست

ہر ذرّہ محوِ جلوۂ حسنِ یگانہ ہو گیا
سارا جہانِ شش جہت آئینہ خانہ ہو گیا

ناچار با تغافلِ صیاد ساختم
پنداشتم کہ حلقۂ دام آشیانہ ایست

شکوہ بتاؤ کیا کریں غفلتِ صید ساز کا
جبکہ ہمارا حلقۂ دام آشیانہ ہو گیا

پا بستۂ نوردِ خیالی چو وا رسی
ہر عالمے ز عالمِ دیگر فسانہ ایست

توڑا فسوں گمان کا، نکلے جو دامِ وہم سے
دنیا فسانہ بن گئی، جادۂ زمانہ ہو گیا

خود داریم بہ فصلِ بہاراں عناں گسیخت
گلگونِ شوق را رگِ گل تازیانہ ایست

کوڑا بنا جو تارِ گل، موسمِ نو بہار میں
توسنِ شوقِ بے عناں تیز روانہ ہو گیا

ہر ذرّہ در طریقِ وفائے تو منزلے
ہر قطرہ از محیطِ خیالت کرانہ ایست

تیری وفا کی راہ میں بن گئے ذرّے منزلیں
عشق کے بحر میں ہر اک قطرہ کرانہ ہو گیا

در پردۂ تو چند کشم نازِ عالمے
داغم ز روزگار و فراقت بہانہ ایست

دیکھ کے عشق میں ہمیں، گردشِ آسمان کو
دینے کا رنج و غم یہ اور ایک بہانہ ہو گیا

وحشت چو شاہداں بہ نظر جلوہ می کند
گردِ رہ و ہوا سرِ زلفے و شانہ ایست

قوتِ فکر دیکھیے گرد و ہوائے دشت میں
ہم کو جنوں میں جلوۂ گیسو و شانہ ہو گیا

غالبؔ دگر ز منشائے آوارگی مپرس
گفتم کہ جبہہ را ہوسِ آستانہ ایست

غالبؔ خستہ اپنی اب دشت نوردی چھوڑ دے
تیری جبیں کا ایک در جبکہ ٹھکانہ ہو گیا

ہر چہ فلک نخواست است ہیچکس از فلک نخواست
ظرفِ فقیہ مے نجُست، بادۂ ما گزک نخواست

جس کے ہو پاس ظرف کم، دیتا اسے فلک نہیں
بادہ دیا ہے ہم کو یوں، مانگتے ہم گزک نہیں

غرقہ بموجہ تاب خورد، تشنہ ز دجلہ آب خورد
زحمتِ ہیچ کس نداد، راحتِ ہیچ یک نخواست

غرقۂ موج غرق ہو، دلو سے کسی کو دُکھ نہیں
بیٹھیں ہیں جو کنار پر، پوچھیں وہ حال تک نہیں

جاہ ز علم بے خبر، علم ز جاہ بے نیاز
ہم محکِ تو زر نہ دید، ہم زرِ من محک نخواست

علم سے جاہ بے خبر، جاہ سے علم بے غرض
اس کے محک پہ زر نہیں، اس کو طلب محک نہیں

شحنۂ دہر برملا ہر چہ گرفت پس نداد
کاتبِ بخت درخفا ہر چہ نوشت حک نخواست

شحنۂ دہر چھین لے جو بھی، نہ دیوے پھر کبھی
کاتبِ بخت جو لکھے، مٹتا وہ حشر تک نہیں

خونِ جگر بجائے مے مستیِ ما قدح نداشت
نالۂ دل نوائے نے، رامشِ ما غچک نخواست

خونِ جگر بجائے مے، پیتے ہیں ہم قدح بنا
نالہ ہمارا بانگِ نَے، اس میں ہمیں جھجک نہیں

زاہد و ورزشِ سجود، آہ ز دعوئِ وجود
تا نہ زد اہرمن رہش، بدرقہ ملک نخواست

زاہد و ورزشِ سجود، مشقِ طہارت و وضو
یاریِ اہرمن اسے، دوستیِ ملک نہیں

بحث و جدل بجائے ماں، میکدہ جوئے کاندراں
کس نفس از جمل نہ زد، کس سخن از فدک نخواست

چھوڑ نہ بحث، یہ جدل، امن ہے میکدے میں، چل
ہے نہ وہاں کوئی جمل، اس میں کوئی فدک نہیں

گشتہ در انتظارِ پور، دیدۂ پیرِ رہ سفید
در رہِ شوق ہم ہمی دیدہ ز مردمک نخواست

نورِ نظر کی راہ میں نُور گیا یوں آنکھ سے
کنعاں کے پیر کو رہی حاجتِ مردمک نہیں

حسن چہ کام دل دہد چوں طلب از حریف نیست
خست نگاہ، گر جگر خستہ زلب نمک نخواست

حسن کا کیا قصور ہے، عاشقِ خستہ ہی اگر
زخمِ جگر کے واسطے کرتا طلب نمک نہیں

خرقہ خوش است در برم پردہ چنیں خشن خوش است
عشق بہ خارِ خارِ غم پیراہنم تنک نخواست

خرقہ جو اُون کا ہے اک، میرے بدن پہ ٹھیک ہے
ڈھانپتا خارِ غم مرے پیرہنِ تنک نہیں

رندِ ہزار شیوہ را طاعتِ حق گراں نبود
لیک صنم بہ سجدہ در ناصیہ مشترک نخواست

رندِ ہزار رنگ کو طاعتِ حق گراں نہ تھی
کرتا قبول پر وہ بت، ناصیہ مشترک نہیں

سہل شمرد و سرسری، تا تو ز عجز نہ شمری
غالبؔ اگر بداوری دادِ خود از فلک نخواست

جتنی بھی مشکلات ہیں سہتا ہے تمکنت سے وہ
غالبِ خستہ چاہتا داوریِ فلک نہیں

مالاغریم گر کمرِ یار نازک است
فرقے است درمیانہ کہ بسیار نازک است

لاغر بدن ہوں دل مرا بسیار ہے نازک
سب سے زیادہ پر کمرِ یار ہے نازک

دارم دلے ز آبلہ نازک نہادتر
آہستہ پا بنہ کہ سرِ خار نازک است

گو آبلے میرے بڑے نازک نہاد ہیں
ہوں نرم رَو بھی یوں کہ سرِ خار ہے نازک

از جنبشِ نسیم فرو ریزدے ز ہم
مارا چو برگِ گل درو دیوار نازک است

یک جنبشِ نسیم سے گرتی ہے مثلِ برگ
ایسی مرے حریم کی دیوار ہے نازک

با نالہ ام ز سنگ دلی ہائے خود مناز
غافل تماشِ طاقتِ کہسار نازک است

نالہ نہ میرا سنگدلی کے سبب تری
آگے تو اس کے طاقتِ کہسار ہے نازک

زحمت کشید و آں مژہ برگشت ہیچپاں
ماسخت جان و لذتِ آزار نازک است

مژگاں سے کرنا قتل نہ زحمت کوئی بڑی
ہوں سخت جاں ولے حظِ آزار ہے نازک

رسوا ایئے مباد خود آرائیِ ترا
گل پُر مزن کہ گوشۂ دستار نازک است

رسوائی ہو نہ جائے خود آرائی سے تری
گل مت لگا کہ گوشۂ دستار ہے نازک

ترسم تپش ز بند بروں افگند مرا
تابِ کمندِ کاکلِ خمدار نازک است

ڈر ہے، نہ اس کے بند کو پگھلائے تابِ دل
ایسی کمندِ کاکلِ خمدار ہے نازک

از جلوہ ناگداختن و رُو نہ ساختن
آئینہ را ببیں کہ چہ مقدار نازک است

دیکھے تو پگھلے تپ سے، نہ دیکھے تو شرم سے
اتنا یہ دل کا آئینہ اے یار ہے نازک

از ناتوانیِ جگر و معدہ باک نیست
غالبؔ دل و دماغِ تو بسیار نازک است

اک ناتوانیِ جگر و معدہ ہی نہیں
غالبؔ ترا دماغ بھی بسیار ہے نازک

امشب آتشیں روئے گرم زند خوانی ہاست
کز لبش نوا ہر دم در شرر فشانی ہاست

شعلہ رُو ایک کرے جبکہ "زند" خوانی ہے
ہوتی آواز میں اس کے شرر افشانی ہے

تا در آب افتادہ، عکسِ قدِ دلجویش
چشمہ ہمچو آئینہ فارغ از روانی ہاست

گرتا پانی میں اگر عکسِ قدِ دلجو ہے
آئینہ بنتی ہے جُو، جاتا ٹھہر پانی ہے

در کشاکشِ ضعفم نگسلد رواں از تن
اینکہ من نمی میرم، ہم ز ناتوانی ہاست

الجھی تن میں ہے مرے کشمکشِ ضعف سے جاں
مر بھی سکتا نہیں ایسی مری بے جانی ہے

از خمیدنِ پشتم روئے در قفا باشد
تا چہا دریں پیری حسرتِ جوانی ہاست

تن ہے خمدار مرا، دیکھتا پیچھے ہوں میں
بچپنا ڈھونڈتی پیری مری دیوانی ہے

کُشتۂ دلِ خویشم کز ستمگراں یکسر
دیدہ دلفریبی ہا گفت مہربانی ہاست

دل کا مارا ہوں میں، بیدادگروں میں یکسر
بے رخی دیکھ کے سمجھوں کرم ارزانی ہے

دایم از سرِ خاکم رخ نہفتہ بگزشتن
ہان وہان خدا دشمن ایں چہ بدگمانی ہاست

دیکھنے آئے مگر مُنہ نہ دکھائے مجھ کو
آشنائی تو ہے، پر کیسی یہ بیگانی ہے

شوخی اش در آئینہ محوِ آں دہن دارد
چشمِ سحر پردازش، بابِ نکتہ دانی ہاست

دیکھیے شوخی سے دہن کو جو ہے آئینے میں
بنتا بے مثل وہ تصویر بہ حیرانی ہے

با عدو عتاب استے و زمنش حجاب استے	غیرت یار سے، غیروں سے شناسائی ہے
وہ چہ دلربائی ہا، ہے چہ جاں ستانی ہاست	تیرا کیسا یہ عجب شیوۂ جانانی ہے
با چنیں تہی دستی بہرِ چہ بود ہستی	تہی دستی میں نہیں فائدہ کچھ جینے کا
کارِ ما ز سرمستی آستیں فشانی ہاست	اس سے کرنی ہمیں اب آستیں افشانی ہے
اے کہ اندریں وادی مژدہ از ہما داری	چاہیے سایہ ہما کا نہیں سر پر کہ مجھے
بر سرم ز آزادی سایہ را گرانی ہاست	نہ طلب مال کی ہے، نہ سرِ سلطانی ہے
ذوقِ فکرِ غالب را بردہ ز انجمن بیروں	ہے ظہوری کی بدولت، ہے یہ صائب کے سبب
با ظہوری و صائب محوِ ہم زبانی ہاست	تجھ میں غالب جو روانی و سخن دانی ہے

جیبِ مرا مدوز کہ پودش نماندہ است
تارش زہم گسستہ و پودش نماندہ است

سی مت یہ جیب' اس کا وجود اب نہیں رہا
ٹوٹا ہوا ہے تار بھی، پود اب نہیں رہا

سرگرمیٔ خیالِ تو از نالہ باز داشت
دل پارہ آتش ایست کہ دُودش نماندہ است

محوِ خیالِ یار ہوں نالہ نہ کر سکوں
سینے کی آگ میں مرے' دُود اب نہیں رہا

داد از تظلّمے کہ بگوشت نمی رسد
آہ از توقعے کہ وجودش نماندہ است

اے وائے داد جس کی رہائی نہ ہو سکی
اے ہائے آس جس کا وجود اب نہیں رہا

چوں نقطہ اخترِ سیہ از سیر باز ماند
گوئی دگر ہبوط و صعودش نماندہ است

ساکت ہوا سیاہ ستارہ نصیب کا
اس کو کوئی ہبوط و صعود اب نہیں رہا

مکتوبِ ما بہ تارِ نگاہِ تو عقدہ ایست
کز ہیچ رُو اُمیدِ کشودش نماندہ است

عقدہ بنا یوں خط ترے تارِ نگاہ کا
کوئی بھی احتمالِ کشود اب نہیں رہا

دل را بہ وعدۂ ستمے می تواں فریفت
نازے کہ بر وفائے تو بودش نماندہ است

بہلاتا دل کو ہے مرے اک وعدۂ ستم
اس کے لئے وفا کو وجود اب نہیں رہا

افتادگی نمازِ دلِ ناتوانِ ماست
دردِ سرِ قیام و قعودش نمانده است

افتادگی نمازِ دل ناتواں ہوئی
دردِ سرِ قیام و قعود اب نہیں رہا

دل جلوہ می دہد ہنرِ خود در انجمن
رحمے مگر بجانِ حسودش نمانده است

دل جذبۂ وفا کو دکھاتا ہے بزم میں
اس کو ذرا بھی خوفِ حسود اب نہیں رہا

دل در غمِ تو مایہ بہ رہزن سپردہ است
کار از زیاں گذشتہ و سودش نمانده است

غم میں لٹائی تیرے جو ساری متاعِ دل
نقصاں کا خوف، مطلبِ سود اب نہیں رہا

غالبؔ زباں بریدہ و آگندہ گوش نیست
اما دماغِ گفت و شنودش نمانده است

غالبؔ زباں کٹی نہ لگی ڈاٹ کان پر
لیکن مذاقِ گفت و شنود اب نہیں رہا

بلبل دلت بہ نالۂ خونیں بہ بند نیست
آسودہ زی کہ یارِ تو مشکل پسند نیست

تجھ کو ملا نہ میرا دلِ دردمند ہے
بلبل نہ تیرا آشنا مشکل پسند ہے

اندازہ گیرِ ذوقِ غمم در مذاقِ من
تلخابِ گریہ را نمکِ زہرخند نیست

لذّت ہے ایسی غم میں ترے یا نہیں مرے
تلخ آنسوؤں میں کچھ نمکِ زہرخند ہے

عہدِ وفا ز سوئے تو نااستوار بود
بشکستی و ترا بہ شکستن گزند نیست

نااستوار ایسا ہے وعدہ کہ تُو اگر
توڑے تو اس میں تجھ کو نہ کوئی گزند ہے

از دوست میلِ قربِ بہ کُشتن غنیمت است
گر تیغ در کماں بہ نشاطِ کمند نیست

خنجر سے مار ڈال کہ قربت ہو وقتِ مرگ
کیوں دُور ہی سے ڈالے تُو جانم کمند ہے

بر یادِ تو کدام پری خواں بخور سوخت
کو شرمسارِ دعوتِ ناسودمند نیست

جلتا ہے مثلِ عود پری خوان خود ہی وہ
کم شرمسارِ دعوتِ ناسودمند ہے

آں لابہ ہائے مہر فزا را محل نہ ماند
برخواں خودؔ "ان یکاد" کہ مارا سپند نیست

لپکا ہے دل خوشی سے محبّت کی آگ پر
کرتا نہ وہ دُعا، نہ جلاتا سپند ہے

بے خود بزیرِ سایۂ طوبیٰ غنودہ ایم
شب گیرِ راہروانِ تمنا بلند نیست

بیٹھا ہوں زیرِ سایۂ طوبیٰ خموش میں
نے آرزو ہے دل میں، نہ شورِ بلند ہے

ہنگامہ دلکش است نو بدم بہ خُلد چیست
اندیشہ بے غش است نیازم بہ پند نیست

ہنگامۂ زمانہ ہے دلکش بہت مجھے
جنت کا شوق ہے، نہ کوئی ذوقِ پند ہے

مے نوش و تکیہ بر کرمِ کردگار کن
خطِ پیالہ را رقمِ چون و چند نیست

مے پی، بھروسہ بر کرمِ کردگار کر
پیمانے پر رقم نہ کوئی چون و چند ہے

غالبؔ من و خدا کہ سرانجام برشگال
غیر از شراب و انبہ و برفاب و قند نیست

غالبؔ خدا گواہ کہ برسات میں طلب
کچھ بھی سوا نہ انبہ و بادہ و قند ہے

منع ما از بادہ عرضِ احتسابے بیش نیست
محتسب افشردۂ انگور آبے بیش نیست

روکنا بادے سے ہے کرنا عتاب اور کچھ نہیں
محتسب، انگور کے اندر ہے آب اور کچھ نہیں

رنج و راحت برطرف، شاہد پرستاریم ما
دوزخ از سرگرمیِ نازش عتابے بیش نیست

روضۂ رضواں، ہے اک طرزِ تبسّم یار کا
آتشِ دوزخ میں ہے اسکا عتاب اور کچھ نہیں

خارج از ہنگامہ سرتاسر بہ بیکاری گزشت
رشتۂ عمرِ خضر مدِّ حسابے بیش نیست

ایک شورش کے سوا بیکار گزری سربسر
ہے خضر کی عمر اک مدِ حساب اور کچھ نہیں

قطرہ و موج و کف و گردابِ جیحون است و بس
این من و مائی کہ می بالد حبابے بیش نیست

قطرہ و موج و کف و گرداب و دریا ایک ہیں
دعویٰ ما و من کا ہے صرف اک حباب اور کچھ نہیں

خویش را صورت پرستاں ہرزہ رسوا کردہ اند
جلوہ می نامند و در معنی نقابے بیش نیست

بے سبب صورت پرستی کو کیا بدنام یوں
جلوہ کہتے ہیں جسے، ہے اک نقاب اور کچھ نہیں

شوخیِ و اندیشۂ خویش است سرتاپائے ما
تار و پودِ ہستیِ ما پیچ و تابے بیش نیست

شوخی و اندیشہ میرا ہے مری ہستی، مگر
تار و پودِ ہستی ہیں سب پیچ و تاب اور کچھ نہیں

باہمہ نزدیکی از وے کام دل نتواں گرفت	قربتِ جاناں میں بھی بیتاب ہوں میں، جس طرح
تشنۂ ما بر کنارِ آبِ جُو پا در گل است	بر کنارِ آبِ جُو اک تشنہ پا در گل ہوا
در نوردِ گفتگو از آگہی وا ماندہ ایم	بحثا بحثی میں حقیقت سے نہ آگاہی ہوئی
پیچ و تابِ رہ نشانِ دُوریِ سر منزل است	پیچِ رہ میرا نشانِ دُوریِ منزل ہوا
عقل در اثباتِ وحدت خیرہ می گردد چرا	معرفت میں عقل کی بیکار ہیں آگاہیاں
ہر چہ جز ہستی است ہیچ و ہر چہ جز حق باطل است	حق سے جو غافل ہوا، بے ہودہ و باطل ہوا
ماہماں عینِ خودیم اما خود از وہمِ دوئی	راہِ وحدت میں اگر غالب ہوا وہمِ دوئی
درمیانِ ما و غالب ما و غالب حائل است	درمیانِ تو و من، میں اور تو حائل ہوا

ہم وعدہ و ہم منع ز بخشش چہ حساب است
جاں نیست مکرر نتواں داد، شراب است

موعود ہے ممنوع بھی ہے اس کا کیا حساب
جاں تو نہیں کہ ہے نہ دوبارہ، یہ ہے شراب

در مژدہ ز جوئے عسل و کاخِ زمرد
چیزے کہ بہ دلبستگی ارزد مئے ناب است

ہے جوئے شہد و کاخِ زمرد کی جو نوید
اس میں مری پسند کی شے ہے شرابِ ناب

لہراسپ کجا رفتی و پرویز کجائی
آتش کدہ ویرانہ و میخانہ خراب است

جمشید کیا ہوا تجھے، خسرو کہاں ہے تو
آتش کدہ اُجاڑ ہے اور میکدہ خراب

از جلوہ ز ہنگامہ شکیبا نتواں شد
لب تشنۂ دیدارِ ترا خُلد سراب است

حورانِ خُلد میں نہ ملی صُورتِ حبیب
دیدارِ تشنہ لب کو تو جنّت بھی ہے سراب

با ایں ہمہ دشوار پسندی چہ کند کس
تا پردہ برانداختہ، دربندِ حجاب است

جلوہ گری یہ کیسی نگارِ ازل کی ہے
پردہ اُٹھا کے رخ سے بڑھاتا ہے وہ حجاب

دوشینہ بہ مستی کہ مکیداست لبش را
کامروز بہ پیمانۂ مے در شکر آب است

کیا چوم لئے یار نے مستی میں اس کے لب
پیمانۂ شراب میں ہے آج شکر آب

آں قلزمِ داغیم کہ بر ماز جہنّم
چنداں کہ فتد صاعقہ باران در آب است

ہم قلزمِ آتشیں ہیں، جہنّم ہمیں ہے یوں
بارش میں جیسے گرتی ہے بجلی میانِ آب

سرگرمیِ ہنگامۂ طامات ندارم
فیضے کہ من از دل طلبم بوئے کباب است

طامات کا نہ جانوں میں ہنگامہ کوئی گرم
دل سے مجھے تو بس ہے طلب اک بوئے کباب

تا غالبِ مسکیں چہ تمتع برد از تو
برداشتۂ آنچہ خود از چہرہ نقاب است

دیدار کیا کرے ترا غالب، کہ گر اٹھے
چہرے سے ایک، دوسری پڑ جائے ہے نقاب

نگہ بہ چشمِ نہان و بہ جبہہ جبیں پیداست
شگرفیِ تو زاندازِ مہر و کیں پیداست

نگاہِ ناز سے تیری جبیں کی چین سے ہے
انوکھپن یہ ترا طورِ مہرِ و کین سے ہے

نظارہ عرضِ جمالت ز نوبہار گرفت
شکوہِ صاحبِ خرمن زخوشہ چیں پیداست

کمال حسن سے تیرے ملا بہاراں کو
شکوہِ صاحبِ خرمن جو خوشہ چین سے ہے

رسید تیغِ توام برسر و ز سینہ گذشت
زہے شگفتگیِ دل کہ از جبیں پیداست

ہوئی ہے تیغِ نگہ پار یوں جگر سے مرے
عیاں شگفتگیِ دل مری جبین سے ہے

بجرمِ دیدہ خوں بار کُشتہ ای ما را
تراز دامن و مارا ز آستیں پیداست

کرے ہے قتل مجھے وہ بجرمِ خوں پوشی
جو پونچھی آنکھ کبھی میں نے آستین سے ہے

زہے لطافتِ پردازِ سعیِ ابرِ بہار
کہ ہر چہ در دلِ باد است از زمیں پیداست

زہے لطافتِ پردازِ ابرِ موسمِ گل
کہ ہے جو دل میں ہوا کے، ملا زمین سے ہے

فتیلۂ رگِ جاں سربسر گداختہ شد
ز پیچ و تابِ نفس ہائے آتشیں پیداست

فتیلۂ رگِ جاں ہے اگر جلا میرا
یہ پیچ و تابِ نفس ہائے آتشین سے ہے

نفس گداختنِ جلوہ در ہوائے قدش
زخوئے فشانیِ آں روئے نازنیں پیداست

گداز ہے نفسِ جلوہ تیری قامت سے
پسینہ گرنے لگا روئے نازنین سے ہے

عیارِ فطرتِ پیشینیاں زما خیزد
صفائے بادہ ازیں دُردِ تہ نشیں پیداست

صفائے بادہَ اسلاف جو ہوا ہے عیاں
وہ بس ہماری ہی اس دُردِ تہ نشین سے ہے

زہے شکوہِ تو کاندر طرازِ صورتِ تو
زخود برآمدنِ صورت آفریں پیداست

شکوہِ حسن جو ظاہر ہے تیری صورت سے
وہ سارا عکس رخِ صورت آفریں سے ہے

نہادِ نرم زشیرینیٔ سخن غالب
بسانِ موم زاجزائے انگبیں پیداست

نشاں نہاد کا غالب تری سخن دیوے
سراغِ موم ملے جیسے انگبین سے ہے

گر بار نیست سایہ خود از بید بودہ است
بارے بگو کہ از توچہ امید بودہ است

پھل کی نہ پھول کی کوئی امید ہے بہت
اے سرو ہم کو ایک تری دید ہے بہت

شادم ز دردِ دل کہ بہ مغزِ شکیب ریخت
نومیدئ کہ راحتِ جاوید بودہ است

خوش باد دل، جو ڈالتا ہے مغزِ صبر میں
بے چارگی کہ راحتِ جاوید ہے بہت

شبہا کند ز روئے تو دریوزۂ ضیا
مہ کاسۂ گدائیِ خورشید بودہ است

شب مانگے ضو کی بھیک ہے رخسار سے ترے
مہ کاسۂ گدائیِ خورشید ہے بہت

تلخ است تلخ رشکِ تمنائے خویشتن
شادم کہ دل ز وصلِ تو نومید بودہ است

خوش ہوں کہ رنجِ رشکِ تمنّا نہیں رہا
اچھا ہے دل جو وصل سے نومید ہے بہت

در ماہِ روزہ طرّہ پریشاں چہ می روی
مے خور کہ در زمانہ شبِ عید بودہ است

افزوں بہت ہوئی رمضاں میں جو تشنگی
مے سے منائی میں نے شبِ عید ہے بہت

از رشکِ خوش نوائیِ سازِ خیالِ من
مضرابِ نے بناخنِ ناہید بودہ است

سن میری خوش نوائیِ سازِ خیال کو
رقصان و نغمہ زن ہوئی ناہید ہے بہت

ہر گونہ حسرتے کہ ز ایام می کشیم
دُردِ تہِ پیالۂ امید بودہ است

حسرت ہے جو بھی شیشۂ دل میں رہی مرے
دُردِ تہِ پیالۂ امید ہے بہت

حق را ز خلق جو کہ نو آموزِ دید را
آئینہ خانہ مکتبِ توحید بودہ است

کرتا تلاش حق ہے تو کر خلق میں کہ یہ
آئینہ خانہ مکتبِ توحید ہے بہت

ناداں حریفِ مستیٔ غالبؔ مشو کہ او
دُردی کشِ پیالۂ جمشید بودہ است

ناداں حریفِ مستیٔ غالبؔ نہ ہو کہ وہ
دُردی کشِ پیالۂ جمشید ہے بہت

اخترے خوش تر از نیم بہ جہاں می بایست
خردِ پیرِ مرا بختِ جواں می بایست

اخترِ خوش ترا گر اس پہ عیاں ہو جائے
خردِ پیر مری پھر سے جواں ہو جائے

بہ زمینے کہ با آہنگِ غزل بنشینم
خاک گل بو و ہوا مشک فشاں می بایست

دشت میں بھی کروں میں جا کے غزل خوانی گر
خاک گل بو و ہوا مشک فشاں ہو جائے

بر نتابم بہ سبو بادہ ز دُور آوردن
خانہء من بسرِ کوئے مغاں می بایست

دُور سے اتنی نہ مے لانی پڑے مجھ کو، اگر
میرا مسکن بسرِ کوئے مغاں ہو جائے

بہ گرائش خوشتم، اما بہ نمائش خوارم
پرسشے چند زیارم بہ زباں می بایست

میں نے مانا کہ خبر اس کو مرے حال کی ہے
پھر بھی اچھا ہے جو پرسش بہ زباں ہو جائے

ہرزہ دل بر در و دیوار نہادن نتواں
سویم از روزنہ چشمے نگراں می بایست

دیکھتا بیٹھ کے دیوار ہوں، ہو خوب اگر
آنکھ بھی اس کی بہ روزن نگراں ہو جائے

سازِ ہستی کنم و دل بہ فسوسم گیرد
ہم در اندیشہ خدنگم بہ نشاں می بایست

نا امیدی ہے مگر زندہ ہوں امید پہ میں
تیر شاید کوئی تیرا بہ نشاں ہو جائے

یا تمنائے من از خلدِ بریں نگزشتے
یا خود امید گہے درخورِ آں می بایست

یا نہ پروازِ نظر ہو مری جنت سے پرے
یا بلند اور بھی کچھ منزلِ جاں ہو جائے

تا تنک مایہ بہ دریوزہ خود آرا نشود
نرخِ پیرایۂ گفتار گراں می بایست

خود نمائیِ تنک مایہ نہ اتنی ہو، اگر
نرخِ آرائشِ گفتار گراں ہو جائے

قدرِ انفاس گرم در نظر استے غالب
در غمِ دیر دریغم بہ فغاں می بایست

قدر غالب تو کر اس کی، نہ غمِ دیر میں یہ
نفسِ گرم کہیں صرفِ فغاں ہو جائے

از فرنگ آمدہ در شہر فراواں شدہ است
جرعہ را دیں عوض آرید، مے ارزاں شدہ است

ہے فرنگی یہ مگریاں پہ فراواں ہے بہت
بیچ کے دین کو مے لی ہے، یہ ارزاں ہے بہت

چشمِ بد دُور چہ خوش می تپم امشب کہ بروز
نفسِ سوختہ در سینہ پریشاں شدہ است

کیا ہوئی لذّتِ سوزش مری پہلی سی، جواب
نفسِ سوختہ سینے میں پریشاں ہے بہت

در دلش جوئی و در دیر و حرم نشناسی
تا چہ رُو داد کہ در زاویہ پنہاں شدہ است

دل کے گوشے میں خدا، دیر و حرم میں بھی خدا
جلوہ گر ہے وہ کہیں اور کہیں پنہاں ہے بہت

لب گزد بیخود و باخود شکر آبلے دارد
تا چہ گفت است کہ از گفتہ پشیماں شدہ است

بیخودی میں ہے وہ کیوں کاٹے لبوں کو اپنے
کہہ دیا کیا ہے، جو کہہ کے وہ پشیماں ہے بہت

داغم از مور و نظر بازی شوقش بہ شکر
کش بود بوبہ بداں پایئے کہ مژگاں شدہ است

دتیا اس مور کا ہے عشقِ شکر رشک مجھے
ساق جو اس کی بنی شوق میں مژگاں ہے بہت

گفتم البتہ زمن شاد بمُردن گردی
گفت دشوار کہ مُردن بہ تو آساں شدہ است

پوچھا مرنے کی خبر سے مری ہے شاد نہ کیوں
بولا غم ہے، تجھے مرنا ہوا آساں ہے بہت

دُردِ روغن بہ چراغ و کدرِ مے بہ ایاغ
تا خود از شب چہ بجا ماند کہ مہماں شدہ است

دُردِ روغن بہ چراغ و کدرِ مے بہ ایاغ
محفلِ شب میں رہا کوئی نہ ساماں ہے بہت

شاہد و مے زمیاں رفتہ و شادم بہ سخن
کشتہ ام بید دریں باغ کہ ویراں شدہ است

شاہد و مے نہ رہے، شعر و سخن سے پھر بھی
کرتا آراستہ محفل ہوں کہ ویراں ہے بہت

شہرتم گر بہ مثل مائدہ گردد، بینی
کہ برآں مائدہ خورشید نمکداں شدہ است

ایسی شہرت ہے کہ خورشید و مہ و انجم سے
حق تعالیٰ نے مرا بھر دیا داماں ہے بہت

غالبؔ آزردہ سروشے است کہ از مستیِ قرب
ہم بداں وحی کہ آوردہ غزل خواں شدہ است

قربِ غالبؔ سے ہے بدمستیِ ہاتف ایسی
لاتا الہام ہے جو، ہوتا غزل خواں ہے بہت

فغاں کہ برقِ عتابِ تو آنچنانم سوخت
کہ راز در دل و مغز اندر استخوانم سوخت

یوں برقِ قہر سے میرا متاعِ جان جلا
کہ راز در دل و مغز اندر استخوان جلا

شنیدۂ کہ بہ آتش نہ سوخت ابراہیم
بہ بیں کہ بے شرر و شعلہ می توانم سوخت

جلا سکا نہ براہیم آگ سے نمرود
ہے تو کہ دیوے ہے بن شعلہ میری جان جلا

شرارِ آتشِ زردشت در نہادم بود
کہ ہم بداغِ مغاں شیوہ دلبرانم سوخت

شرارِ آتشِ زردشت میرے دل میں ہے
کہ ہوں بداغِ مغاں شیوہ دلبران جلا

عیارِ جلوۂ نازش گرفتن ارزانی
ہزار بار بہ تقریبِ امتحانم سوخت

نہ جب تھی تابِ رخِ یار کی سمجھ مجھ کو
ہزار بار بہ تقریبِ امتحان جلا

مرا دمیدنِ گل در گماں فگند امروز
کہ باز بر سرِ شاخِ گل آشیانم سوخت

لگے ہے دیکھ کے آتش بہار کی مجھ کو
کہ میرا برسرِ شاخِ گل آشیان جلا

زگل فروش نہ نالم کز اہلِ بازار است
تپاکِ گرمیِ رفتارِ باغبانم سوخت

ہو گل فروش سے کیوں شکوہ، وہ ہے بازاری
ہوں میں بہ گرمیِ رفتارِ باغبان جلا

چہ مایہ گرم بروں آمدی ز خلوتِ غیر
کہ شکوہ در دل و پیغارہ بر زبانم سوخت

تھا اتنا وہ خوش و خرم کنارِ دشمن میں
کہ شکوہ دل میں مرے، طعنہ بر زبان جلا

چو وارسید فلک کآب در متاعم نیست
زجوشِ گرمیِ بازارِ من دکانم سوخت

نہ آب چرخ نے دیکھا مری متاع میں جب
دی میری گرمیِ بازار سے دکان جلا

نفس گداختگی ہائے شوق را نازم
چہ شمع ہا بہ سراپردۂ بیانم سوخت

نفس، گداز ہوا یوں ہے شوق میں، اس نے
دیا چراغ دردل پردۂ بیان جلا

نویدِ آمدنت رشک از قفا دارد
شگفتہ روئ گل ہائے بوستانم سوخت

سُنا جو باغ میں تُو ہے، تو رشک میں میرا
شگفتہ روئِ نسرین سے بوستان جلا

کسے دریں کفِ خاکسترم مباد انباز
چہ شد گر آتشِ ہمسایہ خانمانم سوخت

خدایا کوئی نہ اب کر شریکِ خاکستر
کہ میرا آتشِ ہمسایہ سے مکان جلا

مگر پیامِ عتابے رسیدہ است بہ من
شکستہ رنگیِ یارانِ رازدانم سوخت

پیامِ قہر ترا آیا جب تو دیکھ کے میں
شکستہ رنگیِ یارانِ راز دان جلا

خبر دہید بہ قاتل کہ ہجر می کشدم
زماہتاب چہ منت برم کتانم سوخت

کیا ہے قتل مجھے رنجِ ہجرِ قاتل نے
بغیر منتِ مہ یوں مرا کتان جلا

سخن چہ عطرِ شرر بر دماغ زد غالب
کہ تابِ عطسۂ اندیشہ مغزِ جانم سوخت

ہے ایسا عطرِ شرر بار شعر میں تیرے
کہ دیوے یہ مرا غالب ہے مغزِ جان جلا

گفتم بروزگار سخنور چو من بسے است
گفتند اندریں کہ تو گفتی سخن بسے است

میں نے کہا کہ مجھ سے ہیں اہل سخن بہت
بولے کہ تیری بات میں ہے حسنِ ظن بہت

معنی ، غریبِ مدعی و خانہ زادِ ماست
ہر جا عقیق نادر و اندر یمن بسے است

معنی ، غریبِ مدعی و خانہ زادِ من
ہر جا عقیق نادر و اندر یمن بہت

مشکیں غزالہ ہا کہ نہ بینی بہ ہیچ دشت
در مرغزار ہائے ختا و ختن بسے است

مشکیں غزال یوں تو ہیں کمیاب ہر جگہ
معمور ان سے پر ہیں ختا و ختن بہت

در صفحہ نبودم ہمہ آنچہ در دل است
در بزم کمتر است گل و در چمن بسے است

اوراق میں سما نہیں سکتا جو دل میں ہے
گل کم ہیں بزم میں مگر اندر چمن بہت

لیلیٰ بدشتِ قیس رسید است ناگہاں
در کارواں جمازۂ محمل فگن بسے است

خود لیلیٰ آ کے دشت میں ہوتی ہے جلوہ گر
ہے جذب دل کا قیس کے محمل فگن بہت

باید بہ غم نخوردنِ عاشق معاف داشت
آں را کہ دل ربودن و نشناختن بسے است

ان سے ہو غمگساری کی امید کس طرح
دل لے کے بھول جاتے ہیں جو دل شکن بہت

زورِ شرابِ جلوۂ بت کم شمردہ ایم
اما نظر بہ حوصلۂ برہمن بس است

زورِ شرابِ جلوۂ بت کم نہیں ولے
حیراں ہوں دیکھ حوصلۂ برہمن بہت

گر در ہوائے قربِ تو بستیم دل، مرنج
خود ناکشودہ جائے دراں انجمن بس است

جو یائے قرب میں ہی نہیں، ہے بھری ہوئی
مجھ جیسے طالبوں سے تری انجمن بہت

تاثیرِ آہ و نالہ مسلّم، ولے مترس
مارا ہنوز عربدہ با خویشتن بس است

تاثیرِ آہ و نالہ مسلّم، مگر نہ ڈر
الجھے ہوئے ہیں خود سے مرے جان و تن بہت

غالبؔ نخوردہ چرخ فریب ار ہزار بار
گفتم بہ روزگار سخن ور چو من بس است

غالبؔ فریب چرخ نے کھایا نہ، جب کہا
دنیا میں مجھ سے اور ہیں اہلِ سخن بہت

ساخت زراستی بہ غیر، ترکِ فسوں گری گرفت
زُہرہ بطالعِ عدو شیوۂ مشتری گرفت

کر کے وہ عشق غیر سے ترکِ فسوں گری کرے
زُہرہ بطالعِ عدو شیوۂ مشتری کرے

شہ بہ گدا کجا رسد، زانکہ چو فتنہ روئے داد
خاتمِ دست دیو بر د کشورِ دل پری گرفت

ملکِ سبا سے آئے جب آمدِ یار کی خبر
خاتمِ دست دیو لے، قبضے میں دل پری کرے

تُرکِ مرا ز گیر و دار شغلِ غرض، بود نہ سود
فربہ اگر نیافت صید، خردہ بالاغری گرفت

کرنا شکارِ عاشقاں شغل ہے ایک یار کا
فربہ ملے نہ صید جب، شکوۂ لاغری کرے

آمد و از رہِ غرور بوسہ بہ خلوتم نداد
رفت و در انجمن زغیر مزدِ نواگری گرفت

داوری قلب کی مرے اس کے لئے حقیر ہے
جا کے خوشی سے وہ مگر غیر کی نوکری کرے

اے کہ دلت زغصہ سوخت، شکوہ نہ درخورِ وفا است
ور سزد آنکہ سر کنی، گیر کہ سرسری گرفت

غم سے جلا ہے دل ترا، شکوہ نہ کر مگر ذرا
کتنی بھی جا ہے تجھ پہ وہ نگۂ سرسری کرے

جادہ شناسِ کوئے خصم بودم و دوست راہ جوے
منکرِ ذوقِ ہمرہی خردہ بہ رہبری گرفت

کوئے عدو سے آشنا میں، مرا یار راہ جو
منکرِ ذوقِ ہمرہی شکوۂ رہبری کرے

مستیِ مرغِ صبح دم بر رخِ گل ببوئے تست
ہرزہ زشرمِ باغباں، جبہۂ گل تری گرفت

مستیٔ مرغِ صبح دم ہے تری چشمِ ناز سے
نرگسِ بے بصر مگر دعوئِ دلبری کرے

رائے زدم کہ بارِ غم، ہم کہ رقم ز دل رود
نامہ چوں لبستمش بہ بال، مرغ سبک سری گرفت

جائے جو لے کے بارِ غم، خط میں مرے ہے جو رقم
دیکھو یہ مرغِ نامہ بر، کیسی سبک سری کرے

غالبؔ اگر بہ بزمِ شعر دیر رسید دُور نیست
کش بفراقِ حسرتی دل ز سخنوری گرفت

دیر سے پہنچا بزم میں غالبؔ اگر، عجب نہیں
اب بہ فراقِ حسرتی وہ نہ سخن وری کرے

*

دل بردن ازیں شیوہ عیان است و عیاں نیست
دانی کہ مرا بر تو گمان است و گماں نیست

دل لینا بصد ناز عیاں ہے بھی، نہیں بھی
ہوتا مجھے تجھ پہ یہ گماں ہے بھی، نہیں بھی

در عرضِ غمت پیکرِ اندیشۂ لالم
پا تا سرم اندازِ بیان است و بیاں نیست

ہوں عرضِ غمِ عشق میں اک پیکرِ خامش
تاثیر سے پُر طرزِ بیاں ہے بھی، نہیں بھی

فرمانِ تو بر جانِ من و کارِ من از تو
بے پردہ بہ ہر پردہ روان است و رواں نیست

فرمانِ تو بر جانِ من و کارِ من از تو
بے پردہ و در پردہ رواں ہے بھی، نہیں بھی

نازم بہ فریبے کہ دہی اہلِ نظر را
کز بوسہ پیامے بہ دہان است و دہاں نیست

نیرنگ میں رکھتا ہے ہر اک اہلِ ہوس کو
بوسہ بہ دہاں جبکہ دہاں ہے بھی، نہیں بھی

داغیم ز گلشن کہ بہار است و بقا، ہیچ
شادیم بہ گلخن کہ خزان است و خزاں نیست

گلشن ہے یہ کیا، زود گزر جس میں بہاراں
گلخن دو ہمیں، جس میں خزاں ہے بھی، نہیں بھی

سرمایۂ ہر قطرہ کہ گم گشت بہ دریا
سودے است کہ مانا بہ زیان است و زیاں نیست

سرمایۂ ہر قطرہ، جو دریا میں ہوا گم
ہے سود، جو مانندِ زیاں ہے بھی، نہیں بھی

در ہر مژہ برہم زدن ایں خلق جدید است
نظارہ سگالد کہ ہمان است و ہماں نیست

اک آنکھ جھپکنے میں جو ہو جاتا نیا ہے
ہے یہ وہ جہاں جو کہ جہاں ہے بھی، نہیں بھی

در شاخ بود موجِ گل از جوشِ بہاراں
چوں بادہ بہ مینا کہ نہان است و نہاں نیست

ہے شاخ میں یک موجِ گل از جوشِ بہاراں
مے جیسے کہ مینا میں نہاں ہے بھی، نہیں بھی

ناکس زتنومندیٔ ظاہر نشود کس
چوں سنگِ سرِ رہ کہ گران است و گراں نیست

چاہے ہے جو ناکس، ہو زر و زور سے اک کس
چوں سنگِ سرِ رہ وہ گراں ہے بھی، نہیں بھی

غالبؔ ہلہ نظارگیِ خویش تواں بود
زیں پردہ بروں آ کہ چنان است و چناں نیست

اپنے کو ہے گر دیکھنا غالبؔ، تو نکل آ
پردے سے کہ جس میں تو نہاں ہے بھی، نہیں بھی

دل برد و حق آن است کہ دلبر نتواں گفت
بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت

لے جائے جو دل ہم اسے دلبر کہیں کیسے
جو ظلم کرے، اس کو ستمگر کہیں کیسے

در رزم گہ اش ناچخ و خنجر نتواں برد
در بزم گہ اش بادہ و ساغر نتواں گفت

جو مژہ کرے خون، وہ دشنہ تو نہیں ہے
جو آنکھ دے مستی، اسے ساغر کہیں کیسے

رخشندگیِ ساعد و گردن نتواں جست
زیبندگیِ یارہ و پرگر نتواں گفت

رخشندگیِ ساعد و گردن ہے جو، اس کو
زیبندگیِ گوہر و زیور کہیں کیسے

پیوستہ دہد بادہ و ساقی نتواں خواند
ہموارہ ترا شد بت و آذر نتواں گفت

جو آنکھ پلائے، اسے بادہ نہیں کہتے
جو خود ہی بنے بت، اسے آذر کہیں کیسے

از حوصلہ یاری مطلب صاعقہ تیز است
پروانہ شو ایں جا ز سمندر نتواں گفت

اس آتشِ اُلفت نے بنایا تجھے ایندھن
پروانہ ہے تُو، تجھ کو سمندر کہیں کیسے

ہنگامہ سر آور، چہ زنی دم ز تظلّم
گر خود ستمے رفت بہ محشر نتواں گفت

ہنگامۂ الفت میں بڑے ظلم و ستم ہیں
اک حشر ہے لیکن اسے محشر کہیں کیسے

در گرم رَوی سایہ و سرچشمہ نہ جوئیم
با ما سخن از طوبیٰ و کوثر نتواں گفت

ہیں گرم رَووں کو نہیں کچھ سایہ و چشمہ
ان سے سخنِ طوبیٰ و کوثر کہیں کیسے

آں راز کہ در سینہ نہاں است نہ وعظ است
بر دار تواں گفت بہ منبر نتواں گفت

جو راز ہے سینے میں نہاں، وعظ نہیں ہے
ہے دار پہ کہنا، سرِ منبر کہیں کیسے

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ مارا
مومن نبود غالب و کافر نتواں گفت

غالب نہیں مومن، ہمیں معلوم ہے لیکن
پڑھتا ہے جو کلمہ اسے کافر کہیں کیسے

بہ بیں کہ در گل و مُل جلوہ گر برائے تو کیست
مپوش چشم ز حق، طالبِ رضائے تو کیست

تو دیکھ در گل و مُل جلوہ گر ہوا ہے کون
بہ عرش و فرش ترا طالبِ رضا ہے کون

چہ ناکسی کہ ز دردِ فراق می نالی
نمی رسی کہ دریں پردہ ہمنوائے تو کیست

تو نابلد ہے کہ روتا ہے دردِ فرقت میں
یہ دیکھ تیرا پسِ پردہ ہمنوا ہے کون

کلیدِ بستگیِ تست غم، بجوش اے دل
تو گر چنیں نگدازی گرہ کشائے تو کیست

کلیدِ بستگی تیری ہے غم، بجوش اے دل
کہ عاشقی میں بجز غم، گرہ کشا ہے کون

شکایتے نہ فروشی و عشوہٴ نہ خری
تو آشنائے کہ خواجہ و آشنائے تو کیست

خریدتا ہے تُو عشوہ نہ تُو گلہ بیچے
تُو کس کا آشنا اور تیرا آشنا ہے کون

ترا کہ موجہٴ گل تا کمر بود، دریاب
کہ غرقِ خوں بہ درِ بوستاں سرائے تو کیست

گھرا ہوا ہے تُو پھولوں سے، کیا خبر تجھ کو
کہ غرقِ خوں بہ درِ بوستاں سرا ہے کون

بلا بہ صورتِ زلفِ تو رُو بہا آورد
بہ بندِ خصمیِ دہر یم، مبتلائے تو کیست

بلا سہی تیرا اک رُو بہا، ولے یاں پر
غمِ جہاں سے بچا تیرا مبتلا ہے کون

تراست جلوہ فراواں دریں بساط، ولے
حریفِ بادہٴ میخوارہ آزمائے تو کیست

شرابِ جلوہ فراواں ہے تیری بزم میں، پر
حریفِ بادہٴ میخوارہ آزما ہے کون

ز وارثانِ شہیداں ہراس، یعنی چہ
قوی است دستِ قضا، کشتۂ ادائے تو کیست

تو وارثانِ شہیدانِ عاشقی سے نہ ڈر
قوی ہے دستِ قضا، کشتۂ ادا ہے کون

بہ انتظارِ تو در پاسِ وقتِ خویشتنیم
فریب خوردۂ نیرنگِ وعدہ ہائے تو کیست

ہے انتظار میں تیرے عجیب لطف، ہمیں
فریب خوردۂ نیرنگِ وعدہ ہا ہے کون

زلالِ لطفِ تو سیرابیِ ہوسناکاں
یکے بہ بیں کہ جگر تشنۂ جفائے تو کیست

ہیں شاد اہلِ ہوس لطف سے ترے لیکن
یہ دیکھ تیرا جگر تشنۂ جفا ہے کون

ترا ز اہلِ ہوس ہر یکے بجائے من است
تو و خدائے تو شاہم مرا بجائے تو کیست

ہیں تیرے چاہنے والے ہزار میری طرح
سوائے تیرے، خدارا بتا، مرا ہے کون

فرشتہ! معنیِ "من ربک" نمی فہمم
بمن بگوی کہ غالب بگو خدائے تو کیست

فرشتے! معنیِ "من ربک" نہ میں سمجھوں
تو پوچھ مجھ سے کہ غالب ترا خدا ہے کون

بہ وادیٔ کہ در آں خضر را عصا خفتست
بہ سینہ می سپرم رہ اگرچہ پا خفتست

وہ راہِ عشق، جہاں خضر کا عصا سویا
میں سر سے کرتا ہوں طے گرچہ پا مرا سویا

بدیں نیاز کہ باتست، ناز می رسدم
گدا بہ سایۂ دیوارِ پادشا خفتست

نیاز پر میں کروں ناز، اس طرح جیسے
گدا بہ سایۂ دیوارِ پادشا سویا

بہ صبحِ حشر چنیں خستہ رُو سیہ خیزد
کہ در شکایتِ درد و غمِ دوا خفتست

سحر میں حشر کی وہ خستہ رُو سیہ اٹھا
جو در شکایتِ درد و غمِ دوا سویا

خروشِ حلقۂ رنداں ز نازنیں پسرے است
کہ سر بہ زانوئے زاہد بہ بوریا خفتست

خروشِ حلقۂ رنداں ہے نازنیں سے اک
جو رکھ کے زانو پہ سر تیرے زاہدا سویا

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
گسستہ لنگرِ کشتی و ناخدا خفتست

ہوا مخالف و شب تار، بحر طوفانی
کٹا ہے لنگرِ کشتی، ہے ناخدا سویا

غمت بہ شہرِ شبے خوں زناں بہ بنگہِ خلق
عسس بخانہ و شہ در حرم سرا خفتست

بہ شہر مار تا شب خوں ہے غم ترا، اور ہے
عسس بہ خانہ و شہ در حرم سرا سویا

دلم بہ سبحہ و سجادہ و ردا لرزد
کہ دُزدِ مرحلہ بیدار و پارسا خفتست

لرز تا سبحہ و سجادہ دیکھ کر دل ہے
کہ دُزدِ مرحلہ جاگا ہے، پارسا سویا

درازیِ شب و بیداریِ من ایں ہمہ نیست	درازیِ شبِ ہجراں کا حال مت پوچھو
زبختِ من خبر آرید تا کجا خفتست	بتاؤ بخت مرا ہے کہاں پڑا سویا
بہ بیں ز دُور و مجو قربِ شہ کہ منظر را	نہ مانگ قربتِ شہ، دُور رہ کہ منظر کا
دریچہ باز و بہ دروازہ اژدہا خفتست	دریچہ باز ہے، در پر ہے اژدہا سویا
براہ خفتنِ من ہر کہ بنگرد داند	اگر ہیں سوتے مسافر تو جان لے، ان کا
کہ میرِ قافلہ در کارواں سرا خفتست	ہے میرِ قافلہ در کارواں سرا سویا
دگر ز ایمنیِ راہ و قربِ کعبہ چہ حظ	ہوں قربِ کعبہ و پُرامن رہ سے خوش کیسے
مرا کہ ناقہ ز رفتار ماند و پا خفتست	جو تھک کے چُور ہوا ناقہ، پا مرا سویا
بخواب چوں خودم آسودہ دل مداں غالب	مجھے نہ اپنے سا آسودہ دل سمجھ غالب
کہ خستہ غرقہ بخوں خفتہ است تا خفتست	کہ خستہ غرقہ خوں سویا بھی، تو کیا سویا

کُشتہ را رشکِ کُشتہء دگر است
من و زخمے کہ بر دل از جگر است

کُشتہ در رشکِ کُشتہء دیگر
زخم پہ زخم کھائیں قلب و جگر

زند اجزائے روزگار ز ہم
روز و شب در قفائے یک دگر است

کریں اجزائے روزگار خراب
روز و شب، درپئے یک و دیگر

نالہ را مالدار کرد اثر
دلِ سختش دکانِ شیشہ گر است

اثرِ نالہ سے ہوا اس کا
دلِ سنگیں دکانِ شیشہ گر

دوستاں دشمن اند ورنہ مدام
تیغِ او تیز و خونِ ما ہدر است

دوست دشمن ہیں، روکتے ہیں جو
یار کو کاٹنے سے میرا سر

پردۂ عیب جو دریدۂ او
نوکِ کلکم ز دشنہ تیز تر است

نوکِ خامہ ہے تیز، خنجر سے
پردۂ عیب بیں ہوا ہے در

عقل و دیں بردۂ دل و جاں نیز
آنچہ از ما نہ بردۂ خبر است

عقل و دیں لے گیا، دل و جاں بھی
ہیں نے لیکن نہ کی کسی کو خبر

شہ حریر و گدا پلاس برید
آنچہ من قطع کردہ ام، نظر است

شہ کو ریشم، فقیر کو کھدّر
پاس میرے ہے صرف تارِ نظر

منت از دل نمی تواں برداشت
شکرِ ایزد کہ نالہ بے اثر است

کم کیے آہ نے نہ ظلم و ستم
شکرِ ایزد نہیں ہے اس میں اثر

قفس و دام را گناہے نیست
ریختن در نہادِ بال و پر است

قفس و دام کا قصور نہیں
کشمکش سے گرے ہیں بال و پر

ریزد آں برگ وایں گل افشاند
ہم خزاں، ہم بہار در گذر است

گرنا پتوں کا، کِھلنا پھولوں کا
ہے خزان و بہار کا منظر

کمِ خود گیر، بیش شو غالب
قطرہ از ترکِ خویشتن گہر است

عزت اس عاجزی میں ہے غالب
قطرہ ترکِ خودی سے ہے گوہر

ہند را رندِ سخن پیشۂ گمنامے ہست
اندریں دیرِ کہن میکدہ آشامے ہست

ہند میں رندِ سخن پیشہ جو گمنام ہے اک
تشنہ در دیرِ کہن میکدہ آشام ہے اک

خسروی بادہ دریں دور اگر می خواہی
پیشِ ما آے کہ تہِ جرعۂ از جامے ہست

بادۂ خسروی گر چاہتا اس دور میں ہے
آ کہ کچھ قطرے ابھی رکھتا مرا جام ہے اک

نامہ از سوزِ درونم بہ رقم سوختہ شد
قاصد ار دم زند از حوصلہ، پیغامے ہست

جل گیا خط رقمِ سوزِ دروں سے قاصد
حوصلہ ہو تو زبانی مرا پیغام ہے اک

چغد و آزادیٔ جاوید، ہما را نازم
کش بہر سو کششے از شکنِ دامے ہست

بسکہ چغدوں کو ہے آزادیٔ جاوید یہاں
اور ہما کے لیے ہر سو شکنِ دام ہے اک

گفتہ اند از تو کہ بر سادہ دلاں بخشائی
پختہ کاری است کہ مارا طمعِ خامے ہست

بخش دیتا ہے جو تُو سادہ دلوں کو اپنے
پختہ کاری ہے کہ مجھ کو طمعِ خام ہے اک

گہ رخ آرائی و گہ زلفِ سیہ تاب دہی
یاد ناری کہ مرا تیرہ سرانجامے ہست

خالِ مشکیں ہو کہ ہو پیچ و خمِ زلفِ سیہ
ان میں پوشیدہ مرا تیرہ سرانجام ہے اک

بے تو گر زیستہ ام سختیِ ایں درد بہ سنج
بگذر از مرگ کہ وابستہ ہنگامے ہست

دیکھ میں کس طرح زندہ ہوں غمِ فرقت میں
موت کو چھوڑ، وہ وابستۂ ہنگام ہے اک

کیست در کعبہ کہ رطلے ز نبیذم بخشد
ور گروگاں طلبد جامۂ احرامے ہست

کوئی بھی جو کہ پلائے مجھے کعبہ میں نبیذ
رہن گر چاہے تو حاضر مرا احرام ہے اک

مئے صافی ز فرنگ آید و شاہد ز تتار
ماندانیم کہ بغدادے و بسطامے ہست

مے فرنگی ہو جہاں، شاہدِ تاتاری ہو
شہر ایسا نہ کوئی یزد، نہ بسطام ہے اک

بر دلِ نازکِ دلدار گرانی مکناد
خواہشِ ما کہ جگر گوشۂ ابرامے ہست

نہ دلِ نازکِ دلدار پہ گزرے یہ گراں
خواہش اپنی جو جگر پارۂ ابرام ہے اک

شعرِ غالبؔ نبود وحی و نگوئیم ولے
تو و یزداں، نتواں گفت کہ الہامے ہست

شعر آتے ہیں خیالوں میں جو تیرے غالبؔ
پردۂ غیب سے ہوتا تجھے الہام ہے اک

لعلِ تو خستۂ اثرِ التماسِ کیست
بختِ من از تو شکوہ گزارِ سپاسِ کیست

کیا یہ رقیب کا اثرِ التماس ہے
خستہ ہے لعلِ لب ترا، مجھ کو ہراس ہے

گیرم ز داغِ عشقِ تو طرفے نہ بست دل
انیم نہ بس بود کہ جگر رُوشناسِ کیست

مانا وفا سے اس کو ہوا فائدہ نہ کچھ
کیا کم ہے داغِ عشق سے دل رُوشناس ہے

لرزم بکوئے غیر ز بے تابیٔ نسیم
کاندر امیدواریِ بوئے لباسِ کیست

بے تاب کوئے غیر میں کیوں ہے صبا، اسے
کس کی امیدواریِ بوئے لباس ہے

از بے کسانِ شہرم و از ناکسانِ دہر
گر کشتۂ، سرِ تو سلامت، ہراسِ کیست

دنیا میں مجھ سا بے کس و ناکس نہیں کوئی
کرنے میں قتل مجھ کو، تجھے کیوں ہراس ہے

لطفت بہ شکوہ از ہوسِ بے شمارِ من
شوقم بہ نالہ از ستمِ بے قیاسِ کیست

شکوہ تجھے ہے اک ہوسِ بے شمار کا
مجھ کو ستا رہا ستمِ بے قیاس ہے

از پرنیاں بہ عربدہ راضی نمی شود
خارِ رہِ تو چشم براہِ پلاسِ کیست

کرتا نہیں ہے ریشم و اطلس سے عربدہ
خارِ رہِ تو چشم براہِ پلاس ہے

گیرم کہ رسمِ عشقِ من آوردہ ام بہ دہر
ظلم آفریدۂ دلِ حق ناشناسِ کیست

بنیادِ عشق ڈالی دلِ نامراد نے
ظلم آفریدۂ دل حق ناشناس ہے

صحنِ چمن نمونۂ بزمِ فراغِ تو
بادِ سحر علاقۂ ربطِ حواسِ کیست

صحنِ چمن نمونۂ بزمِ طرب تری
کس کی صبا علاقۂ ربطِ حواس ہے

غالب بتِ مرا نگہِ ناز قحط نیست
تا با منش مضائقہ چندیں بپاسِ کیست

غالب نگاہِ ناز کی بت میں کمی نہیں
کرتا ہے بے رخی تو اسے کس کا پاس ہے

آنکہ بے پردہ بہ صد داغِ نمایانم سوخت
دیدہ پوشید و گماں کرد کہ پنہانم سوخت

اس نے مجھ کو دیا صد داغِ نمایاں سے جلا
ہے گماں اس کو مگر، میں غمِ پنہاں سے جلا

نہ بدر جستہ شرار و نہ بجا ماندہ رماد
سوختم لیک نہ دانم بچہ عنوانم سوخت

نے شرر آیا نظر، باقی نہ کچھ راکھ رہی
میں جلا، پر کیوں جلا، کون سے عنواں سے جلا

سینہ از اشک جدا، دیدہ جدا می سوزد
ایں رگِ ابرِ شرر بارِ پریشانم سوخت

سینہ جلتا ہے جدا، آنکھ جدا جلتی ہے
ہوں میں یوں ابرِ شرر بارِ غمِ جاں سے جلا

حاجت افتادہ بروزم ز سیاہی بہ چراغ
دل بہ بے رونقیِ مہرِ درخشانم سوخت

شب کی ظلمت ہی نہیں، دیکھ سیاہی دن کی
دل ہے بے رونقیِ مہرِ درخشاں سے جلا

کافرِ عشقم و دوزخ نہ بود درخورِ من
غیرتِ گرمیِ ہنگامۂ صنعانم سوخت

کافرِ عشق ہوں، کیا کم ہے یہ دوزخ سے کہ میں
غیرتِ گرمیِ ہنگامۂ صنعاں سے جلا

پایم از گرمیِ رفتار نمی سوخت براہ
در قدم سوختنِ خارِ بیابانم سوخت

گرم رفتار نے میری نہ جلایا اس کو
پاؤں تو سوختیِ خارِ بیاباں سے جلا

در بذلِ لآلی و رقم دستِ کریم است
نے نے، نئے کلکم رگِ مژگانِ یتیم است

دربخششِ دُر میرا ورق دستِ کریم اک
نے کلک کی میری رگِ مژگانِ یتیم اک

رشحِ کفِ جم می چکد از مغزِ سفالم
سیرابیٔ نطقم اثرِ فیضِ حکیم است

رشحِ کفِ جمشید مرے مغز سے ٹپکے
سیرابی میرے نطق کی اکرامِ حکیم اک

از آتشِ لہراسپ نشاں می دہد امروز
سوزے کہ بہ خاکم ز تو در عظمِ رمیم است

آتش کدہ زردشت کا سینے کو بنایا
سوزش نے، جو رہتی ہے میری جاں میں مقیم اک

از حرفِ من اندیشہ گلستانِ خلیل است
از روئے تو آئینہ کفِ دستِ کلیم است

اندیشہ مرے حرف سے ہے باغِ براہیم
رخ سے ترے آئینہ کفِ دستِ کلیم اک

چشم و نگہت گردشِ جامے ز نبیذ است
کلک و ورقم تابِ سہیلے بر ادیم است

ہے دورِ سبو نگہ، نبیذ آنکھ میں تیری
خامہ ہے سہیل اور ورق میرا ادیم اک

در جُستنِ مانندِ تو نظارہ زبوں است
در زادنِ ہمتائے من اندیشہ عقیم است

تجھ جیسے کی جویائی میں نظارہ زبوں ہے
مجھ جیسے کی تخلیق میں اندیشہ عقیم اک

ذوقِ طلبت جنبشِ اجزائے بہار است
شورِ نفسم رعشۂ اعضائے نسیم است

اک ذوقِ طلب جنبشِ اجزائے بہاراں
غوغائے نفس رعشۂ اعضائے نسیم اک

بخشم ندہد کامِ دلِ غمزدہ غالبؔ
گوئی لبِ یار است کہ در بوسہ لئیم است

دیتا نہیں غالبؔ تجھے کچھ بخت کہ ہے یہ
مانندِ لبِ نازنیں بوسے میں، لئیم اک

با من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست
در امرِ خاص حجتِ دستورِ عام چیست

عاشق ہوں مجھ کو واسطۂ ننگ و نام کیا
در امرِ خاص حجتِ دستورِ عام کیا

بادوست ہر کہ بادہ بہ خلوت خورد مدام
داند کہ حور و کوثر و دارالسلام چیست

پیتا ہے ساتھ یار کے خلوت میں جو کوئی
اس کو ہیں حُور و کوثر و دارالسلام کیا

دل خستۂ غمیم و بود مے دوائے ما
با خستگاں حدیثِ حلال و حرام چیست

مے پی کے شیخ، غم کی دوا کر رہا ہوں میں
بیمارِ دل ہوں مجھ کو حلال و حرام کیا

در روزِ تیرہ از شبِ تارم نہ ماند بیم
چوں صبح نیست خود چہ شناسم کہ شام چیست

تاریک دن ہے میرا، مجھے خوفِ شب ہو کیوں
جو جانتا سحر نہ ہو، اس کی ہے شام کیا

با خیلِ مور می رسی از رہ خوش است فال
قاصد بگو کزاں لبِ شیریں پیام چیست

آتا ہے خیلِ مور کیوں قاصد کے ساتھ اک
شیریں لبوں نے اس کو دیا ہے پیام کیا

گفتی قفس خوش است، تواں بال و پر کشود
بارے علاجِ خستگیِ بندِ دام چیست

کھولوں تو بال و پر میں قفس میں، مگر بتا
کچھ ہے علاجِ خستگیِ بندِ دام کیا

نیکی ز تست از تو نخواہیم مزدِ کار
در خود بدیم، کارِ تو ایم، انتقام چیست

ہم مانگتے بھلائی کا کوئی صلہ نہیں
لینا یہ پھر قصور کا ہے انتقام کیا

غالب اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت
پرسد چرا کہ نرخِ مئے لعل فام چیست

راضی نہ بیچنے پہ تُو غالب ہے دلق گر
مت پوچھ کہ ہے نرخِ مئے لعل فام کیا

گل را بہ جرمِ عربدۂ رنگ و بو گرفت
راہِ سخن بہ عاشقِ آزرم جو گرفت

گل مجرمِ فسوں گریِ رنگ و بو ہوا
انصاف یوں بہ بلبلِ فریاد خو ہوا

لطفِ خدائے ذوقِ نشاطش نمی دہد
کافر دلے کہ باستمِ دوست خو گرفت

اس کو ملی نہ لطفِ خدا سے نشاط، جو
شیدائے دلفریبیٔ بیداد خو ہوا

چو اصلِ کار در نظرِ ہم نشیں نہ بود
بے چارہ خردہ بر روشِ جستجو گرفت

جو پا نہ اصلِ کار کا گر ہم نشیں بنا
وہ نکتہ چیں بر روشِ جستجو ہوا

در خلوتے کشود خیالم رہِ دعا
کز تنگیِ بساطِ نفس در گلو گرفت

دکھلائی جب خیال نے مجھ کو رہِ دعا
از نارسائی قیدِ نفس در گلو ہوا

شرمندۂ نوازشِ گردوں نماندہ ام
گر چاک دوخت، جامہ بہ مزدِ رفو گرفت

شرمندۂ نوازشِ گردوں نہیں، کہ وہ
در کر کے جیب، طالبِ مزدِ رفو ہوا

با خویشتن چہ مایہ نظر باز بودہ است
کز من دلِ مرا بہ ہزار آرزو گرفت

ہے ایسا نازِ یار کہ ہر ایک ناز پر
قربان دل مرا بہ ہزار آرزو ہوا

گفتم خود از مشاہدہ بخشائش آورد
خوش باد حالِ دوست کہ حالم نکو گرفت

بیمار کی طبیب کو حالت بھلی لگی
جب دیکھ کر اسے مرا بشاش رُو ہوا

از یک سبوست بادہ و قسمت جدا جدا
جمشید جام برد و قلندر کدو گرفت

مشرب ہے ایک ہی، ولے قسمت جدا جدا
ہے جامِ جم کسی کو، کسی کو سبو ہوا

فرمانروا نہ گشت مسلماں بہ ہیچ قصر
گر رفت مغ زمیکدہ، ترسا فرو گرفت

ترسا ہے میرِ میکدہ، گر مغ نہیں رہا
فرمانروا نہ شیخ کبھی اس کا تُو ہوا

ایمان گر بہ خوف و رجا کردم استوار
اخلاص در نمود، وفائم دو رُو گرفت

بنیاد اس کی خوف و رجا پر اگر ہوئی
ایماں ہوا خراب، عقیدہ دو رُو ہوا

ہر فتنہ در نشاط و سماع آورد مرا
گوئی فلک بہ عربدہ ہنجارِ او گرفت

دنیا نشاط و عیش ہے ہر فتنۂ فلک
شیوہ جو اس کا طورِ مہِ تند خو ہوا

رضواں چو شہد و شیر بہ غالب حوالہ کرد
بیچارہ باز داد و مئے مشک بو گرفت

نعمت ہر اک دی خُلد میں غالب کو، پر اسے
مقبول صرف جامِ مئے مشک بو ہوا

غبارِ طرفِ مزارم بہ پیچ و تابے ہست
ہنوز در رگِ اندیشہ اضطرابے ہست

غبارِ قبر میں کیسا یہ پیچ و تاب ہے اک
مرے خیال میں کیوں اب تک اضطراب ہے اک

بہ بانگِ صور سر از خاک بر نمی دارم
ہنوز در نظرم چشمِ نیم خوابے ہست

لحد سے کس طرح اٹھوں میں اپنی محشر میں
ابھی نظر میں مری چشمِ نیم خواب ہے اک

ز سردیِ نفسِ نامہ بر تواں دانست
کہ نارسیدہ پیامِ مرا جوابے ہست

لگے ہے سردیِ انفاسِ نامہ بر سے مجھے
کہ نارسیدہ گزارش کا یہ جواب ہے اک

بہ ہرزہ جاں بہ غلط دادم و ندانستم
کہ یار دیر پسندے و زود یابے ہست

نثار جان کی بے کار، علم تھا نہ مجھے
کہ یار دیر پسند اور زود یاب ہے اک

نظر فروز ادا ہا بدشمن ارزانی
بہ من سپار اگر داغِ سینہ تابے ہست

نظر فروز عدو کو ادا، تو مجھ کو بھی
دے پاس تیرے اگر داغِ سینہ تاب ہے اک

ز شوریِ نمکِ پرسشِ نہانیِ تست
اگر مرا جگرِ تشنۂ عتابے ہست

زشوریِ نمکِ پرسشِ نہانیِ تو
ملا مجھے بھی جگر تشنۂ عتاب ہے اک

خود اولیں قدحِ مے بنوش و ساقی شو
کہ آخر از طرفِ تست گر حجابے ہست

بنا ہے ساقی اگر، پی شراب خود بھی کچھ
کہ درمیان مرے تیرے کیا حجاب ہے اک

ز سرد مہریِ ایام نیستیم نژند
کہ در خرابۂ ما روئے آفتابے ہست

ہو سرد مہریِ ایام کا مجھے کیوں غم
کہ دیوے تاب و تپش روئے آفتاب ہے اک

مگر دہیم جگرِ تشنہ را دلے بہ دروغ
نشاں دہید براہش اگر سرابے ہست

دروغ سے دلِ تشنہ کو حوصلہ دوں میں
دکھاؤ، جادۂ اُلفت میں گر سراب ہے اک

بہارِ ہند بود برشگال، ہاں غالبؔ
دریں خزاں کدہ ہم موسمِ شرابے ہست

بہار لاتی ہے برسات ہند میں غالبؔ
خزاں مقام میں بھی موسمِ شراب ہے اک

نہ هرزه همچو نَے از مغزم استخواں خالی ست
کہ جائے نالۂ زارے دریں میاں خالی ست

ہے میرا صورتِ نَے مغزِ استخواں خالی
کہ جائے نالہ رہے اس کے درمیاں خالی

رَوَم بہ کعبہ زکوئے تو و زحق خجلم
زسجدہ جبہہ و از پوزشم زباں خالی ست

میں کوئے یار سے جاتا ہوں سوئے کعبہ، پر
جبیں سجود سے، ہے عذر سے زباں خالی

ہجومِ گل بہ گلستاں ہلاکِ شوقم کرد
کہ جا نماندہ و جائے تو همچناں خالی ست

چمن میں دیکھ کے مرتا ہوں میں ہجومِ گل
رہی نہ جا کوئی، پر جا تری ہے واں خالی

گریستم نگرستی ، بخوں تپم امروز
زپارۂ جگرم چشمِ خوں چکاں خالی ست

ہزار رویا، نہ دیکھا ولے مجھے، جب تک
ہوئی ز لختِ جگر چشمِ خوں فشاں خالی

نہ شاہدے بہ تماشا، نہ بیدلے بہ نوا
زغنچہ گلبن و از بلبل آشیاں خالی ست

نہ شاہدوں میں تماشا، نہ بیدلوں میں نوا
گلوں سے شاخ ہے، بلبل سے آشیاں خالی

کنم بہ جنبشِ دل شیشہ از پری لبریز
سرم زبادِ فسوں سنجیِ زباں خالی ست

پری اتارتا شیشے میں عشقِ دل سے ہوں
ہے میرا سر بہ فسوں سنجیٔ زباں خالی

گرش بدیدنِ من گریہ رُو نداد چہ جرم
نہادِ آتشِ شوقِ من از دخاں خالی ست

مری خطا، جو نہ روتا ہے دیکھ کے تُو مجھے
کہ دُود سے ہے مری آتشِ نہاں خالی

پُر از سپاسِ ادائے تو دفترے دارم
کہ یکسر از رقمِ پرسشِ نہاں خالی ست

سپاسِ ناز سے تیرے بھرا ہے دفترِ دل
مگر ہے از رقمِ پرسشِ نہاں خالی

امامِ شہر بہ مسجد اگر رہم نہ دہد
نہ جائے من بہ نیایش گہِ مغاں خالی ست

نہیں ہے داخلہ مسجد میں گر تو کیا غم ہے
کہ ہے مرے لیے ہر معبدِ مغاں خالی

خرابِ ذوقِ بر و دوشِ کیستم غالبؔ
کہ چوں ہلال سراپایم از میاں خالی ست

ہے کس کے وصل کا غالبؔ خراب تُو کہ ترا
ہوا ہلال کی مانند درمیاں خالی

ایمنم از مرگ تا تیغت جراحت بار هست
روزیِ ناخوردهٔ ما در جهاں بسیار هست

ہم کو تڑپاتا وہ تیغِ ناز سے بسیار ہے
جان لینے کی بجائے زخم دیتا یار ہے

ما و خاکِ رہگذر بر فرقِ عریاں ریختن
گل کسے جوید کہ او را گوشۂ دستار هست

ایک ہم ہیں، خاکداں ہے سر ہمارا عشق میں
ایک وہ ہیں جن کا گلداں گوشۂ دستار ہے

پارۂ امیدوارِ ستم تکلف بر طرف
با همہ بے التفاتی دردمند آزار هست

یار سے امیدوارئ عنایت ہے ہمیں
باوجود اس کے کہ وہ جاں سوز و دل آزار ہے

بر سرِ کوئے تو با مہرم بہ جنگ آرد همے
این هجومِ ذرہ کاندر روزنِ دیوار هست

دیکھ کر میں ذرہ، لڑتا شمس سے ہوں رشک میں
رقص کرتا جب وہ اندر روزنِ دیوار ہے

در خموشی تابشِ روئے عرقناکش نگر
تا چہا هنگامۂ سرگرمیِ گفتار هست

تابشِ روئے عرق آلود دیکھو تو ذرا
خامشی میں اس کی، کیسی گرمیِ گفتار ہے

بے نوائی بیں کہ گر در کلبہ ام باشد چراغ
بخت را نازم کہ با من دولتِ بیدار هست

غمکدے میں شمع گر جلتی ہے میرے ایک شب
یوں لگے ہے بخت کی یہ دولتِ بیدار ہے

در پرستش سستم و در کام جوئی استوار
بادشاہ را بندۂ کم خدمت و پُرخوار هست

سُست طاعت میں ہوں لیکن کامجوئی میں سبک
بادشہ کو بندۂ کم خدمت و پُرخوار ہے

رازِ دیدن ہا مجوے و از شنیدن ہا مگوے
نقش ہا در خامہ و آهنگ ہا در تار هست

دیکھنے سننے کے راز اے ہم نشیں ہم سے نہ پوچھ
نقش سے خامہ بھرا، نغمات سے پُر تار ہے

باد برد آن گنجِ باد آورد و غالبؔ را هنوز
نالۂ الماس پاش و چشمِ گوهر بار هست

گنجِ قاروں لٹ چکا، پر گنجِ غالبؔ ہیں بہت
نالۂ الماس پاش و چشمِ گوهر بار ہے

ظہورِ بخششِ حق را بہانہ بے سببی ست
وگرنہ شرمِ گنہ در شمارِ بے ادبی ست

ظہورِ بخششِ حق ہے بہانہ بے سببی
ہے کرنا شرمِ گنہ در شمارِ بے ادبی

ز گیر و دار چہ غم چوں بہ عالمے کہ منم
ہنوز قصۂ حلاج حرفِ زیر لبی ست

ہو گیر و دار کا غم کیوں مجھے کہ واں ہوں میں
جہاں ہے قصۂ منصور حرفِ زیر لبی

رموزِ دیں نہ شناسم درست و معذورم
نہادِ من عجمی و طریقِ من عربی ست

رموزِ دین سے واقف نہیں، معاف کرو
نہاد فارسی میری، طریق ہے عربی

نشاطِ جم طلب از آسماں نہ شوکتِ جم
قدح مباش زیاقوت بادہ گر عنبی ست

نشاطِ جم کا ہو طالب، نہ مانگ شوکتِ جم
نہ مانگ ساغرِ زریں، ہو گر مئے عنبی

با التفات نیرزم در آرزو چہ نزاع
نشاطِ خاطرِ مفلس ز کیمیا طلبی ست

ہوں نامراد اگرچہ، امید ہے دل میں
کہ عیشِ خاطرِ مفلس ہے کیمیا طلبی

بود بہ طالعِ ما آفتاب تحت الارض
فروغِ صبحِ ازل در شرابِ نیم شبی ست

ہو آفتاب اگر جام میں تو ہو جائے
فروغِ صبحِ ازل در شرابِ نیم شبی

نہ ہم پیالگیٔ زاھداں بلائے بود
خوش است گر مئے بےغش خلافِ شرعِ نبی ست

نہ ساتھ بیٹھ کے پینا پڑی یہ زاہد کے
ہزار شکر کہ ہے مے خلافِ شرعِ نبی

ہر آنچہ در نگری جز بہ جنس مائل نیست
عیارِ بےکسیٔ ما شرافتِ نسبی ست

اگرچہ یکتا و بے ہمتا ہوں نسب میں میں
ہے وجہ بے کسی میری شرافتِ نسبی

کسے کہ از تو فریبِ وفا خورد، داند
کہ بے وفائیِ گل در شمارِ بوالعجبی ست

مقابلے میں ترے طورِ بے وفائی کے
ہے بے ثباتیِ گل در شمارِ بوالعجبی

میانِ غالبؔ و واعظ نزاع شد ساقی
بیا بہ لابہ کہ هیجانِ قوتِ غضبی ست

میانِ غالبؔ و واعظ ہے عربدہ ساقی
شراب لا کہ ہو کم جوشِ قوتِ غضبی

نشاطِ معنویاں از شراب خانۂ تست
فسونِ بابلیاں فصلے از فسانۂ تست

نشاطِ معنوی بخشے شراب خانہ ترا
فسونِ بابل و بغداد ہے فسانہ ترا

بجام و آئینہ حرفِ جم و سکندر چیست
کہ ہرچہ رفت بہ ہر عہد در زمانۂ تست

بجام و آئینہ حرفِ جم و سکندر کیا
زمانِ دارا و قیصر بھی تھا زمانہ ترا

فریبِ حسنِ بتاں پیش کش، اسیرِ تو ایم
اگر خط ست و گر خال، دام و دانۂ تست

فریبِ حسنِ بتاں کیوں، اسیر ہوں تیرا
ہے زلف و خالِ حسیناں میں دام و دانہ ترا

ہم از احاطۂ تست ایں کہ در جہاں مارا
قدم بہ بت کدہ و سر بر آستانۂ تست

یہ معجزہ تری جلوہ گری کا ہے کہ مری
نظر میں بت کدہ اور سر میں آستانہ ترا

سپہر را تو بہ تاراجِ ما گماشتہ‌ئی
نہ ہرچہ دُزد زما بُرد در خزانۂ تست

بنایا تُو نے فلک مجھ کو لوٹنے کے لئے
ہے پاس کیا مرے، رکھے نہ جو خزانہ ترا

مرا چہ جرم گر اندیشہ آسماں پیماست
نہ تیز گامیِ توسن ز تازیانۂ تست

خیال آسماں پیما، خطا مری کیا ہے
ہے وجہ تیزیِ توسن کی تازیانہ ترا

کماں ز چرخ و خدنگ از بلا و پَر ز قضا
خدنگ خوردۂ ایں صید گہ نشانۂ تست

کمان چرخ، بلا تیر، ہے قضا ترکش
کرے ہے صید مگر سب کو اک نشانہ ترا

سپاسِ جودِ تو فرض است آفرینش را
دریں فریضہ دو گیتی ہماں دوگانۂ تست

جو سر بسجدہ ہوا شکر میں تُو خالق کے
پسند آیا اسے ذوقِ شاکرانہ ترا

تو اے کہ محوِ سخن گسترانِ پیشینی
مباش منکرِ غالبؔ کہ در زمانۂ تست

تُو دیکھ، محوِ سخن گسترانِ پیشینی
سجایا گفتۂ غالبؔ نے کیا زمانہ ترا

محوِ خود است لیک نہ چوں من، دریں چہ بحث
او چوں خودے نداشتہ دشمن، دریں چہ بحث

رہوے ہے محو خود میں وہ گل تن توٹھیک ہے
یکتا ہے اس کے حسن کا جوبن توٹھیک ہے

افسانہ گوست غیر، چہ مہر افگنی برد
غم بر نتابد ایں ہمہ گفتن، دریں چہ بحث

مکرِ فسانہ گوئیِ دشمن کو دیکھ کر
ہوتا نہیں ہیں مائلِ گفتن، توٹھیک ہے

جیحون و نیل نیست، دل است، از خدا بترس
گر نیست خونِ دیدہ بہ دامن، دریں چہ بحث

دل ہے یہ ایک، دجلہ و جیحون تو نہیں
ہو تر نہ خونِ اشک سے دامن، توٹھیک ہے

بے چارہ بیں کہ جاں بہ شکر خندہ دادہ است
خویشانش ار روند بہ شیون، دریں چہ بحث

شیریں لبوں پہ جان مجھے دیتا دیکھ کر
کرتے ہیں دوست جو مرے شیون، توٹھیک ہے

بے پردہ شو ز غصہ و الزام دہ مرا
گفتم کہ گل خوش است بہ گلشن، دریں چہ بحث

دینے سے تیری شکل کو گل سے مشابہت
غصے سے رخ اگر بنے گلشن، توٹھیک ہے

بت را بجلوہ دیدہ و برجائے ماندہ است
گر بحث می کنم بہ برہمن، دریں چہ بحث

جلوہ کے بت سے دیکھ مجھے قائلِ خدا
جھگڑا کرے ہے بحث برہمن، توٹھیک ہے

ہمسایہ ناخوش است، خوشم، ہم نشیں خموش
از نامہ ام نہاد بہ روزن، دریں چہ بحث

ہمسایہ کو خفا، مجھے خوش، ہم نشیں کو چپ
کرتا ہے اس کا نامہ بہ روزن، توٹھیک ہے

بعد از حزیں کہ رحمتِ حق بر روانش باد
ما کردہ ایم پرورشِ فن، دریں چہ بحث

جانے کے بعد بزمِ ادب سے حزیں کے
ہم سے ہوئی ہے پرورشِ فن، توٹھیک ہے

او جستہ جستہ غالب و من دستہ دستہ ام
عرفی کسے است لیک نہ چوں من، دریں چہ بحث

غالب سے لے کے عزِ شباہت ذرا ذرا
عرفی بھی ہو گیا ہے جو پُر فن، تو ٹھیک ہے

در پردہ شکایت ز تو داریم و بیاں ہیچ
زخمِ دلِ ما جملہ دہاں است و زباں ہیچ

تجھ سے جو گلہ دل میں ہے، ہوتا نہ بیاں ہے
ہے زخم دہن، پر نہ کوئی اس میں زباں ہے

اے حسن گراز راست نرنجی، سخنے ہست
ناز ایں ہمہ یعنی چہ کمر ہیچ و دہاں ہیچ

کرتے ہیں فدا جان دہن اور کمر پر
گو ہم کو نظر آئے کمر ہے نہ دہاں ہے

در راہِ تو ہر موجِ غبارے است روانے
دل تنگ نہ گردم ز ہر افشاندنِ جاں ہیچ

ہیں جان فزا گردِ رہِ عشق کی موجیں
مرتا ہے وہاں جو، اسے ملتی نئی جاں ہے

بر گریہ بیا فزود ز دل ہر چہ فرو ریخت
در عشق بود تفرقۂ سود و زیاں ہیچ

نقصان کرے دل کا ہے گریہ میں اضافہ
الفت میں نہ کچھ تفرقۂ سود و زیاں ہے

تن پروریِ خلق فزوں شد ز ریاضت
جز گرمیِ افطار ندارد رمضاں ہیچ

جز گرمیِ افطار نہیں کچھ یہ ریاضت
تن پروری کرنے کا بہانہ رمضاں ہے

دنیا طلباں، عربدہ مفت است بجوشید
آزادیِ ما ہیچ و گرفتاریِ تاں ہیچ

سب متقی و رند کے بیکار ہیں جھگڑے
آزادی نہ واں ہے، نہ گرفتاری یہاں ہے

پیمانۂ رنگے ست دریں بزم بہ گردش
ھستی ھمہ طوفانِ بہار است، خزاں ہیچ

اک موج میں بادہ کی ہے طوفانِ بہاراں
اک جام کی گردش طربِ بزمِ جہاں ہے

عالم ھمہ مرآتِ وجود است، عدم چیست
ناکار کند چشم، محیط است، کراں ہیچ

آئینۂ موجودگی سارا ہے یہ عالم
وہ قلزمِ ہستی ہے یہ، جس کا نہ کراں ہے

در پردۂ رسوائیِ منصور نوائے است
رازت نہ شنودیم از ایں خلوتیاں ہیچ

رسوائی سے منصور کی وہ راز کھلا ہے
جس سے ہوئی حیراں خردِ خلوتیاں ہے

غالبؔ زگرفتاریِ اوہام بروں آ
باللہ جہاں ہیچ و بد و نیک جہاں ہیچ

غالبؔ تو گرفتاریِ اوہام میں ہے کیوں
واللہ نہ جہاں ہے، نہ کوئی کارِ جہاں ہے

بادهٔ پرتوِ خورشید و ایاغِ دمِ صبح
مفتِ آناں کہ در آیند بباغِ دمِ صبح

آفتابیم، ہم دشمن و ہمدرد اے شمع
ما ہلاکِ سرِ شامیم تو داغِ دمِ صبح

بعد آنانکہ قریب اند بما نوبتِ ماست
آخرِ کلفتِ شب ہاست فراغِ دمِ صبح

زیں سپس جلوهٔ خور جائے چراغاں گیرد
شبِ اندیشہ ز ما یافت سراغِ دمِ صبح

پیش ازیں بادِ بہار ایں ہمہ سرمست نبود
شبنمِ ماست کہ تر کرده دماغِ دمِ صبح

سخنِ ما ز لطافت ہمہ سرجوشِ مے است
کہ فرو ریختہ از طرفِ ایاغِ دمِ صبح

بادهٔ پرتوِ خورشید و ایاغِ دمِ صبح
ہاتھ میں لے کے وہ آیا ہے بہ باغِ دمِ صبح

مجھ میں جاں آئے سحر دم، تو فروزاں شب میں
میں ہلاکِ شبی اے شمع، تو داغِ دمِ صبح

بزم میں آخرِ شب میری بھی باری آئی
کلفتِ شب گئی، ملتا ہے فراغِ دمِ صبح

شمسِ امید بصد شان ہوا آج طلوع
شبِ اندیشہ نے پایا ہے سراغِ دمِ صبح

اتنی سرمستی کبھی بادِ بہاراں میں نہ تھی
میری شبنم سے ہوا تر ہے دماغِ دمِ صبح

شعر میں ذائقہ میرے، مئے گلرنگ کا ہے
جس کو چھلکاتا چمن میں ہے ایاغِ دمِ صبح

ذوقِ مستی ز ہم آہنگیِ بلبل خیزد
مفگن آواز بر آوازِ کلاغِ دمِ صبح

ہمنوائی سے ہے بلبل کی ، تری سرمستی
نہ دے آواز بر آوازِ کلاغِ دمِ صبح

حقِ آں گرمیِ ہنگامہ کہ دارم بہ شناس
اے کہ در بزمِ تو ماتم بہ چراغِ دمِ صبح

قدر کر دل کی ، میرے گرمیِ ہنگامہ کی
بزم میں کیوں ہے یہ ماتم بہ چراغِ دمِ صبح

بوئے گل گر نہ نویدِ کرمت داشت، چہ داشت
اے بہ شب کردہ فراموش جناغِ دمِ صبح

بوئے گل آئی اگر مژدۂ بخشش لے کر
نفسِ سینہ بنا عطرِ دماغِ دمِ صبح

غالبؔ امروز بہ وقتے کہ صبوحی زدہ ام
چیدہ ام ایں گلِ اندیشہ زباغِ دمِ صبح

مست غالبؔ جو میں ہوتا ہوں صبوحی پی کر
گلِ اندیشہ مجھے دیوے ہے باغِ دمِ صبح

آہے بہ عشقِ فاتحِ خیبر کنیم طرح
در گنبدِ سپہر مگر در کنیم طرح

نالہ بہ عشقِ فاتحِ خیبر کریں کبھی
اک شور برجِ چرخ کے اندر کریں کبھی

در فصلِ دے کہ گشتہ جہاں زمہریر ازو
بنشیں کہ آبِ گردشِ ساغر کنیم طرح

دنیا ہے زمہریر ہماری، تو آئے گر
گرم اس کو ہم بہ گردشِ ساغر کریں کبھی

ہُوئے بہ چرخ دادنِ گردوں برآوریم
عیشے بداغ کردنِ اختر کنیم طرح

مستی ہو ایسی، دیکھ کے رقصاں ہو آسماں
ہو بزم، یاد جو مہ و اختر کریں کبھی

خود را بہ شاہدی بہ پرستیم زیں سپس
در راہِ عشق جادۂ دیگر کنیم طرح

مشتاق عاشقوں کے ہوں معشوق ایک دن
یوں راہِ عشق، جادۂ دیگر کریں کبھی

از داغِ شوق پردہ نشینے نشاں دہیم
در زخمِ رشک روزنۂ در کنیم طرح

پھر داغِ شوق، شاہدِ پردہ نشیں بنے
پھر زخمِ رشک، روزنۂ در کریں کبھی

از تار و پودِ نالہ نقابے دہیم ساز
وز دُودِ سینہ زلفِ معنبر کنیم طرح

از تار و پودِ نالہ بنا کر نقابِ رُخ
ہم دُودِ دل کو زُلفِ معنبر کریں کبھی

برگِ حلل ز شعلہ و آذر بہم نہیم
پیرایہ از شرارہ و اخگر کنیم طرح

اپنا بنا کے شعلہ و آتش سے پیرہن
پیرایہ از شرارہ و اخگر کریں کبھی

از زخم و داغ، لالہ و گل در نظر کشیم
از کوہ و دشت حجلہ و منظر کنیم طرح

از داغ و زخم، لالہ و نسریں بنا کے ہم
صحرا و دشت حجلہ و منظر کریں کبھی

از سوز و ساز، محرم و مطرب کنیم جمع
از خار و خارا بالش و بستر کنیم طرح

از سوز و ساز، محرم و مطرب کریں بہم
خارا و خار بالش و بستر کریں کبھی

آئینِ برہمن بہ نہایت رساندہ ایم
غالبؔ بیا کہ شیوۂ آزر کنیم طرح

آئینِ برہمن بنا غالبؔ ہمارا دیں
آ، اختیار اک رہِ آزر کریں کبھی

اے جمالِ تو بتاراجِ نظرہا گستاخ
وے خرامِ تو بپامالیِ سرہا گستاخ

داغِ شوقِ تو بہ آرائشِ دلہا سرگرم
زخمِ تیغ تو بہ گلگشتِ جگرہا گستاخ

مُردم از دردِ تو دُور از تو و داغم از غیر
کہ رساند بہ تو این گونہ خبرہا گستاخ

باخبر باش کہ دردے کہ زبے دردیِ تست
نالہ را کرد در اظہارِ اثر ہا گستاخ

خواہشِ وصلِ خود از غیر ز اخلاص مسنج
کایں گدائے است بدریوزۂ درہا گستاخ

شاد گردم کہ بخلوت نرسید است رقیب
بینمش چوں بہ تو در راہ گزرہا گستاخ

حُسن اس شوخ کا تاراجِ نظر کرتا ہے
نازِ رفتار کا پامالیِ سر کرتا ہے

گرم جوشی سے کرے داغ ہے آرائشِ دل
زخمِ شمشیر کا گلرنگ جگر کرتا ہے

مرتا فرقت میں ہوں اور سُن کے یہ جلتا ہوں کہ وہ
پوچھے غیروں سے ہے پرسش مری گر کرتا ہے

درد تو نے جو دیا ہے مجھے بیدردی سے
افزوں فریاد میں اظہارِ اثر کرتا ہے

صرف تیرے ہی نہیں وصل کا طالب دشمن
ایک شب یاں پہ، تو اک واں پہ بسر کرتا ہے

ایسا لگتا ہے کہ قربت سے ہے محروم عدو
ربط تجھ سے جو سرِ راہ گزر کرتا ہے

گریہ ارزانیِ آں دل کہ بہ نیرو باشد
بہ شناورزیِ سیلابِ خطرہا گستاخ

عشق میں گریہ و زاری ہیں اسی کو موزوں
بے خطر پار جو سیلابِ خطر کرتا ہے

ہائے این پنجہ کہ با جیب کشاکش دارد
بود با دامنِ پاکت چہ قدرہا گستاخ

دامنِ پاک سے گستاخیاں کرتا تھا ترے
ہاتھ یہ اب جو گریباں مرادر کرتا ہے

ناز دلہائے نزارش چہ محابا باشد
سرِ زلفے کہ بہ پیچد بہ کمرہا گستاخ

وہ جس انداز سے کرتا تھا فزائش دل کی
اسی انداز سے اب خونِ جگر کرتا ہے

طوطیاں در شکر آیند بہ غالبؔ کا دراست
لبے از نطق بہ تاراجِ شکرہا گستاخ

بزمِ غالبؔ میں بہم شیریں بیاں ہوتے ہیں
جب بھی وہ نطق سے تاراجِ شکر کرتا ہے

دگر فریبِ بہارم سرِ جنوں ندہد
گل است و جامۂ آنی کہ بوئے خوں ندہد

رہا فریبِ بہاراں میں کچھ جنون نہیں
ہیں سرخ پھول مگر ان میں بوئے خون نہیں

گسستہ تارِ امیدم ، دگر بخلوتِ انس
بزخمۂ گلہ سازم نوا بروں ندہد

یوں غم سے تیرے امیدوں کہ تار ٹوٹے ہیں
کہ آوے کوئی نوا ، ساز سے برون نہیں

زقاتلے بہ عذابم کہ تیغ و خنجر را
بحکمِ وسوسہ زہرابِ بے شگوں ندہد

ملا ہے اک ہمیں قاتل کہ اپنے خنجر کو
وہ دیوے خوف سے زہرابِ بے شگون نہیں

بداں پری است نیازم کہ بہرِ تسخیرش
زمہرِ دل بہ زباں رخصتِ فسوں ندہد

اتاروں شیشے میں کیسے میں اس پری وش کو
زباں کو دیوے ہے دل رخصتِ فسون نہیں

جنوں، مگو، ادبش نیست بلکہ خودداری است
کہ تن بہ ہمدمیِ عقلِ ذوفنوں ندہد

نہ بے ادب ہے جنوں، ہے مری یہ خودداری
جو کرتی ہمدمیِ عقلِ ذوفنون نہیں

کفیلِ ہوشِ خودم وقتِ مے بہ بزمِ حبیب
بشرطِ آنکہ زیک قلزم فزوں ندہد

کفیل ہوش کا ہوں میں بشرطیکہ مجھ کو
پلائے اور تو قلزم سے کچھ فزون نہیں

بہ بوئے گنج گزیدم خرابہ ورنہ جنوں
بہ ہرزہ ذوقِ دل آویزیِ سکوں ندہد

تلاشِ گنج مجھے لائی دشت میں ورنہ
جنوں کو ذوقِ دلِ آویزیِ سکون نہیں

شریکِ کار نیاورد تابِ سختیِ کار
جوابِ نالۂ ما غیرِ بے ستوں ندہد

ہے موت سہل، غم و رنجِ زندگی مشکل
میں سخت کار ہوں، فرہادِ بے ستون نہیں

بہ من گرا و وفا جو کہ سادہ برہمنم
بہ سنگ ہر کہ دہد دل، بہ غمزہ چوں ندہد

عجیب میں بھی ہوں اک سادہ برہمن ایسا
فدا ہوں سنگ پہ، کرتا چرا و چون نہیں

ترا بہ حربہ چہ حاجت، نہ آں بود غالبؔ
کہ جاں بہ لذتِ آویزشِ دروں ندہد

نہ ڈھونڈ تیغ کہ غالبؔ کے قتل کرنے میں
کم اس کی لذتِ آویزشِ درون نہیں

نگاهش ار بسرِ نامۂ وفا ریزد
سوادِ صفحۂ کاغذ چو توتیا ریزد

نظر میں اس کی اگر نامۂ وفا ہوتا
سوادِ صفحۂ کاغذ بھی توتیا ہوتا

بہ فرقِ ما اگرش ناگہاں گزار افتد
چو گرد سایہ زبال و پرِ ہما ریزد

گزر بھی اس کا کبھی ہوتا گر مرے سر پر
تو مثلِ گرد گرا سایۂ ہما ہوتا

خوشا بریدنِ راہِ وفا کہ در ہر گام
جبیں ز پائے باندازِ نقشِ پا ریزد

رہِ وفا پہ اگر چلتا وہ کبھی، تو مرا
نشانِ سجدہ بہ ہر ایک نقشِ پا ہوتا

ز نالہ ریخت جگر پارہ ہائے داغ آلود
چو برگِ لالہ کہ در گلشن از ہوا ریزد

نہ سوزِ عشق سے مٹتا، تو دل کا ہر پارہ
چمن میں صورتِ گل ہر طرف گرا ہوتا

تبسم ایست ببالینِ کُشتگانِ خودت
کہ گل بجیبِ تمنائے خوں بہا ریزد

وہ کُشتگاں پہ گراتا گلِ تبسم گر
نہ اس سے اچھا کوئی اور خوں بہا ہوتا

دماغِ ما ز بلا می رسد مگر ساقی
گدازِ زہرۂ ما در ایاغِ ما ریزد

میں بھول جاتا بلائیں تمام، ساقی نے
سبو میں گر مرا خونِ جگر بھرا ہوتا

خوشش آنکہ عجزِ منش بر سرِ عتاب آرد
خسک بہ پیرہنِ شعلۂ جفا ریزد

خفا نہ ناز نہیں ہوتا مرے نیاز سے گر
نہ گرم اتنا کبھی شعلۂ جفا ہوتا

بہشتِ خویش توانی شدن اگر داری
دلے کہ خوں شود و رنگِ مدعا ریزد

اسی جہان میں تجھ کو بہشت مل جاتی
جو تُو نے خونِ تمنائے دل کیا ہوتا

بروزِ وصل در آغوشم آنچناں بہ فشار
کہ بے من از لبِ من شکوۂ تو وا ریزد

گلہ جفاؤں کا دل سے مرے نکل جاتا
جو بھینچ کر مجھے آغوش میں لیا ہوتا

بہ چارہ دردِ تو اکسیرِ بے نیازی ہاست
کہ دل گدازد و در قالبِ دوا ریزد

دوائے غم نہیں، اکسیر تجھ کو مل جاتی
گداز دل جو ترا درد نے کیا ہوتا

بروئے عقدۂ کارم بہ شکلِ برگِ خزاں
ز لرزہ ناخنِ دستِ گرہ کشا ریزد

نہ کرتا کوششِ عقدہ کشائی، تو ٹوٹا
نہ ایسا ناخنِ دستِ گرہ کشا ہوتا

غبارِ شوق بہ خونابۂ امید سرشت
دمے کہ خواست قضا طرحِ ایں بنا ریزد

غبارِ شوق میں ملتا نہ آرزو کا خوں
دراز دست نہ گرفتۂ قضا ہوتا

شباب و زہد چہ ناقدردانیِ ہستی ست
بلا بہ جانِ جوانانِ پارسا ریزد

ناقدردانیِ ہستی نہ اتنی ہو سکتی
جو دل نہ آج جوانوں کا پارسا ہوتا

بہ سجدہ بر درِ یار اوفتیم تا غالبؔ
خطِ جبیں چو غبار از جبینِ ما ریزد

خطِ قضا کو مٹاتا جبین سے غالبؔ
جو در پہ یار کے سجدے میں وہ گرا ہوتا

به بندِ پرسشِ حالم نمی تواں افتاد
تواں شناخت ز بندے کہ بر زباں افتاد

خموش جتنا رہا اتنا یہ عیاں ہوا
نہ دردِ دل مرا منت کشِ بیاں ہوا

فغانِ من دلِ خلق آب کرد ور نہ ہنوز
نگفتہ ام کہ مرا کار با فلاں افتاد

فغاں کی تاب نہیں جن کے دل میں، ہیں ان کو
بتاؤں کیسے مجھے کار با فلاں ہوا

من آں نیم کہ بتانم کنند دلجوئی
خوشم ز بخت کہ دلدار بدگماں افتاد

میں وہ نہیں، کریں جس کی حسین دلجوئی
مگر ہے لطف کہ دلدار بدگماں ہوا

ز رشکِ غیر بدل خوں فتاد ناگہ و من
بخوں تپم کہ چہ افتاد تا چناں افتاد

نہ کم تھا غم تری نامہربانیوں کا مجھے
ہے غم اب اور توٗ دشمن پہ مہرباں ہوا

ہم از تصرفِ بے تابیِ زلیخا بود
بہ چاہِ یوسف اگر راہِ کارواں افتاد

یہ اک تصرفِ بے تابیِ زلیخا تھا
بہ چاہِ یوسف اگر حضرِ کارواں ہوا

حدیثِ مے بہ دف و چنگ درمیاں داریم
کنوں کہ کار بہ شیخِ نہفتہ داں افتاد

بیانِ مے بہ دف و چنگ اب کروں گا میں
چھپے سے شیخ جو ہم مشربِ مغاں ہوا

فرو نیامدم از بسکہ بے خودم بہ طلب
ہزار بار گزارم بر آشیاں افتاد

طلب میں فکر کی پرواز تھی بلند ایسی
نہ پھر زمیں پہ کبھی اس کا آشیاں ہوا

بکوئے یار زپا افتم وکنم فریاد
بداں دریغ کہ دانند ناگہاں افتاد

گرا میں جان کے تھا اس طرح کہ وہ سمجھے
کہ بارِ غم سے یہ لاچار و ناتواں ہوا

شب ارچہ با تو بدعویٰ نما، نمائی داشت
بہ روز طشتِ مہ از بامِ آسماں افتاد

مقابلہ ترا کرتا تھا رات میں لیکن
سحر ہوئی تو خجل ماہِ آسمان ہوا

نفس شرارہ فشان است و نطق شعلہ درو
ز حرفِ خوئے کہ باز آتشم بجاں افتاد

شرر فشاں ترا غصہ، نفس مرا شعلہ
ہے تند خو تری، میں آتشیں زبان ہوا

غریبم و تو زباں دانِ من نۂ غالبؔ
بہ بندِ پرسشِ حالم نمی تواں افتاد

دیارِ یار میں ایسا ہے اجنبی غالبؔ
نہ غمگسار کوئی یاں، نہ ہم زبان ہوا

دل اسبابِ طرب گم کردہ در بندِ غمِ ناں شد
زراعت گاہِ دھقاں می شود چو باغ ویراں شد

دل اسبابِ طرب کھو کر گرفتارِ غمِ ناں ہے
زراعت گاہِ دھقاں ہے، ہوا گلشن جو ویراں ہے

گرفتم کز تغافل طاقتِ ما باج می گیرد
حریفِ یک نگاہِ بے محابائے تو نتواں شد

فزوں کر سکتا، مانا، ہے تغافل صبرِ دل لیکن
نہ تابِ یک نگاہِ بے محابا لانا آساں ہے

تو گستردی بہ صحرا دام و از رشکِ گرفتاری
کفِ خاکم برنگِ قمریِ بسمل پرافشاں شد

بہ صحرا دام تیرا دیکھ کر رشکِ اسیری سے
میری مٹی برنگِ قمریِ بسمل پرافشاں ہے

جنوں کردیم و مجنوں شہرہ گشتیم از خردمندی
بروں دادیم رازِ غم بہ عنوانے کہ پنہاں شد

جنوں میں مصلحت اچھی ہے، رازِ عشق کو اپنے
کیا اک پردۂ دیوانگی میں میں نے پنہاں ہے

بدیں رنگ است گر کیفیتِ مُردن، خوشا حسرت
لب از ذوقِ کفِ پائے تو عشرت خانۂ جاں شد

دیا ہے کیف ایسا موت کو اک حسرتِ دل نے
کہ ذوقِ بوسۂ پا سے لبوں میں عشرتِ جاں ہے

سراپا زحمتِ خویشیم از ہستی چہ می پرسی
نفس بر دل دمِ شمشیر، دل در سینہ پیکاں شد

بنا اپنے لیے زحمت سراپا ہوں میں ہستی میں
نفس دل میں دمِ شمشیر، دل سینے میں پیکاں ہے

فراغت بر نتابد ہمتِ مشکل پسندِ من
ز دشواری بجاں می افتدم کارے کہ آساں شد

نہ دیوے ہے فراغت ہمتِ مشکل پسند اپنی
زہے پیچیدگی، ہوتا نہ کوئی کام آساں ہے

چہ پرسی وجہ حیرانی کہ ہنگامِ تماشایت
نگاہ از بےخودی ہا دست و پا گم کردہ مژگاں شد

کروں کیسے تماشا میں ترے حسنِ درخشاں کا
نظر ہے آنکھ میں اور آنکھ اک قیدیِ مژگاں ہے

زما گرم است ایں ہنگامہ، بنگر شورِ ہستی را
قیامت می دمد از پردۂ خاکے کہ انساں شد

یہ کیسا گرم ہنگامہ ہے، کیا یہ شورِ ہستی ہے
قیامت کرتی برپا ہے بنے جب خاک انساں ہے

نشاط انگیزیِ اندازِ سعیِ چاک را نازم
بہ پیراہن نمی گنجد گریبانے کہ داماں شد

نشاط انگیزیِ اندازِ سعیِ چاک تو دیکھو
نہ جامے میں سمائے جب گریباں ہووے داماں ہے

شبِ غربت ہمانا شیوۂ غم خواریٔ دارد
کہ ہم در ماتمِ صبحِ وطن زلفش پریشاں شد

شبِ غربت کی تاریکی میں طورِ غمگساری ہے
غمِ صبحِ وطن میں وہ کرے گیسو پریشاں ہے

قضا از ذوقِ معنی شیرۂ می ریخت در جاں ہا
نمے از لائے پالایش چکید و آبِ حیواں شد

قضا نے جاں میں یوں ڈالا ہے شیرہ ذوقِ معنی کا
کہ دُردِ جام سے اس کے ٹپکتا آبِ حیواں ہے

دلم سوزِ نہاں دارد ولے در سینہ کوبی ہا
چراغے جستہ از چشمش اگر داغے نمایاں شد

ہے دل میں سوزِ پنہاں اس قدر اب سینہ کوبی میں
لگے قندیل ہے ہر داغ جو ہوتا نمایاں ہے

چو اسکندر زنادانی، ہلاکِ آبِ حیوانی
خوشا سوہن کہ ہر کس غوطہ زد در وے تنش جاں شد

سکندر کی طرح مت ہو ہلاکِ آبِ حیوانی
کہ ہوتی درد و کربِ عشق سے افزائشِ جاں ہے

خدارا اے بتاں گردِ دلش گردیدنی دارد
دریغا آبروئے دیر، گر غالبؔ مسلماں شد

خدارا اے بتو تھوڑی کرو غالبؔ کی دلجوئی
کہ جاتا چھوڑ کے وہ دیر ہے، ہوتا مسلماں ہے

داغم از پردهٔ دل رو بقفا می آید
تا ببینم که ازیں پرده چها می آید

ساتھ میں لے کے جو طوفانِ بلا آتی ہے
آہ سینے سے نکل کے مرے کیا آتی ہے

همچو رازے که به مستی ز دل آید بیروں
در بہاراں همه بویت ز صبا می آید

راز مستی میں نکل جاتا ہے جیسے دل سے
تیری نکہت لیے یوں بادِ صبا آتی ہے

جلوه اے داغ که ذوقم ز نمک می خیزد
مژده اے درد که ننگم ز دوا می آید

جلوہ اے داغ کہ آتا ہے نمک لے کر وہ
مژدہ اے درد کہ کام اب نہ دوا آتی ہے

سودِ غارت زدگی ہائے غمت را نازم
که نفس می رود و آهِ رسا می آید

سودِ غارت گریِ رنجِ محبت دیکھو
خرچ ہوتا ہے نفس، آہِ رسا آتی ہے

زیستم بے تو و زیں ننگ نه کُشتم خود را
جاں فدائے تو، میا، کز تو حیا می آید

زندگی تیرے بنا باعثِ غیرت ہے، دلے
کرتا پرسش ہے تو جب اور حیا آتی ہے

راز از سینه به مضراب نه ریزم بیروں
سازِ عاشق ز شکستن به صدا می آید

راز افشائی کو کچھ منتِ مضراب نہیں
ٹوٹے جب ساز تو بیرون صدا آتی ہے

بوئے گل پردۂ ساز است تمنائے ترا
بو کہ دریافتہ باشی، چہ نوا می آید

پردۂ ساز تمنا کا ہے بوئے گل میں
آج یہ کیسی نوا لے کے صبا آتی ہے

درہم افشردنِ اندامِ تو چوں ما میخواست
خندہ بر تنگیِ آغوشِ قبا می آید

بھینچتی تن ترا جب ہے تو بصد رشک مجھے
شرم از تنگیِ آغوشِ قبا آتی ہے

رفتہ در حسرتِ نقشِ قدمے عمر بسر
جادۂ راکہ بسر منزلِ ما می آید

کب سے یہ حسرتِ نقشِ کفِ پا رکھتی ہے
راہ جو اک بہ درِ اہلِ وفا آتی ہے

اتفاقِ سفر افتاد بہ پیری غالبؔ
آنچہ از پائے نیامد ز عصا می آید

طے رہِ منزلِ ہستی تری پیری غالبؔ
پاؤں سے کر نہ سکی، لے کے عصا آتی ہے

خوش است آنکہ با خویش جز غم ندارد
ولے خوشتر است آنکہ ایں ہم ندارد

ہے خوش، پاس کچھ جس کے جز غم نہیں ہے
ہے خوش تر جسے غم میں ماتم نہیں ہے

قوی کردہ پیوندِ ناسورِ پشتش
گرانمایہ زخمے کہ مرہم ندارد

گرانمایہ اُلفت کا ناسور ہے وہ
دوا کے لئے جس کی مرہم نہیں ہے

سرابے کہ رخشد بہ ویرانہ خوشتر
ز چشمے کہ پیرایۂ نم ندارد

بجوشِ عرق رنگ اڑتا ہے رخ کا
ترے پھول کو تابِ شبنم نہیں ہے

بجوشِ عرق رنگ درباخت رویت
گل از نازکی تابِ شبنم ندارد

سرابوں سے پُر ایک صحرا سے بدتر
ہے وہ آنکھ، ہوتی جو پُرنم نہیں ہے

گلت را نوا، نرگست را تماشا
تو داری بہارے کہ عالم ندارد

ترے گل میں جلوہ ہے، نرگس میں منظر
بہاراں تری سی بہ عالم نہیں ہے

چہ ناکس شمرد آنکہ خوں ریخت ما را
بہ تیغے کہ ترکیبِ او خم ندارد

کرے تیز، تُو مجھ کو ادنیٰ سمجھ کر
وہ شمشیر جس میں کوئی خم نہیں ہے

زماتم نہ باشد سیاہ پوش، زلفت
کہ ہندو بدیں گونہ ماتم ندارد

سیہ پوش کاکل نہ ماتم میں ہووے
کہ ہندو کرے ایسے ماتم نہیں ہے

سخن نیست در لطفِ ایں قطعہ غالبؔ
بہشتے بود ہند کآدم ندارد

نہ شک اس میں کوئی کہ ہے ہند غالبؔ
وہ جنت جہاں قدرِ آدم نہیں ہے

❖

مژدۂ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کُشتند و ز خورشید نشانم دادند

مژدۂ صبح، دروں تیرہ شباں دیتے ہیں
شمع گُل کرتے ہیں، سورج کا نشاں دیتے ہیں

رخ کشودند و لبِ ہرزہ سرایم بستند
دل ربودند و دو چشمِ نگرانم دادند

جلوہ دِکھلاتے ہیں، بے ہودہ دولب سیتے ہیں
چھینتے دل ہیں، دو چشمِ نگراں دیتے ہیں

سوخت آتش کدہ ز آتش، نفسم بخشیدند
ریخت بت خانہ ز ناقوس، فغانم دادند

پھونک آتش کدہ، دیتے نفسِ سوزاں ہیں
توڑ کے بت، مجھے ناقوسِ فغاں دیتے ہیں

گہر از رایتِ شاہانِ عجم برچیدند
بہ عوض خامۂ گنجینہ فشانم دادند

گوہرِ پرچمِ شاہانِ عجم توڑتے ہیں
بہ عوض خامۂ گنجینہ فشاں دیتے ہیں

افسر از تارکِ تُرکانِ پشنگی بردند
بہ سخن ناصیۂ فرِّ کیانم دادند

بخشتے ہیں بہ سخن افسرِ توراں شاہی
شعر کو شوکتِ شاہانِ کیاں دیتے ہیں

گوہر از تاج گسستند و بدانش بستند
ہرچہ بردند بہ پیدا، بہ نہانم دادند

تاج سے توڑ کے دیتے ہیں گہر دانش کو
لیتے بے پردہ ہیں جو، کر کے نہاں دیتے ہیں

ہرچہ در جزیہ ز گبراں مئے ناب آوردند
بہ شبِ جمعۂ ماہِ رمضانم دادند

لیتے بادہ جو ہیں جزیہ میں مغاں سے، مجھ کو
بہ شبِ جمعۂ ماہِ رمضاں دیتے ہیں

ہرچہ از دستگہِ پارس بہ یغما بردند
تا بنالم ہم از آں جملہ زبانم دادند

لُوٹ کے لائے جو پارس سے ہیں اُس میں سے مُجھے
بہرِ فریاد فقط ایک زباں دیتے ہیں

دل ز غم مردہ و من زندہ ہمانا ایں مرگ
بود ارزندہ بہ ماتم کہ امانم دادند

مرنے دیتے نہیں وہ اور قضا کو میری
کرتے ماتم کے لیے جائے اماں دیتے ہیں

تا کیم دُودِ شکایت ز بیاں بر خیزد
بزن آتش کہ شنیدن زمیاں بر خیزد

دُودِ شکوہ سے مکدر نہ بیاں ہو جائے
دل جلے ایسا کہ دفع اس سے دُھواں ہو جائے

می رمی از من و خلقے بہ گماں است ز تو
بے محابا شو و بنشیں کہ گماں بر خیزد

دُور رہنے سے ترے ہووے ہے شک لوگوں کو
بے دھڑک آ کہ غلط ان کا گماں ہو جائے

گر دہم شرحِ عتابے کہ بہ دلہا داری
دُود از کارگہِ شیشہ گراں بر خیزد

ہو بیاں، ظلم جو تیرا دلِ عشاق پہ ہے
تو دھواں کارگہِ شیشہ گراں ہو جائے

با قدت، سرو چو شخصے ست کہ ناگہ یکبار
بے خود از جا ز ہجومِ خفقاں بر خیزد

آئے گلشن میں اگر، دیکھ کے قامت اسکی
سرو پہ طاری ہجومِ خفقاں ہو جائے

بچہ گیرند عیارِ ہوس و عشق دگر
رسمِ بیداد مبادا ز جہاں بر خیزد

امتحانِ ہوس و عشق ہو کس طرح اگر
رسمِ بیداد سے آزاد جہاں ہو جائے

گُشتۂ دعوتِ پیدائیِ خویشیم ہمہ
وائے گر پردہ ازیں رازِ نہاں بر خیزد

کُشتۂ دعوتِ نیرنگیِ پیدائی ہوں
فاش یا رب نہ کہیں رازِ نہاں ہو جائے

زینہار از تعبِ دوزخِ جاوید مترس
خوش بہارے است کز وبیمِ خزاں برخیزد

آتشِ دوزخِ جاوید بنے ، راحتِ دل
خوش بہاراں ہو جو ہمرنگِ خزاں ہوجائے

نالہ برخاست دمِ جستن از آتش زسپند
کوشگر فی کہ چو ما از سرِ جاں برخیزد

دانہ ہرمل کا ہو گر اک دلِ عاشق کی طرح
آگ میں جلنا اسے راحتِ جاں ہوجائے

عمرہا چرخ بگردد کہ جگر سوختۂ
چوں من از دودۂ آذر نفساں برخیزد

ہووے ناپیدا وعنقا وہ زمانے میں ، اگر
پیدا مجھ جیسا کوئی شعلہ فشاں ہوجائے

گر دہم شرحِ ستم ہائے عزیزاں غالبؔ
رسمِ امید ہمانا ز جہاں برخیزد

گر کرے شرحِ ستم ہائے عزیزاں غالبؔ
رسمِ امید سے محروم جہاں ہوجائے

گویم سخنے گرچہ شنیدن نشناسد
صبح است شبم را کہ دمیدن نشناسد

کہتا ہوں میں ان سے جنہیں سنا نہیں آتا
میری شبِ ہجراں کو گزرنا نہیں آتا

از بند چہ بکشاید و از دام چہ خیزد
مائیم و غزالے کہ رمیدن نشناسد

ہے میرا غزال ایسا، نہیں آئے جسے رم
اور میں ہوں جسے دام بچھانا نہیں آتا

گوہر چہ شکایت کند از بے پر و بالی
مائیم و سرشکے کہ چکیدن نشناسد

گوہر کی ذرا دیکھ مرے بے پر و بالی
آنسو ہے مگر اس کو ٹپکنا نہیں آتا

ساقی چہ شگرفی کند و بادہ چہ تندی
خوں باد دماغے کہ رسیدن نشناسد

کیا تندیِ بادہ کرے، کیا غمزۂ ساقی
جب مست مرے مغز کو ہونا نہیں آتا

ما لذتِ دیدار بہ پیغام گرفتیم
مشتاقِ تو دیدن ز شنیدن نشناسد

پیغام میں ملتی ہے بہت لذتِ جلوہ
اے شوقِ نظارہ تجھے سننا نہیں آتا

بے پردہ شو از ناز و میندیش کہ ما را
چوں آئینہ چشمے است کہ دیدن نشناسد

بے باک ہو بے پردہ، نہ ڈر آنکھ سے میری
آئینہ ہے، جلوہ اسے کرنا نہیں آتا

بینم چہ بلا بر سرِ جیب و کفن آرد
دستے کہ بجز جامہ دریدن نشناسد

کیا حالِ کفن ہوگا میرے ہاتھ سے جب کچھ
جز جامہ دری اور اسے کرنا نہیں آتا

پیوستہ رواں از مژہ خونِ جگرستم
رنگے است زخم را کہ پریدن نشناسد

مژگاں سے بہہ بہہ کے مرے خوں نے کیا ہے
اک رنگِ رخ ایسا جسے اُڑنا نہیں آتا

شوقم مئے گلگوں بہ سبومی زند امشب
پیمانہ ز ساقی طلبیدن نشناسد

خود شوق نے ڈالا ہے مرے ، بادہ سبو میں
ساقی کا گِلہ اب مجھے کرنا نہیں آتا

بالذتِ اندوہِ تو در ساختہ غالبؔ
گوئی ہمہ دل گشت و طپیدن نشناسد

جب سے ، طلبِ لذتِ اندوہ میں غالبؔ
یکسر ہے بنا قلب ، تڑپنا نہیں آتا

هر دم ز نشاطم دلِ آزاد بجنبد
تا کیست دریں پرده که بے باد بجنبد

کس سے مرا رقصاں دلِ ناشاد ہوا ہے
جنباں یہ کیوں اک پردۂ بے باد ہوا ہے

برہم زدنِ کارِ من آساں تر از آن ست
کز بادِ سحر طرۂ شمشاد بجنبد

درہم ہوا کیسے یہ مرا جذبۂ دل ہے
برہم جو کہیں گیسوئے شمشاد ہوا ہے

خواہم ز تو آزردگیِ غیر چو بینم
عرقِ حسدِ خاطرِ ناشاد بجنبد

کر یار کو بے گانہ رقیبوں سے خدایا
کہ رشک سے سوزاں دلِ ناشاد ہوا ہے

مُردم بہ دم و داغم از آں صید کہ در دام
لختے پئے مشغولیِ صیاد بجنبد

رشک آئے تڑپنے پہ کسی صید کے مجھ کو
بسمل جو بہ دلجوئیِ صیاد ہوا ہے

ہاں شیخِ پری خواں مئے گلگوں بقدح ریز
تا در نظرت بالِ پری زاد بجنبد

دیکھ آ کے تو میخانے میں اے شیخِ پری خواں
کیا شیشہ بہ پرتوئے پریزاد ہوا ہے

برقے بہ فشار آرم و ابرے بہ تراوش
زاں دشنہ کہ اندر کفِ جلاد بجنبد

دیتا ہے چمک برق کو اور ابر کو چھینٹا
وہ دشنہ جو اندر کفِ جلاد ہوا ہے

از رشک بہ خوں غلطم و از ذوق برقصم
زاں تیشہ کہ در پنجۂ فرہاد بجنبد

میں دیکھ کے غلطاں ہوں بخوں، رشک کا مارا
وہ تیشہ کہ در پنجۂ فرہاد ہوا ہے

اے آں کہ در اصلاحِ تو ہرگز ندہد سود
چوں طبعِ محبت را رگِ بیداد بجنبد

اصلاح تری کر نہیں سکتا کسی صورت
جس شوق سے تو مائل بیداد ہوا ہے

ق

ہر پویہ کہ گردِ دلِ آگاہ بگردد
ہر چارہ کہ در خاطرِ استاد بجنبد

ہر مایہ جو ہے خاطرِ آگاہ کے اندر
ہر چارہ جو اندر دلِ استاد ہوا ہے

وصلِ تو بہ نیروئے دعا نیست ازیں بعد
خوں باد زمانے کہ بہ اوراد بجنبد

بے کار ہیں سب میری دعائیں کہ نہ تجھ پر
کچھ بھی اثرِ تقویٰ و اوراد ہوا ہے

غالبؔ قلمت پردہ کشائے دمِ عیسیٰ است
چوں بر روشِ طرزِ خدا داد بجنبد

غالبؔ کے قلم میں دمِ عیسیٰ ہوا، جب بھی
وہ بر روشِ طرزِ خدا داد ہوا ہے

خوباں نہ آں کنند کہ کس را زیاں رسد
دل بردتا دگرچہ از آں دلستاں رسد

بدلے میں دل کے سود ملے یا زیاں ملے
جو بھی ملے درست ہے گر دلستاں ملے

دارد خبر دریغ و من از سادگی ہنوز
سنجم ہمی کہ دوست مگر ناگہاں رسد

خط سے اسے دریغ ہے، پھرتے ہیں در بدر
ہم سوچ کر کہ یار کہیں ناگہاں ملے

مقصودِ ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

ہم ڈھونڈتے ہیں دیر و حرم میں حبیب کو
امید پر کہ یاں نہ ملے گر تو واں ملے

دُردی کشاں بہ مے کدہ درہم فتادہ اند
نازم بخواریٔ کہ بہ من ایں میاں رسد

اُلجھے ہوئے ہیں دُرد کشاں بایک و دگر
خواری پہ کرتے ناز ہیں، جو درمیاں ملے

گم شد نشانِ من چو رسیدم بہ کنجِ دیر
مانندِ آں صدا کہ بگوشِ گراں رسد

گم جیسے ہووے جا کے صدا بہرے کان میں
اپنا بہ کنجِ دیر نہ کوئی نشاں ملے

در دامِ بہرِ دانہ نیفتم مگر قفس
چنداں کنی بلند کہ تا آشیاں رسد

آتے نہیں ہیں ہم کسی لالچ سے دام میں
جاتے قفس میں یوں ہیں کہ شاید اماں ملے

رفتم سوئے وے و مژہ اندر جگر خلید
زآں پیشتر کہ سینہ بہ نوکِ سناں رسد

کرتی ہے دُور ہی سے مژہ خونِ دل بہت
قبل اس کے میرا سینہ بہ نوکِ سناں ملے

تیرِ نخست را غلط انداز گفتہ ام
اے وائے گر نہ تیرِ دگر بر نشاں رسد

تیرِ نخست اک غلط انداز تھا ترا
اے وائے گر نہ تیرِ دگر بر نشاں ملے

اُمیدِ غلبہ نیست بہ کیشِ مغاں، در آ
مے گر بہ جزیہ دست نداد، ارمغاں رسد

فاتح نہیں تو کیشِ مغاں اختیار کر
جزیہ ملے تجھے نہ اگر، ارمغاں ملے

خوارم نہ آں چناں کہ دگر مژدۂ وصال
باور کنم اگر ہمہ از آسماں رسد

اتنے تو بے وقوف نہیں، مژدہ وصل کا
باور کریں اگر ہمیں از آسماں ملے

صاحبِ قرانِ ثانی اگر در جہاں نماند
گفتارِ من بہ ثانیِ صاحب قراں رسد

صاحبِ قرانِ شاہِ جہاں گر نہیں رہا
دادِ سخن ز ثانیِ صاحب قراں ملے

چوں نیست تابِ برقِ تجلی کلیم را
کے در سخن بہ غالبِ آتش بیاں رسد

اب طُور پر جو جلوۂ آذر فشاں نہیں
دیکھو کہیں جو غالبِ آتش بیاں ملے

عاشق کہ گفتی اش کہ برَو ، زود میرود
نازم بخواجگی غضب آلود میرود

عاشق اٹھا کے در سے تُو خوشنود ہے بہت
وہ جا رہا مگر غضب آلُود ہے بہت

امشب بہ بزمِ دوست کسے نامِ ما نہ برد
گوئی سخن ز طالعِ مسعود میرود

ہو ذکر بزمِ یار میں میرا، تو کس لیے
واں تو بیانِ طالعِ مسعود ہے بہت

از نالہ ام مرنج کہ آخر شد است کار
شمعِ خموشم و ز سرم دُود میرود

فریاد سے نہ ڈر کہ وہ شمعِ خموش ہوں
شعلہ گیا ہے جس کا، رہا دُود ہے بہت

شادم بہ بزمِ وعظ کہ رامش اگرچہ نیست
بارے حدیثِ چنگ و نے وعود میرود

خوش ہوں کہ بزمِ وعظ میں نغمہ نہیں اگر
پھر بھی حدیثِ چنگ دنے وعود ہے بہت

فردوس جوئے عمر بہ وسواس دادہ را
سرمایہ نیز در ہوسِ سود میرود

سرمایہ عمرِ زاہدِ فردوس خواہ کا
کر دیتی رائیگاں ہوسِ سود ہے بہت

نخوت نگر کہ می خَلد اندر دلش زرشک
حرفے کہ در پرستشِ معبود میرود

سجدے میں دیکھ کر مجھے مسجد میں، یار کے
دل میں چھپے پرستشِ معبود ہے بہت

ما ہم بہ لاغ و لا بہ تسلی شویم کاش
ناداں ز بزمِ دوست چہ خوشنود میرود

رشکِ وفا نگر کہ بہ دعویٰ گہِ رضا
ہر کس چگونہ در پئے مقصود میرود

ق

فرزند زیرِ تیغِ پدر می نہد گلو
گر خود پدر در آتشِ نمرود میرود

غالبؔ خوش است فرصتِ موہوم و فکرِ عیش
تارے کہ نیست در سرِ ایں پود میرود

لا بہ یار سن کے نہ کیوں دل مرا ہوا
ناداں رقیب کی طرح خوشنود ہے بہت

جوشِ وفا تو دیکھ ، بہ دعویٰ گہِ رضا
انساں ہر ایک در پئے مقصود ہے بہت

فرزند زیرِ تیغِ پدر سرنگوں ہے اور
دلکش پدر کو آتشِ نمرود ہے بہت

غالبؔ نہ مانگ فرصتِ موہوم توُ کہ جب
نازک ہے تار تیرا ، تنک پود ہے بہت

دانست کز شہادتم اُمیدِ حور بود
برگشتنم ز دیں دمِ بسمل ضرور بود

کہتا ہے یار، تجھ کو تو اُمیدِ حور ہے
مذہب بدل اگر تجھے مرنا ضرور ہے

رفت آں کہ ما ز حسن مدارا طمع کنیم
سررشتہ در کفِ ارنی گوئے طور بود

کیا حسن سے توقعِ جلوہ کروں کہ اب
موسیٰ ہے صاعقہ ہے شجر ہے نہ طُور ہے

مجرم مسنج رندِ انا الحق سرائے را
معشوقہ خودنما و نگہباں غیور بود

کیا ہے قصور رندِ انا الحق کا اس میں، جب
معشوق خود نما ہے، نگہباں غیور ہے

سالک، نگفتہ ایم کہ منزل شناس نیست
بے جادہ ماند راہ، از آں رُو کہ دُور بود

سالک، یہ مانا ہم نے کہ منزل شناس ہے
پیچیدہ راہِ عشق ہے، معشوق دُور ہے

نازم بہ امتیاز کہ بگذشتن از گناہ
با دیگراں ز عفو، بما از غرور بود

کیا شانِ مغفرت ہے کہ آتا پسند اسے
گا ہے کسی کا عجز ہے، گا ہے غرور ہے

دردِ دلم بہ حشر ز شدت نہفتہ ماند
خوں باد نالۂ کہ ہم آہنگِ صور بود

شدت سے دردِ دل کو چھپاتا ہوں حشر میں
زار و نزار ہیں مرے آہنگِ صور ہے

دل از تو بود و تو پےِ الزامِ ما ز ما
بردی نخست آنچہ ز جنسِ شعور بود

کھونے کا دل کو، جرم لگاتا ہے مجھ پہ وہ
لے جاتا چھین کے مری جنسِ شعور ہے

قطع پیام کردی و دانستم آشتی است
دلالہ خوبرُو و دلم ناصبور بود

قطعِ پیام تیرا بڑا امتحان تھا
دلالہ ہے حسیں، مرا دل ناصبور ہے

دادی صلائے جلوہ و غالبؔ کنارہ کرد
کُو بخشش آں گدا کہ ز غوغا نفور بود

سُن کے صلائے جلوہ ہے غالبؔ کنارہ کش
خلوت میں آ کے رہتا وہ غوغا سے دُور ہے

زگرمیِ نگہت خونِ دل بجوش آمد
زشادیِ ستمت سینہ در خروش آمد

بہ گرمیِ نگہِ یار خوں میں جوش آیا
بہ لطفِ جور و ستم سینہ در خروش آیا

بہ جاں نوید کہ شرم از میانہ ہم رفت
بہ عیش مژدہ کہ وقتِ وداعِ ہوش آمد

بہ جاں نوید کہ شرمِ نگاہِ یار گئی
بہ عیش مژدہ کہ وقتِ وداعِ ہوش آیا

خیالِ یار در آغوشم آنچناں بہ فشرد
کہ شرم اشبم از شکوہ ہائے دوش آمد

خیالِ یار یوں آغوش میں تھا آج کی شب
حجاب سوچ کے، صد شکوہ ہائے دوش آیا

بہ آستیں بہ فشان و بہ تیغ خوش بردار
کہ جاں غبارِ تن و سرو بالِ دوش آمد

اڑا دے تیغ سے سر، گرد جھاڑ کے، بن کر
نفس، غبارِ تن و سر، وبالِ دوش آیا

فدائے شیوۂ رحمت کہ در لباسِ بہار
بہ عذر خواہیِ رندانِ بادہ نوش آمد

فدائے شیوۂ رحمت، بہار بن کے وہ
بہ عذر خواہیِ رندانِ بادہ نوش آیا

ز وصلِ یار، قناعت کنوں بہ پیغام است
خزانِ چشم رسید و بہارِ گوش آمد

وصال گر نہ سہی، یار کا پیام تو ہے
نشاطِ چشم رہی گر نہ، عیشِ گوش آیا

زمامِ حوصلہ نگرفتے و کوہکن جاں داد
چہ نرم شانہ گذشت و چہ سخت کوش آمد

زمامِ حوصلہ فرہاد چھوڑے، جاں دے دے
وہ ایسا دامِ رہائی میں سخت کوش آیا

ترا جمال و مرا مایۂ سخن سازی است
بہارِ زینتِ دکانِ گلفروش آمد

ترے جمال سے، زیبائش سخن سے مری
دکاں سجا کے بہاراں میں گل فروش آیا

مپرس وجہِ سوادِ سفینہ ہا غالبؔ
سخن بمرگِ سخن رس، سیاہ پوش آمد

نہ پوچھ وجہِ سیاہی بیاض کی غالبؔ
سخن، بمرگِ سخن داں سیاہ پوش آیا

بہ عشق از دو جہاں بے نیاز باید بود
مجاز سوز، حقیقت گداز باید بود

بہ جیبِ حوصلہ نقدِ حیات باید ریخت
بہ جانِ شکوہ تغافل طراز باید بود

چو لب ز ہرزہ نوایانِ شوق نتواں شد
چو دل ز پردہ سرایانِ راز باید بود

چو بزمِ عشرتیان تازہ رُو تواں جوشید
چو شمعِ خلوتیاں جاں گداز باید بود

کمر نہفتہ بہ تاراجِ خویش باید بست
شریکِ مصلحتِ سعیِ ناز باید بود

چو شوق بال کشاید، تواں بخود بالید
چو ناز جلوہ گر آید، نیاز باید بود

بہ عشق از دو جہاں بے نیاز ہو جاؤ
مجاز سوز، حقیقت گداز ہو جاؤ

متاعِ زندگی جرات کی جیب میں رکھو
برائے شکوہ تغافل طراز ہو جاؤ

مجالِ ہرزہ نوائیِ شوق لب کو نہ ہو
بہ عشق پردہ سرایانِ راز ہو جاؤ

ہو بزمِ عیش میں شب بھر شگفتہ و تازہ
برنگِ شمعِ سحر جاں گداز ہو جاؤ

خود ہی لٹا کے خموشی سے جان و دل اپنے
شریکِ مصلحتِ سعیِ ناز ہو جاؤ

اگر ہو شوق میں پرواز، فخر و ناز کرو
نمود و ناز ہو گر، صد نیاز ہو جاؤ

بہ صحنِ مے کدہ سرمست می تواں گردید	بہ صحنِ مے کدہ سرشار و مست ہو بیٹھو
بہ کنجِ صومعہ وقفِ نماز باید بود	بہ کنجِ صومعہ وقفِ نماز ہو جاؤ
بہ خوں تپیدۂ ذوق نگاہ نتواں زیست	نہ خوں میں اپنا یوں ذوقِ نگاہ تڑپاؤ
شہیدِ آں مژہ ہائے دراز باید بود	نثار بر مژہ ہائے دراز ہو جاؤ
نگہ ز دیدۂ بیدار جو کہ سائل را	نگاہِ دیدۂ بیدار کو تلاش کرو
بہ گدیہ طالبِ در ہائے باز باید بود	فقیرِ بخششِ درہائے باز ہو جاؤ
چہ بر زراحتِ آزادگی خوری غالبؔ	اگر ہو راحتِ آزادگی طلب غالبؔ
ترا بہ ایں ہمہ با برگ و ساز باید بود	ہوس کو چھوڑ کے، بے برگ و ساز ہو جاؤ

نفس از بیمِ خویت رشتۂ پیچیدہ را ماند
نگہ از تابِ رویت موئے آتش دیدہ را ماند

نفس تندی سے خو کی رشتۂ پیچیدہ ہووے ہے
نگہ تابش سے رخ کی موئے آتش دیدہ ہووے ہے

زجوشِ دل ہنوزش ریشہ درآب است، پنداری
بہ مژگاں قطرۂ خوں، غنچۂ ناچیدہ را ماند

جڑیں رہتی ہیں ڈوبی اسکی دل کے گریہ میں جب بھی
مژہ پر قطرۂ خوں غنچۂ ناچیدہ ہووے ہے

زبس کز لالہ وگل حسرتِ نازِ تو می جوشد
خیاباں محشرِ دلہائے خوں گردیدہ را ماند

ہو جوشِ حسرتِ اندازِ جاناں دل میں جب پیدا
چمن اک محشرِ دلہائے خوں گردیدہ ہووے ہے

خوشا دلدادۂ چشمِ خودش بودن در آئینہ
زسرگرمی نگہ، صیادِ آہو دیدہ را ماند

وہ دیکھے اپنی آنکھیں آئینے میں ہے اگر، اس کی
بہ سرگرمی نگہ، صیادِ آہو دیدہ ہووے ہے

غبار از جادہ تا اوجِ سپہرِ سادہ می بالد
زجوشِ وحشتم صحرا دلِ رنجیدہ را ماند

غبار آلود آہیں دشت کی جاتی فلک تک ہیں
وہ کچھ جوشِ جنوں سے یوں مرے رنجیدہ ہووے ہے

بہ ہر جا می خرامی جلوہ ات درماست، پنداری
دل از آئینہ داری ہائے شوقت دیدہ را ماند

جہاں بھی تُو ہو، تیرا عکس ہردم پاس رہتا ہے
دل اس آئینہ داری سے بشکلِ دیدہ ہووے ہے

چہ غم زافتادگی ہا، چوں رواں پالاست اندوہت
تن از مستی بہ کویت جانِ آرامیدہ را ماند

جو ہوتا دل ہے غم سے تیرے ہم آغوش تو میرے
تنِ بدمست میں اک جانِ آرامیدہ ہووے ہے

بہار از رنگ و بو در پیشگاہِ جلوۂ نازش
گدایانِ نثار از رہگذر برچیدہ را ماند

بہار از رنگ و بو در پیشگاہِ جلوۂ جاناں
فقیروں کو نثارِ رہگذر برچیدہ ہووے ہے

شادم بہ خیالت کہ ز تابم بدر آورد
از کشمکشِ حسرتِ خوابم بدر آورد

ہیں محوِ تصور، تب و تاب ہم کو نہیں ہے
اب کشمکشِ حسرتِ خواب ہم کو نہیں ہے

فریاد کہ شوقِ تو بہ کاشانہ زد آتش
وانگاہ پئے بردنِ آبم بدر آورد

آتش تری اُلفت کی جلاتی تو ہے گھر کو
لانے کی اجازت مگر آب ہم کو نہیں ہے

رسوائیِ من خواست مگر کایں ہمہ سرمست
دورِ فلک از بزمِ شرابم بدر آورد

بدمست، فلک دیکھ کے، رسوائی کی خاطر
چھوڑے کبھی در بزمِ شراب ہم کو نہیں ہے

افگندہ بہ جیحوں فلک از وادی و شادم
کز پیچ و خمِ موجِ سرابم بدر آورد

خوش ہیں جو کیا غرق ہے دریا میں فلک نے
کچھ دشت کا اب خوفِ سراب ہم کو نہیں ہے

جاں بر سرِ مکتوبِ تو از شوق فشاندن
از عہدۂ تحریرِ جوابم بدر آورد

کر دی ہے بصد شوق فدا جاں ترے خط پہ
فکر اب رہی پڑھنے کی جواب ہم کو نہیں ہے

نازم بہ نگاہت کہ ز سرمستیِ انداز
از تفرقۂ مہر و عتابم بدر آورد

قربان نگہ پر ہیں کہ سرمستی سے اس کی
اب تفرقۂ مہر و عتاب ہم کو نہیں ہے

ساقی نگہے، تا بشناسم ز چہ جام است
آں بادہ کہ از بندِ حجابم بدر آورد

بادہ دیا ساقی نے کچھ ایسا جسے پی کر
آنکھوں میں رہا بندِ حجاب ہم کو نہیں ہے

نازم بہ گراں مائگیِ سعیِ تحیر
کز سرحدِ ایں دیرِ خرابم بدر آورد

خوش ہیں بہ گراں مائگیِ سعیِ تحیر
چھوڑے جو دروں دیرِ خراب ہم کو نہیں ہے

غالبؔ ز عزیزانِ وطن بودہ ام، اما
آوارگی از فردِ حسابم بدر آورد

غالبؔ تجھے عزیزانِ وطن میں سے کبھی ہم
کرتا کوئی اب درجِ حساب ہم کو نہیں ہے

نفس بہ گردِ دل از مہرِ می تپد بہ فراقت
چو طائرے کہ بہ سوزانی آشیانش و لرزد

نفس بہ تابِ دلِ زار و ناتواں، لرزے
پرند جس طرح جلنے سے آشیاں، لرزے

منم بہ وصل بہ گنجینہ راہ یافتہ دُزدے
کہ در ضمیر بود بیمِ پاسبانش و لرزد

خزانہ وصل کا پاکر ہوں دُزد کی مانند
جو سُن کے دُور سے آوازِ پاسباں، لرزے

زجنبشِ مژہ مانی دمِ نگہ بہ مستے
کہ بے ارادہ جہد تیر از کمانش و لرزد

کیا ہے جنبشِ مژگاں نے دل، وہ صید مرا
کھنچا جو دیکھ کے ناوک دروں کماں، لرزے

زشیخ وجد بہ شوقِ نشاطِ نغمہ نیابی
مگر بہ دل گزرد مرگِ ناگہانش و لرزد

نہ آیا وجد میں ہے شیخ بے سبب، وہ تو
بہ خوفِ خطرۂ یک مرگِ ناگہاں، لرزے

فغاں زخجلتِ صرافِ کم عیار کہ ناگاہ
بر آورند زرِ قلب از دکانش و لرزد

ملول دیکھ کے صرافِ کم عیار کو ہوں
جو رکھ کے سکۂ جعلی دروں دکاں، لرزے

گر از فشاندنِ جاں شور نیست در سرِ غالبؔ
چرا بہ سجدہ نہد سر بہ آستانش و لرزد

نہ جاں نثاری کا سودا اگر ہے غالبؔ کو
بنا کے قبلہ وہ کیوں اس کا آستاں، لرزے

آنانکہ وصلِ یار ہمی آرزو کنند
باید کہ خویش را بگداز ند وا کنند

لازم ہے، وصلِ یار کی جو آرزو کریں
پہلے وہ ترکِ تفرقۂ من و تُو کریں

وقت است کز روانیِ مے ساقیانِ بزم
پیمانہ را حسابِ لبِ آبِ جو کنند

ہو خوب، گر روانیِ بادہ سے ساقیاں
ساغر کے لب کو ایک لبِ آبِ جو کریں

دیوانہ وجہِ رشتہ ندارد، مگر ہماں
تارے کشد ز جیب کہ چاکے رفو کنند

دیوانگی ہے کیسی، گریباں ادھیڑ کر
دھاگے سے ہم ہیں بیٹھ کے دامن رفو کریں

خونِ ہزار سادہ بہ گردن گرفتہ اند
آنانکہ گفتہ اند نکویاں نکو کنند

گردن پہ اپنی لیتے ہیں سادہ دلوں کا خوں
کہتے ہیں جب وہ ان سے، نکویاں نکو کریں

لب تشنہ جوئے آب شمارد سراب را
می زیبد ار بہ ہستیِ اشیاء غلو کنند

لب تشنہ گر سراب میں دیکھے ہے آبِ جو
ہم بھی نہ کیوں، بہ ہستیِ اشیاء غلو کریں

پیمانہ را بہ ماتمِ صہبا نشاندن است
اے وائے گر ز خاکِ وجودم سبو کنند

محروم بعدِ مرگ بھی مے سے رہوں گا میں
پیدا وہ چاہے خاک سے میری، سبو کریں

آلودۂ ریا نتواں بود غالبا
پاک است خرقہ، کہ بہ مے شست و شو کنند

غالبؔ کبھی نہ ہوگا تُو آلودۂ ریا
ہم تیرا خرقہ مے سے اگر شست و شو کریں

نہ از شرم است کز چشمِ وے آساں بر نمی آید
نگاہش با درازی ہائے مژگاں بر نمی آید

نہیں ہے شرم سے، جو چشمِ جاناں سے نہیں آتا
بصر با ہر درازی ہائے مژگاں سے نہیں آتا

ازیں شرمندگی کز بندِ ساماں بر نمی آید
سرِ شوریدۂ ما از گریباں بر نمی آید

ہے کیونکہ ڈر اسے، سامانِ دنیا چھوڑنا ہوگا
نکل کے سر مرا باہر گریباں سے نہیں آتا

گر از رسوائیِ نازِ تو پروا نیست عاشق را
چرا دل خوں نمی گردد، چرا جاں بر نمی آید

نہ اس کو فکرِ رسوائیِ تری ہے گر، تو خونِ دل
بہ یکدم پھوٹ کر میری رگِ جاں سے نہیں آتا

بہ بزمِ سوختن دود از چراغاں بر نمی خیزد
بہ باغِ خوں شدن بو از گلستاں بر نمی آید

ہے بزمِ سوختن، دودِ چراغاں پر نہیں اس میں
ہے باغِ خوں، شمامہ خوں کا پرواں سے نہیں آتا

سرت گردم بزن تیغ و درے بر روئے دل بکشا
دلم تنگ است کار از زخمِ پیکاں بر نمی آید

ترے قربان، سینہ چیر دے شمشیر سے مرا
فراخِ تنگیِ دل زخمِ پیکاں سے نہیں آتا

ہماں خوں کردن و از دیدہ بیروں ریختن دارد
دلے کز عہدۂ غم ہائے پنہاں بر نمی آید

بہت خوں ہو کے بہنا آنکھ سے، ہے دل کی قسمت میں
جو اس کو چھوٹنا غم ہائے پنہاں سے نہیں آتا

مگر آتش نفس دیوانۂ مُرد از اسیرانت
کہ دود از روزنِ دیوارِ زنداں بر نمی آید

مرا دیوانۂ آتش نفس کیا قیدِ اُلفت میں
دھواں اب روزنِ دیوارِ زنداں سے نہیں آتا

چہ گیرائی است کایں تارِ زمو باریک تر دارد
کسے از دامِ ایں نازک میاناں بر نمی آید

گرفت ایسی کمر کی سخت، جو پکڑا گیا اس میں
وہ چھٹ کے بندشِ نازک میاناں سے نہیں آتا

مجو آسودگی گر مردِ راہی، کاندریں وادی	نہ مردِ راہ کو آرام ہے کوئی کہ پا اس کا
چو خار از پا برآمد، پا ز داماں بر نمی آید	نہ اُلجھے خار سے گر، چھٹ کے داماں سے نہیں آتا
برم پیشِ کہ یارب شکوۂ اندوہِ دل تنگی	کروں کس سے میں یارب شکوۂ اندوہِ دل تنگی
نفس چندانکہ می نالم پریشاں بر نمی آید	گھٹن میں، سانس بیروں دل کے زنداں سے نہیں آتا
بدوشِ خلق نعشم عبرتِ صاجدلاں باشد	بدوشِ خلق میری نعش ہو عبرت حریفوں کو
بپائے خود کسے از کوئے جاناں بر نمی آید	کوئی خود چل کے باہر کوئے جاناں سے نہیں آتا
برآر از بزمِ بحث اے جذبۂ توفیق غالبؔ را	چھُڑا اس بحث سے اے جذبۂ توفیق غالبؔ کو
کہ تُرکِ سادۂ ما با فقیہاں بر نمی آید	کہ بچ کے اس سا سادہ دل فقیہاں سے نہیں آتا

چہ عیش از وعدہ چوں باور زعنوانم نمی آید
بہ نوعے گفت می آیم کہ میدانم نمی آید

سکوں دل کو، ترے آنے کے پیماں سے نہیں ہوتا
کرے جیسے ہے تُو، مجھ کو یقیں ہاں سے نہیں ہوتا

بہ ویرانی خوشم لیکن جہاں چوں بے تو ویراں است
اگر باشم بہ چمیں، یاد از بیابانم نمی آید

ہوں ویرانی پسند اور بِن ترے دنیا جو ویراں ہے
سکوں دل میں ذرا بھی اس بیاباں سے نہیں ہوتا

گذشتم زانکہ بر زخمِ دلِ صد پارہ، خوں گرید
خود او را خندہ بر چاکِ گریبانم نمی آید

ہو کیا امیدِ دلجوئی، کچھ ایسی بے نیازی ہے
وہ شاداں بھی مرے چاکِ گریباں سے نہیں ہوتا

روش نگسستہ و در سایۂ دیوار ننشستہ
بہ کویش رشک بر مہرِ درخشانم نمی آید

نہ کوئے یار میں جس کو ملے دیوار کا سایہ
مجھے رشک ایسے اک مہرِ درخشاں سے نہیں ہوتا

دعائے خیر شد در حقِ من نفریں بجاں کردن
زنفریں بسکہ می رنجد، بلب جانم نمی آید

دعائے خیر کرنی ہو تو مرنے کی دُعا کیجے
کہ عالم ہے نزع کا تن جدا جاں سے نہیں ہوتا

از آں بدخُو ندانم، چوں دہد دلالہ در پیدا
نویدے کز نوازش ہائے پنہانم نمی آید

پیامِ مہر سے تسکیں ہو کیسے یارِ بد خُو کے
یقیں جبکہ نوازش ہائے پنہاں سے نہیں ہوتا

بہ راہِ کعبہ زادم نیست، شادم کز سبکباری
بہ رفتن پائے بر خارِ مغیلانم نمی آید

نہیں زادِ رہِ کعبہ، کچھ ایسی ہے سبکباری
کہ جھگڑا اب کسی خارِ مغیلاں سے نہیں ہوتا

دلش خواہد کہ تنہا سوئے من رُو آورَد لیکن
فریبِ ہمرہاں دانم زنا دانم نمی آید

بِنا دھوکہ دیئے دشمن کو، مجھ سے مل نہیں سکتا
مگر یہ کام اس اک یارِ ناداں سے نہیں ہوتا

دبیرم، شاعرم، رندم، ندیم شیوہ ہا دارم
گرفتم، رحم بر فریاد و افغانم نمی آید

دبیر و رند و شاعر ہوں، نہیں کچھ اور گر ہوں میں
ملائم دل ترا، مانا کہ افغاں سے نہیں ہوتا

شود برہم ولے نہ زمہر، پندارد کہ در خوابم
شبے کآوازِ نالیدن ز زندانم نمی آید

وہ برہم سوچ کے ہوتا ہے، شاید سو گیا قیدی
بلند اک شورِ نالہ جب کہ زنداں سے نہیں ہوتا

ندارم بادہ غالبؔ گر سحر گاہش سِرا ہے
بہ بینی مست، دانی کز شبستانم نمی آید

وہ آغوشِ عدو میں سویا ہوگا ورنہ اے غالبؔ
نکل کے مست یوں وہ ہر شبستاں سے نہیں ہوتا

چوں بپوئی بہ زمیں، چرخ زمینِ تو شود
خوش بہشتے است کہ کس راہ نشینِ تو شود

بہرِ پابوسی تری، چرخ زمیں ہوتا ہے
شاد یہ دیکھ کے ہر راہ نشیں ہوتا ہے

لبم از نامِ تو آں مایۂ پُر استے کہ اگر
بوسہ بر غنچہ زنم، غنچہ نگینِ تو شود

پُر ترے نام سے یوں ہیں مرے لب، گر چوموں
لبِ غنچہ پہ ترا نام نگیں ہوتا ہے

چوں بہ سنجد کہ نہ آن است بکاہد از شرم
ماہ یکچند ببالد کہ جبینِ تو شود

چاند گر چاہے کہ بن جائے حسیں تجھ جیسا
دیکھ کر بیش خجل تیری جبیں ہوتا ہے

صد قیامت بگدازند و بہم آمیزند
تا خمیرِ دلِ ہنگامہ گزینِ تو شود

صد قیامت کو ملاتے ہیں، ترا جا کر تب
اک خمیرِ دلِ ہنگامہ گزیں ہوتا ہے

تابِ ہنگامۂ درد آرم و گویم ہیہات
چہ کنم تا غمِ ہجرِ تو یقینِ تو شود

خاک ہو جاتا ہوں جل جل کے غمِ ہجر میں، پر
کسی صورت نہ اسے اس کا یقیں ہوتا ہے

بہ سخن پیچم و اندوہ گسارش گردم
برم از غیر دلے را کہ حزینِ تو شود

صد غلو کر کے سناتا ہوں حکایاتِ ستم
تب کہیں جا کے دلِ غیر حزیں ہوتا ہے

جلوہ جز در دلِ آگاہ سرایت نکند
من در آتش فتم از ہر کہ قرینِ تو شود

جلوہ کرتا ہے سرایت دل آگاہ میں بس
دُور عرفاں سے عدو، تیرے قریں ہوتا ہے

چشم و دل باختہ ام، دادِ ہنر خواہد داد
آں کہ چوں من ہمہ دان و ہمہ بینِ تو شود

کھووے ہے دیدہ و دل اپنے وہ میری مانند
جو بھی تیرا ہمہ دان و ہمہ بیں ہوتا ہے

کفر و دیں چیست جز آلائشِ پندارِ وجود
پاک شو پاک کہ ہم کفرِ تو دینِ تو شود

کفر و دیں کچھ نہیں، آلائشِ پندار ہے سب
ہووے جو پاک، اسے کفر بھی دیں ہوتا ہے

دوزخِ تافتۂ ہست نہادت غالبؔ
آہ زاں دم کہ دمِ باز پسینِ تو شود

جب ترے سانس میں ہے آتشِ دوزخ غالبؔ
آہ وہ دم کہ دمِ باز پسیں ہوتا ہے

دیگر از گریہ بدل رسمِ فغاں یاد آمد
رگِ پیمانہ زدم ، شیشہ بفریاد آمد

دل در افروختنش منتِ دامن نکشید
شادم از آہ کہ ہم آتش دہم باد آمد

تا نہ دانی جگرِ سنگ کشودم ہدر است
تیشہ داند کہ چہا بر سرِ فرہاد آمد

داغم از گرمیِ شوقِ تو کہ صد رہ بہ دلم
ہمچناں بر اثرِ شکوۂ بیداد آمد

خیز و در ماتمِ ما سرمہ فروشوے ز چشم
وقتِ مشاطگیِ حسنِ خدا داد آمد

رفتہ بودی وگر از جا بہ سخن سازیِ غیر
منت از بخت کہ خاموشیِ ما یاد آمد

شب جو ساقی کو مرا طورِ فغاں یاد آیا
فصدِ پیمانہ کھلی ، شیشہ بفریاد آیا

سوختہ دل مرا منت کشِ داماں نہ ہوا
مرحبا سانس تو با آتش و با باد آیا

چیرنا تیشے کو کافی نہ دلِ سنگ ہوا
جب نہ پتھر پہ گرا ، بر سرِ فرہاد آیا

سوختہ کرنے اسے ، عشق بصد رہ دل میں
باوجودِ اثرِ شکوۂ بیداد آیا

میرے ماتم میں بہا آنکھ سے سرمہ کہ ترا
وقتِ مشاطگیِ حسنِ خدا داد آیا

دیکھ کے شورشِ و واویلا و غوغائے عدو
شکرِ ایزد کہ اسے ضبط مرا یاد آیا

خشک و تر سوزیِ ایں شعلہ تماشا دارد
عشق یک رنگ کنِ بندہ و آزاد آمد

خشک و تر سوزیِ شعلہ کا تماشا دیکھو
عشق یک رنگ کئے بندہ و آزاد آیا

دید پُر ریختہ و از قفسم کرد آزاد
رحم در طینتِ ظالم ستم ایجاد آمد

بے پر و بال مجھے دیکھ کے، آزاد کیا
قلب میں رحم بھی اس کے ستم ایجاد آیا

بر درِ یار چہ غوغاست، عزیزاں بر دید
خوں بہا مزدِ سبکدستیِ جلاد آمد

بے اذیت جو مجھے قتل کیا تو اس کو
کتنا غصہ بہ سبکدستیِ جلاد آیا

دادہ خونیں نفسی درسِ خیالم غالبؔ
رنگ بر روئے من از سیلیِ استاد آمد

جب دیا درس تجھے خوں نفسی نے غالبؔ
رنگ چہرے پہ بیک سیلیِ استاد آیا

دوش کز گردشِ بختم گلہ بر روئے تو بود
چشم سوئے فلک و روئے سخن سوئے تو بود

گلۂ بخت کیا میں نے جو بر روئے تو
چشم تھی سوئے فلک، روئے سخن سوئے تو

آنکہ شب شمع گماں کردی و رفتی بہ عتاب
نفسم پردہ کشائے اثرِ خوئے تو بود

تو سمجھتا تھا جسے شمعِ شبستاں میری
آہ تھی ایک، تھا جس پر اثرِ خوئے تو

چرخِ کج باخت بہ من، در خمِ دامِ تو فگند
نعلِ وارونِ بلا حلقۂ گیسوئے تو بود

چل گیا چال فلک، ڈال دیا اس نے مجھے
دامِ پیچاں میں جو ہے حلقۂ گیسوئے تو

دوست دارم گرہے را کہ بکارم زدہ اند
کایں ہمانست کہ پیوستہ در ابروئے تو بود

میرے کاموں میں جو ڈالی ہے گرہ قسمت نے
مجھ کو پیاری ہے کہ ہے صورتِ ابروئے تو

چہ عجب صانع اگر نقشِ دہانت گم کرد
کو خود از حیرتیانِ رخِ نیکوئے تو بود

گم کیا نقشِ دہن تیرا اگر خالق نے
وہ بھی حیراں تھا بنا کے رخِ نیکوئے تو

شب چہ دانی، زتو در بزم بہ خوباں چہ گزشت
خاصہ بر صدرنشینے کہ بہ پہلوئے تو بود

دیکھ کے بزم میں بدحال تھے خوباں تجھ کو
خاص کر صدر جو بیٹھا تھا بہ پہلوئے تو

مُردن و جاں بہ تمنائے شہادت دادن
ہم ز اندیشۂ آزردنِ بازوئے تو بود

مرگیا لے کے تمنائے شہادت دل میں
مجھ کو منظور نہ تھی زحمتِ بازوئے تو

خُلد را از نفسِ شعلہ فشاں می سوزم
تا ندانند حریفاں کہ سرِ کوئے تو بود

روشِ بادِ بہاری بہ گمانم افگند
کایں گل و غنچہ پئے قافلۂ بوئے تو بود

بہ کفِ باد مباد ایں ہمہ رسوائیِ دل
کآخر از پردگیانِ شکنِ موئے تو بود

لالہ و گل دمد از طرفِ مزارش پسِ مرگ
تا چہا در دلِ غالبؔ ہوسِ روئے تو بود

نفسِ شعلہ فشاں سے میں جلاتا ہوں بہشت
تا سمجھ بیٹھیں حریفاں نہ اسے کوئے تو

روشِ بادِ بہاری سے مجھے لگتا ہے
ہیں گل و غنچہ پئے قافلۂ بوئے تو

مشکبو کر کے صبا، دل کی نہ کر رسوائی
کہ یہ ہے قیدیِ پیچ و خمِ گیسوئے تو

اک ہجومِ گل و لالہ ہے لحد پر اس کی
دلِ غالبؔ میں تھی ایسی ہوسِ روئے تو

گر چنین نازِ تو آمادہ یغما ماند
بہ سکندر نہ رسد ہر چہ ز دارا ماند

تو اگر ناز سے آمادۂ یغما ہووے
تیرے پاؤں کے تلے دولتِ دارا ہووے

دل و دینے بہ بہائے تو فرستم حاشا
وام گیر آنچہ ز بیعانۂ سودا ماند

دل و دیں جب دیئے قیمت میں تو ہنس کے بولا
کچھ بھی کافی نہ یہ بیعانۂ سودا ہووے

ہم بہ سودائے تو خورشید پرستم آرے
دل ز مجنوں برد آہو کہ بہ لیلیٰ ماند

مجھ کو خورشید ہے چہرہ ترا، چشمِ آہو
جیسے مجنوں کے لیے دیدۂ لیلیٰ ہووے

با وجودِ تو دم از جلوہ گری نتواں زد
در گلستانِ تو طاؤس بہ عنقا ماند

تُو ہے موجود مگر جلوے سے محروم ہوں میں
وائے گلشن جہاں طاؤس بھی عنقا ہووے

شکوۂ دوست ز دشمن نتوانم پوشید
گر غمِ ہجر چنیں حوصلہ فرسا ماند

شکوۂ یار کو دشمن سے چھپائیں کیسے
یوں غمِ ہجر اگر حوصلہ فرسا ہووے

سازِ آوازۂ بدنامیِ رہزن شدن است
آہ از آں خستہ کہ از پویہ بہ رہ واماند

سازِ آوازۂ بدنامیِ رہزن ہے وہ
راہرو تھک کے جو اک راہ میں بیٹھا ہووے

بندہَ را کہ بفرمانِ خُدا راہ رود
نگذارند کہ در بندِ زلیخا ماند

بندہ چلتا ہے جو فرمانِ خداوندی پر
وہ کبھی قید نہ در بندِ زلیخا ہووے

مہ بباغ از افقِ سرو شبے کرد طلوع
سرو گفتند و بداں ماہ سراپا ماند

چاند نکلا افقِ سرو سے ہے باغ میں یوں
بزم میں جیسے کوئی ماہ سراپا ہووے

بعدِ صد شکوہ بہ یکِ عذر تسلی نہ شوم
کایں چنیں مہر ز سردی بہ مدارا ماند

بعدِ صد شکوہ بہ یک عذر تسلی نہ ہوئی
سرد مہری کا تری یوں نہ مداوا ہووے

در بغل دشنہ نہاں ساختہ غالبؔ امروز
مگذارید کہ ماتم زدہ تنہا ماند

آج غالبؔ جو ہے پہلو میں چھپائے دشنہ
دیکھنا یہ نہ کہیں غم زدہ تنہا ہووے

در کلبۂ ما از جگرِ سوختہ بو برد
با ما گلہ سنجید و شماتت بہ عدو برد

آتی جو اُسے سوختہ دل کی مرے بو ہے
حالت سے مری کرتا وہ آگاہ عدو ہے

خواہم کہ برد نالہ غبارم ز دلِ دوست
چوں گریہ تنِ زارِ مرا زآں سرِ کو برد

ہو بات، وہ گر دل کی کدورت تری دھوئے
گریہ جو مجھے لاتا بہا کے سرِ کُو ہے

ہمرہ رودش کوثر و حوراں کہ دمِ مرگ
ذوقِ مئے ناب و ہوسِ روئے نکو برد

ہیں قبر میں بھی کوثر و حوراں اسے، جس کو
ذوقِ مئے ناب و ہوسِ روئے نکو ہے

بستند رہِ جرعۂ آبے بہ سکندر
دریوزہ گرِ مے کدہ صہبا بہ کدو برد

قطرہ نہ ملا ایک سکندر کو بھی جس کا
وہ آب فقیروں کو دیا بھر کے سبو ہے

دی رند بہ ہنگامہ خجل کرد عسس را
مے خورد و ہم از مے کدہ آبے بہ سبو برد

شرمندہ کیا رند نے کل رات عسس کو
پی کے، وہ گیا لے کے جو پُر مے سے سبو ہے

بر ما غمِ تیمارِ دلِ زار سر آمد
دیوانۂ ما را صنمِ سلسلہ مو برد

غم خواری سے فرصت ہے دلِ زار کی ہم کو
وہ جب سے اسیرِ صنمِ سلسلہ مو ہے

دلدارِ تو ہم چوں تو فریبندہ نگارے است
در حلقہ وفا یک دلم آورد، دورُو برد

دلبر ترا اے دوست ہے کچھ ایسا فریبی
آئے یہاں یک دل ہے، تو جائے وہ دورُو ہے

یک گریہ پس از ضبطِ دو صد گریہ رضا دہ
تا تلخیِ آں زہر توانم ز گلو برد

آنسو میں بہانے کے اجازت مجھے ملتی
یہ زہر، کرے ضبط میں جو تلخ گلو ہے

نازد بہ نکویاں بہ گرفتاریِ غالبؔ
گوئی بہ گرو برد دلے را کہ ازو برد

ہے ناز حسینوں میں اُسے زُلف پہ اپنی
جب سے ہوئی غالبؔ کی گرفتاریِ مو ہے

نادان صنمِ من روشِ کار نداند
برہر کہ کند رحم، سر از بار نداند

ناداں ہے مرا بت، روشِ کار نہ جانے
کرنے میں کرم فرقِ سر و بار نہ جانے

بے دشنہ و خنجر نبود معتقدِ زخم
دلہائے عزیزاں بہ غم افگار نداند

ہے معتقدِ دشنہ و خنجر وہ کچھ ایسا
غم کیسے کرے دل کو ہے افگار نہ جانے

بر تشنہ لب بادیہ سوزد دلش از مہر
اندوہِ جگر تشنۂ دیدار نداند

تشنہ لبِ صحرا پہ کرے رحم مگر وہ
اندوہِ دلِ تشنۂ دیدار نہ جانے

گویم سخن از رنج و بہ راحت کندش طرح
روزِ سیہ از سایۂ دیوار نداند

ہے رنج بھی راحت اسے، سادہ ہے کچھ ایسا
روزِ سیہ از سایۂ دیوار نہ جانے

دل را بہ غم آتش کدۂ راز نہ سنجد
دم را بہ تفِ نالہ شرر بار نداند

آتش کدۂ راز کا کچھ علم نہ اس کو
کچھ وہ مری فریادِ شرر بار نہ جانے

عنوانِ ہوا داریِ احباب بہ بیند
پایانِ ہوسناکیِ اغیار نداند

عنوانِ ہوا داریِ احباب نہ دیکھے
پایانِ ہوسناکیِ اغیار نہ جانے

دشوار بود مردن و دشوار تر از مرگ
آنست کہ من میرم و دشوار نداند

دشوار ہے مرنا تو ہے دشوار تر اس سے
مرنے کو اگر وہ مرے دشوار نہ جانے

دانم کہ ندانست و ندانم کہ غمِ من
خود کمتر از آن است کہ بسیار نداند

وہ جانتا غم ہے نہ مرا، میں بھی نہ جانوں
گزرا ہے غم اس حد سے کہ بسیار نہ جانے

از ناکسیِ خویش چہ مقدار عزیزم	آئی ہے پسند اس کو مری ناکسی ایسی
در عربدہ خوارم کند و خوار نداند	کر کے وہ مجھے خوار بھی، کچھ خوار نہ جانے
گردم سرِ آوازۂ آزادگیِ خویش	مشہور ہے آزادگی کچھ ایسی، کوئی بھی
صد رہ نہدم بند و گرفتار نداند	ہوں قید مگر مجھ کو گرفتار نہ جانے
فصلے ز دل آشوبیِ درماں بسرائید	خوش ہوں کہ مرے درد کا درماں نہیں کوئی
تا چند بخود پیچم و غمخوار نداند	اور دل کی تڑپ بھی مری غمخوار نہ جانے
پیمانہ بر آں رند حرام است کہ غالبؔ	اس رند کو پیمانہ مناسب نہیں غالبؔ
در بے خودی اندازۂ گفتار نداند	مستی میں جو اندازۂ گفتار نہ جانے

خوشم کہ گنبدِ چرخِ کہن فرو ریزد
اگرچہ خود ہمہ بر فرقِ من فرو ریزد

ہو خوب، فتنہ جو چرخِ کہن سے گر جائے
وہ گرچہ سر پہ مرے شوخ پن سے گر جائے

بریدہ ام رہِ دُورے کہ گر بیفشانم
بجائے گرد، رواں از بدن فرو ریزد

میں چل کے دُور سے آیا ہوں اتنی، گر جھاڑوں
بجائے گرد، مری جاں بدن سے گر جائے

ز جوشِ شکوۂ بیدادِ دوست می ترسم
مبادا مُہرِ سکوت از دہن فرو ریزد

ہے جوشِ گریۂ بیدادِ یار سے خطرہ
کہیں نہ مُہرِ خموشی دہن سے گر جائے

مرا چہ قدر بکوئے کہ نازنیناں را
غبارِ بادیہ از پیرہن فرو ریزد

ہو قدر کیا مری اس کُو میں، یاں اگر جھاڑو
غبار یار کے بھی پیرہن سے گر جائے

مکن بہ پرسشم از شکوہ منع کیں خونے است
کہ خود ز زخم دمِ دوختن فرو ریزد

نہ حال پوچھ کہ شکوہ ہمارا بن کے خوں
کہیں نہ بخیۂ زخمِ کہن سے گر جائے

بمن بساز و بداں غمزہ مے بجام مریز
کہ ہوشم از سر و تابم ز تن فرو ریزد

سنبھال مجھ کو، نہ غمزے سے یوں پلا کہ کہیں
نہ ہوش سر سے مرے، تاب تن سے گر جائے

بہ ذوقِ بادہ کہ بس آب در دہن گردد
مۓ ناخوردہ مرا از دہن فرو ریزد

بھرا ہے پانی مرے منہ میں ذوقِ بادہ سے
نخوردہ مے نہ کہیں یہ دہن سے گر جائے

بترس زآنکہ بہ محشر ز طرۂ طرار
دلِ شکستہ ام از ہر شکن فرو ریزد

ہے خوفِ طرۂ طرار یہ، قیامت میں
دلِ شکستہ نہ اس کی شکن سے گر جائے

رواست غالبؔ اگر درِ قائلش گوئی
کہ از لبش ز روانی سخن فرو ریزد

روا ہے تجھ کو بھی غالبؔ وہ بات، یار کے جو
اگر بہ جوشِ روانی، دہن سے گر جائے

اگر بہ دل نہ خلد ہر چہ از نظر گذرد
خوشا روانیِ عمرے کہ در سفر گذرد

اگر نہ دل میں چبھے، جو بھی از نظر گزرے
خوشا، روانیِ عمرے کہ در سفر گزرے

بوصل لطف باندازۂ تحمل کن
کہ مرگِ تشنہ بود آب چوں ز سر گذرد

بوصل لطف باندازۂ تحمل کر
کہ تشنہ غرق ہو، سر پہ سے آب گر گزرے

ہلاکِ نالۂ خویشم کہ در دلِ شب ہا
دَود بہ عربدہ چندانکہ از اثر گذرد

ہلاکِ نالہ ہوں اپنا کہ ہجر میں شب بھر
جھگڑ جھگڑ کے مری دل سے رات بھر گزرے

ازیں آریب نگاہاں حذر کہ ناوکِ شاں
بہر دلے کہ رسد راست از جگر گذرد

بچائے تیر سے ترچھی نظر کے مجھ کو خدا
جگر میں جا کے رکے، دل سے یہ اگر گزرے

نفس ز آبلہ ہائے دلم بر آرد سر
چناں کہ رشتہ در آمودن از گہر گذرد

نفس ابھرتا ہے یوں دل کے آبلوں سے مرا
کہ تار جیسے پروتا ہوا گہر گزرے

حریفِ شوخیِ اجزائے نالہ نیست شرر
کہ آں بروں جہد و ایں ز خارا در گذرد

حریفِ شوخیِ اجزائے نالہ ہے نہ شرر
وہ بھاگے سنگ سے، یہ اس میں بے خطر گزرے

کند خدنگِ تو قطعِ خصومتِ من و غیر
مرا خود از دل و او را ہم از نظر گذرد

یوں مجھ میں، غیر میں کرتا ہے فرق تیر ترا
لگے نہ اس کو، مرا چیر کر جگر گزرے

ز شعلہ خیزیِ دل بر مزارِ ما چہ عجب
کہ برق، مرغِ ہوا را زبال و پر گذرد

ہے شعلہ خیزیِ دل مر کے بھی نہ برق سے کم
جلا کے مرغِ ہوا کے یہ بال و پر گزرے

شکستِ ما بہ عدم نیز ہمچناں پیداست
بہ صورتِ سرِ زلفے کہ از کمر گذرد

خوشا گلے کہ بہ فرقِ بلند بالائیت
دمد ز شاخ و ازیں سبز کاخ در گذرد

دماغِ محرمیِ دل رساندن آساں نیست
چہا کہ بر سرِ خارا ز شیشہ گر گذرد

حریفِ منتِ احباب نیستم غالبؔ
خوشم کہ کارِ من از سعیِ چارہ گر گذرد

شکست میری عدم میں ہے پیچ و خم سے بھری
بہ صورتِ سرِ زلفے کہ از کمر گزرے

خوشا وہ گل جو ہے زلفِ بلند بالا میں
ابھر کے خاک سے کیسے یہ عرش پر گزرے

نہیں ہے آشنا عرفانِ دل سے ہونا سہل
بدستِ شیشہ گراں کیا نہ سنگ پر گزرے

حریفِ منّتِ احباب میں نہیں غالبؔ
خوش ہوں کہ زندگی بے سعیِ چارہ گر گزرے

شوخیِ چشمِ حبیب فتنۂ ایام شد
قسمتِ بختِ رقیب گردشِ صد جام شد

شوخیِ چشمِ حبیب اک فتنۂ ایام ہے
قسمتِ عاشق کو دیتی گردشِ صد جام ہے

تا تو با عزمِ حرم ناقہ فگندی بہ راہ
کعبہ ز فرشِ سیاہ مردمک احرام شد

کرتا جب عزمِ حرم ہے وہ، تو سن کے یہ خبر
بہرِ استقبال کعبہ باندھتا احرام ہے

پیچ و خمِ دستگاہ کرد فزوں حرص و جاہ
ریشہ چوں آمد بروں، دانۂ ما دام شد

پیچ و خم دولت کے کرتے ہیں فزوں حرص و ہوس
پھیلتا جب گر کے دانہ ہے تو بنتا دام ہے

ہست تفاوت بسے ہم ز رطب تا نبیذ
لذتِ دیگر دہد بوسہ چو دشنام شد

ذائقہ خرمے کا جیسے ہو فزوں بننے سے مے
دیوے لذت بیش بوسہ جب بنے دشنام ہے

اے کہ ترا خواستم لب ز مکیدن فگار
خود لبم اندر طلب خستۂ ابرام شد

کرنا زخمی چاہتا تھا لب میں تیرا چوم کر
میرا لب لیکن ہوا خود خستۂ ابرام ہے

گر ہمہ مہری برو در ہمہ چشمی بخسپ
صبحِ امیدِ مرا روزِ سیہ شام شد

ماہ رخ تیرا ہے مانا، چشم پُر افسوں سہی
پر سیہ روزی مری کرتی سحر کو شام ہے

سادہ دلم در اُمید، خشمِ تو گیرم بہ مہر
بوسہ شود در لبم ہرچہ از پیغام شد

ہمچو خسے کش شرر چہرہ کشائی کند
صورتِ آغازِ ما معنیِ انجام شد

دیگرم از روزگار شکوہ چہ در خور بود
نالہ شرر تاب شد، اشک جگر فام شد

اے شدہ غالبؔ ستائے، دشمنیِ بخت بیں
خود صفتِ دشمن است آنچہ مرا نام شد

سادہ دل ہوں، دیکھتا ہوں قہر میں تیرے کرم
بوسہ بن جاتی لبوں پر تلخیِ پیغام ہے

آگ بن جانے سے پہلے ہیچ جیسے خس لگے
صورتِ آغاز میری معنیِ انجام ہے

شکوہ کرنے سے زمانے کا نہیں کچھ فائدہ
نالہ آتش بار ہے اور اشک آتش فام ہے

کہتا غالبؔ ہے مجھے تُو، دیکھ ظلمِ بخت کو
ہے صفت دشمن کی، میرا تو فقط یہ نام ہے

نیست وقتے کہ بہ ما کاہشے از غم نرسد
نوبتِ سوختنِ ما بہ جہنّم نرسد

ہے گھڑی کوئی کہ سوزش نہ ملے، غم نہ ملے
ہم میں ہے آگ وہ، جو تجھ میں جہنّم نہ ملے

دُوریِ درد ز درماں نشناسی، ہشدار
کز طپیدن دلِ افگار، بہ مرہم نرسد

دلِ افگار کو ہے دُوریِ درماں ایسی
جس قدر چاہے وہ تڑپے، اسے مرہم نہ ملے

مے بہ زہاد مکن عرض کہ ایں جوہرِ ناب
پیشِ ایں قوم بہ شوربۂ زمزم نرسد

زاہدوں کو نہ پلا مے کہ نہیں جا سکتی
تشنگی ان کی، جو شوربۂ زمزم نہ ملے

خواجہ فردوس بہ میراث تمنّا دارد
وائے گر در روشِ نسل بہ آدم نرسد

کرتے یہ لوگ ہیں میراث میں جنّت کی طلب
کیا ہو، شیخوں کو اگر نسل بہ آدم نہ ملے

صلہ و مزد میندیش کہ در ریزشِ عام
لالہ از داغ و گل از چاک، بہ شبنم نرسد

ہے یہ سب اس کا کرم ورنہ تو بے فیضِ خدا
داغِ لالہ کو ذرا بخششِ شبنم نہ ملے

بہرہ از سرخوشیم نیست، دماغم عالی است
بادہ گر خود بود از مے کدۂ جم نرسد

ملی ایسی ہے مجھے عالی دماغی کہ مرے
دل کو تسکیں بہ مئے مے کدۂ جم نہ ملے

ہر چہ بینی بہ جہاں حلقۂ زنجیرے ہست
ہیچ جا نیست کہ ایں دائرہ باہم نرسد

دیکھو دنیا میں جہاں، حلقۂ زنجیر ہے واں
ہے جگہ کوئی جہاں دائرہ باہم نہ ملے

فرخا لذتِ بیداد کزیں راہگذر
بہ کساں می رسد آنکس کہ بہ خود ہم نرسد

کس قدر ملتی ہے بیداد میں لذّت اس کو
ظلم غیروں پہ کیا، جب بھی کبھی ہم نہ ملے

ہر کجا دشنۂ شوقِ تو جراحت بارد
جز خراشے بہ جگر گوشۂ اوہم نرسد

دشنۂ شوق کرے سب پہ جراحت لیکن
جز خراش اک بہ جگر گوشۂ اوہم نہ ملے

ق

طوبیٔ فیضِ تو ہر جا گل و بار افشاند
جز نسیمے بہ پرستش گہِ مریم نرسد

طوبیٔ فیض کے ہر جا ہیں گل و بار مگر
جز صبا کچھ بہ پرستش گہِ مریم نہ ملے

سوزد از تابِ سمومِ دمِ گرمم غالب
دل گرش تازگی از اشکِ دمادم نرسد

جلے غالب وہ تری تابِ سمومِ دم سے
دل کو گر تازگی از اشکِ دمادم نہ ملے

آزادگی ست سازے اما صدا ندارد
از ہرچہ درگذشتیم آوازِ پا ندارد

آزادگی ہے نغمہ لیکن صدا نہ رکھے
جاتا ہے چھٹ کے جو کچھ، آوازِ پا نہ رکھے

عشق است و ناتوانی، حسن است و سرگرانی
جور و جفا نتابم، مہر و وفا ندارد

یاں عشق و ناتوانی، واں حسن و سرگرانی
تابِ جفا نہ ہم کو، کچھ وہ وفا نہ رکھے

فارغ کسے کہ دل را با درد واگذارد
کشتِ جہاں سراسر دار و گیا ندارد

فارغ ہے وہ جو دل کو دکھ کے سپرد کردے
دنیا کا پتہ بُوٹا کوئی دوا نہ رکھے

اے سبزۂ سرِ رہ از جورِ پا چہ نالی
در کیشِ روزگاراں گل خوں بہا ندارد

اے سبزۂ سرِ رہ پامال تُو ہے لیکن
دورِ فلک میں گل بھی کچھ خوں بہا نہ رکھے

صدرہ دریں کشاکش بگذشتہ در ضمیرش
رنجورِ عشق گوئی آہِ رسا ندارد

اتری ہے دل میں اس کے، نکلی جو دل سے میرے
کہتے ہیں لوگ، عاشق آہِ رسا نہ رکھے

ہر مطلعے کہ ریزد از خامہ ام فغان است
جز نغمۂ محبت سازم نوا ندارد

مطلع ہر اک جو ٹپکے خامے سے، اک فغاں ہے
جز آہ، ساز میرا کوئی نوا نہ رکھے

جاں در غمت فشاندن مرگ از قفا ندارد
تن در بلا فگندن بیمِ بلا ندارد

مرتا نہیں ہے کوئی جاں دے کے غم میں تیرے
دل جو گھرے بلا سے، خوفِ بلا نہ رکھے

بر خویشتن بہ بخشا گفتم دگر تو دانی
دارم دلے کہ دیگر تابِ جفا ندارد

جور و ستم کا مانا، ہے تجھ کو شوق لیکن
دل میرا اب ذرا بھی تابِ جفا نہ رکھے

مهرش ز بے دماغی ماناست با تغافل	لگتا ہے بے رخی میں اس کا کرم تغافل
یارب ستم مبادا بر ما روا ندارد	ایسا نہ ہو، ستم بھی اب وہ روا نہ رکھے
چشمے سیاہ دارد یعنی بما نہ بیند	ہے نورِ چشم لیکن ہم پر نظر نہ ڈالے
روئے چو ماہ دارد اما بما ندارد	مہ رخ ہے اور چہرہ ہم پر کھلا نہ رکھے
چوں لعلِ تست غنچہ اما سخن نداند	شکلِ دہن ہے غنچہ لیکن سخن نہ جانے
چوں چشمِ تست نرگس اما حیا ندارد	نرگس ہے چشم صورت لیکن حیا نہ رکھے
آبش گدازِ خاکے، بادش تفِ بخاری	پانی گدازِ خاکی، بادِ نسیم آتش
دہلی بمرگِ غالب آب و ہوا ندارد	دلی قسم ہے غالب آب و ہوا نہ رکھے

شوقم ز بند بر درِ فریاد می زند
بر آتشِ من آب، دم از باد می زند

سن پند، شوق مائلِ فریاد ہو گیا
پانی جو ڈالا آگ پہ تھا، باد ہو گیا

تا افگنی چہ ولولہ اندر نہادِ ما
کآئینہ از تو موجِ پری زاد می زند

ہم میں نہ تابِ دید تھی، پر دیکھ کر تجھے
بے تاب آئینہ بھی پری زاد ہو گیا

از جوئے شیر و عشرتِ خسرو نشاں نماند
غیرت ہنوز طعنہ بہ فرہاد می زند

خواہش تھی جوئے شیر کی پرویز کو ولے
کیوں راضی کارِ غیر پہ فرہاد ہو گیا

ہرگز مذاقِ دادِ اسیری نبودہ است
یا نالہ کہ مُرغِ قفس زاد می زند

اس کو مذاقِ دردِ اسیری نہ مل سکا
گریاں اگرچہ مُرغِ قفس زاد ہو گیا

ممنونِ کاوشِ مژہ و نیشتر نیم
دل موجِ خوں ز دردِ خدا داد می زند

ممنونِ کاوشِ مژہ و نیشتر نہ تھا
دل میرا خوں بدردِ خدا داد ہو گیا

خونے کہ دی بجیبم از و خار خار بود
امروز گل بہ دامنِ جلاد می زند

تھا خار خار خوں جو گریباں میں کل مرے
وہ آج گل بہ دامنِ جلاد ہو گیا

اندر ہوائے شمع ہمانا زبال و پر
پروانہ دشنہ در جگرِ باد می زند

اندر ہوائے شمع، جلا کر وہ بال و پر
پروانہ دشنہ در جگرِ باد ہو گیا

زیں بیش نیست قافلۂ رنگ را درنگ
گل یک قدح بہ سایۂ شمشاد می زند

چوں دید کز شکایتِ بیداد فارغم
بر زخمِ سینہ ام نمکِ داد می زند

تا دستبردِ آتشِ سوزاں دہد بہ باد
سنگ از شرار خندہ بہ پولاد می زند

غالب سرشکِ چشمِ تو عالم فرو گرفت
موجے است دجلہ را کہ بہ بغداد می زند

ہے قافلۂ رنگ نہ بیش اس سے کچھ کہ گل
شاد اک نفس بہ سایۂ شمشاد ہو گیا

چھڑکا ہے دے کے داد، مرے زخم پر نمک
دھیما کبھی جو شکوۂ بیداد ہو گیا

پتھر لٹا کے آتشِ سوزانِ اندروں
خنداں بصد شرار بہ فولاد ہو گیا

رویا ہے آج غالبِ خستہ کچھ اس قدر
پُر خوں سے اس کے دجلۂ بغداد ہو گیا

باید ز مے ہر آئینہ پرہیز، گفتہ اند
آرے دروغِ مصلحت آمیز گفتہ اند

مے سے ہمیشہ چاہیئے پرہیز، کہہ دیا
یہ کیا دروغِ مصلحت آمیز کہہ دیا

فصلے ہم از حکایتِ شیریں شمردہ ایم
آں قصۂ شکر کہ بہ پرویز گفتہ اند

ہے باب وہ حکایتِ شیریں کا ایک، جو
یوں شکریں قصّۂ بہ پرویز کہہ دیا

خوں ریختن بہ کوئے تو کردارِ چشمِ ماست
مردم ترا برائے چہ خوں ریز گفتہ اند

خوں ریز تیرے کوچے میں ہو میری چشم آپ
لوگوں نے کس لئے تجھے خوں ریز کہہ دیا

گوییم ز سوزِ سینہ و گوید کہ ایں ہمہ
تا خود نگشتہ آتشِ دل تیز گفتہ اند

شیوہ تھا خامشی ولے صد قصہ سوزِ دل
اک دن ہوئی جو آتشِ دل تیز، کہہ دیا

نہ شگفت دل ز یادِ تو، گوئی دروغ بود
از نوبہار آنچہ بہ پائیز گفتہ اند

کہہ کر کہ دل فسردہ ہوا یاد سے تری
تُو نے تو نوبہار کو پائیز کہہ دیا

نازے بصد مضائقہ، عجزے بصد خوشی
گر از تو گفتہ اند، ز ما نیز گفتہ اند

نازے بصد مضائقہ، عجزے بصد خوشی
قصّہ یہ کیسا اک اثر انگیز کہہ دیا

غالب ترا بہ دیر مسلماں شمردہ اند
آرے دروغِ مصلحت آمیز گفتہ اند

گر دیر میں کسی نے مُسلماں کہا تجھے
غالب دروغِ مصلحت آمیز کہہ دیا

صبح است خوش بود قدحے پُر شراب زد
یاقوتِ بادہ بر فوۂ آفتاب زد

ہے صبح، وقت خوش ہے، قدح پُر شراب ہے
نکلا ہزار شان سے پھر آفتاب ہے

نشتر بہ مغزِ پنبۂ مینا فرو برید
کآفاق امتلا ز ہجومِ سحاب زد

نشتر بہ مغزِ پنبۂ مینا اتار دو
ہے فصلِ برشگال، ہجومِ سحاب ہے

ذوقِ مئے مغانہ زکردار باز داشت
آہ از فسونِ دیو کہ راہم بآب زد

ذوقِ مئے مغانہ سے ہوتے ہیں ہم خراب
رہ پُر فسونِ دیو ہے، رہزن شراب ہے

تا خاکِ کُشتگانِ فریبِ وفائے کیست
کاندر ہزار مرحلہ موجِ سراب زد

ہے خاکِ کُشتگانِ فریبِ وفا یہ کیا
اس میں ہر ایک مرحلہ موجِ سراب ہے

رنگے کہ در خیالِ خود اندوختم ز دوست
تا جلوہ کرد چشمکِ برقِ عتاب زد

لگتی ہے مہربان جو ہم کو نگاہِ دوست
اک صاعقہ ہے، چشمکِ برقِ عتاب ہے

گفتم گرہ زکارِ دل و دیدہ باز کن
از جبہہ ناکشودہ، بہ بندِ نقاب زد

کہتا ہوں کھول اپنی جبیں سے گرہ اگر
اک گرہ ڈالتا وہ بہ بندِ نقاب ہے

گر ہوشِ ما بساطِ ادائے خرام نیست
نقشے تواں بہ صفحۂ دیبائے خواب زد

بیدار کو توقعِ جلوہ ہو اس سے کیا
دیدار سے جو اپنے نوازے نہ خواب ہے

تا در ہجومِ نالہ نفس باختیم بہ کوہ
سنگ از گدازِ خویش بر رویم گلاب زد

بے ہوش کوہ میں جو ہوا روکے ہیں، تو سنگ
منہ پر گداز ہو کے چھڑکتا گلاب ہے

اے لالہ بر دلے کہ سیہ کردہ ای، مناز
داغِ تو بر دماغِ کہ بوئے کباب زد

اے لالہ ناز کرتا ہے تُو داغ پر مگر
کرتی اثر کسی پہ نہ بوئے کباب ہے

غم مشرباں بہ چشمۂ حیواں نمی دہند
موجے کہ دشنہ در جگر از پیچ و تاب زد

دیویں نہ عاشقاں بہ عوض آب زندگی
دل میں جو درد ان کے بصد پیچ و تاب ہے

غالبؔ خساں ز جہلِ حکیمش گرفتہ اند
بے دانشے کہ طعنہ بر اہلِ کتاب زد

غالبؔ سمجھتے لوگ ہیں عاقل، وہ نا بلد
کرتا نہیں جو عزّتِ اہل کتاب ہے

بہ رہ بانقشِ پائے خویشتم از غیرت سرے باشد
کہ تا رسم دوست جویاں را بہ کویش رہبرے باشد

کہیں مجھ سے انہیں معلوم تیرا گھر نہ ہو جائے
کہ نقشِ پا مرا اغیار کا رہبر نہ ہو جائے

نمی گیری بخونِ خلق بے پروا نگاہاں را
تواند بود یارب بعدِ محشر محشرے باشد

پکڑ یارب بخونِ خلق بے پروا نگاہاں کو
کہ ڈر ہے بعدِ محشر ایک اور محشر نہ ہو جائے

نخواہد بود رسم آنچہ بہ دیواں داوری بردن
گرفتم کشورِ مہر و وفا را داورے باشد

رسومِ داوری سکھلا خدایا اس ستمگر کو
کہیں ملکِ وفا کا خود ہی وہ داور نہ ہو جائے

تواں صیقل بہائے تیغِ قاتل ہم ادا کردن
اگر فصاد را در دہر مزدِ نشترے باشد

خوشی سے دیں گے ہم صیقل بہا پر دیکھ یہ تیرا
اے فصادِ رگِ جاں، کند کچھ نشتر نہ ہو جائے

مکیدم آں قدر کز بوسہ و دشنام خالی شد
لبِ یار است و حرفے چند گو با دیگرے باشد

کروں گا چوس کر لب بوسہ و دشنام سے خالی
مشرف تا ترے لب سے لبِ دیگر نہ ہو جائے

بہ ذوقِ لذّتے کز خارا و خار است پہلو را
بہ نالم ہم چنیں گر ہم ز نسریں بسترے باشد

ملی لذّت کچھ ایسی لیٹنے میں خار و خارا پر
کہیں پھولوں پہ میرا اے خدا بستر نہ ہو جائے

ستایم حق شناسی ہائے محبوبے کہ در محفل
دلش با چشمِ پُر خون و لبش با ساغرے باشد

خدایا دے مجھے محبوب تُو ایسا، جدا جس کی
نظر سے چشمِ پُر خوں، ہاتھ سے ساغر نہ ہو جائے

نبود از تیشہ پیدا سر بہ سنگے می زدم، لیکن
ستم باشد کہ در بے ہودہ میری ہمسرے باشد

جو تیشے کی بجائے پھوڑا پتھر سے، تو ڈر یہ تھا
کہ سر میرا سرِ فرہاد کا ہمسر نہ ہو جائے

بیا بد ہم ز من، آنچہ از ظہوری یافتم غالب
اگر جادو بیاناں را ز من واپس ترے باشد

کبھی ہوگا نہ تجھ جیسا کوئی جادو بیاں غالب
ظہوری کا اثر جس وقت تک اس پر نہ ہو جائے

ننگِ فرہادم بہ فرسنگ از وفا دُور افگند
عشق کافر شغلِ جاں دادن بہ مزدور افگند

قصۂ فرہاد کا الفت سے مجھے دُور کرے
عشق جاں دینے پہ مزدور کو مجبُور کرے

شادم از دشمن کہ از رشکِ گدازم در دلش
نیست زخمے کز چکیدن طرحِ ناسور افگند

دعویٰ کرتا ہے مگر ہے نہ عدو مجھ جیسا
جس کے ہر زخم کو غمِ عشق کا ناسور کرے

از شہیدانِ وے ام کز بیمِ برقِ خنجرش
لرزہ در حور افتد و جام از کفِ حور افگند

ہیں شہید اس کا ہوا ، دیکھ کے خنجر جس کا
لرزے دہشت سے پری، خوف و خطر حور کرے

شرمِ جورِ خاص خاصِ اوست لیکن در جواب
چوں فرو ماند سخن در رسمِ جمہور افگند

شرمِ جور اس میں تو ہے خاص مگر شوخی میں
بات جو بھی کرے در شیوۂ جمہور کرے

چوں بجوید کام تا لختے پرستاری کنم
خویش را در رختِ خوابِ ناز رنجور افگند

پاؤں دبوانے کی خواہش ہو اگر مجھ سے کبھی
پڑ کے بستر پہ وہ صد نازشِ رنجور کرے

وقتِ کار ایں جنبشِ خلخال کاندر ساقِ تست
حلقۂ رغبت بہ گوشِ خونِ منصور افگند

ساقِ سمیں پہ تری دیکھ لے پازیب اگر
اسی حلقے کی طلب، دار پہ منصور کرے

گر قضا سازِ تلافی در خورِ عشرت کند
آہ ازاں خونابہ کاندر جامِ فغفور افگند

عیشِ دُنیا کی تلافی کرے گر دستِ قضا
خوں کے اشکوں سے وہ پُر ساغرِ فغفور کرے

گر مسلمانی ہمیں، زردہشت است آنکہ او
اختلافے در میانِ ظلمت و نور افگند

شان وحدت کی کبھی دیکھ لے زردشت اگر
وہ نہ پھر تفرقۂ تیرگی و نور کرے

آمدم بر راہِ غالبؔ، گردِ دل می گردم
لغزشِ پائے کہ باز از جادہ ام دُور افگند

غالبؔ آیا ہے رہِ خیر پہ لیکن ڈر ہے
لغزشِ پا نہ کہیں اس سے اسے دُور کرے

دل نہ تنہا ز فراقِ تو فغاں ساز دہد
رفتنِ عکسِ تو از آئینہ آواز دہد

دل ہی اک میرا نہ فرقت میں فغاں ساز بنے
بن تیرے عکس، مرا آئینہ دمساز بنے

مغزِ جاں سوخت ز سودا و بہ کامم تو ہنوز
زہرِ رسوائیِ ما چاشنیِ راز دہد

مغزِ جاں میرا جلے عشق میں، پر مُنہ میں ترے
زہرِ رسوائیٔ مری چاشنیِ راز بنے

خاک خوں باد کہ در معرضِ آثارِ وجود
زلف و رخ در کشد و سنبل و گل باز دہد

خواہشِ جلوہ گری خاک میں جب ان کو ہوئی
زلف و رخ، سنبل و نسرین بصد ناز بنے

داغم از پرورشِ چرخ کہ در بزمِ اُمید
سرِ شمعے کہ فروزد بہ دمِ گاز دہد

شمعِ اُمید ہو اے چرخ فروزاں کیسے
جب کہ ہر بزم میں تُو خانہ برانداز بنے

دل چوں بیند ستم از دوست، نشاط انگیزد
شیشہ سازے است کہ چوں بشکند آواز دہد

دیوے ہے نغمہ سرائیٔ ستمِ یار مجھے
سازِ دل ہو کے شکستہ بھی، پُر آواز بنے

ہائے پُرکاریِ ساقی کہ بہ اربابِ نظر
مے بہ اندازہ و پیمانہ بہ انداز دہد

دیکھو پُرکاری ساقی کہ ہو خالی جب خُم
مے بہ اندازہ ملے، کام بہ انداز بنے

طرہ ات، مشک بہ دامانِ نسیم افشاند
جلوہ ات، گل بہ کفِ آئینہ پرداز دہد

زلفِ مشکین تری مشک صبا کو بخشے
جلوہ اک گل بہ کفِ آئینہ پرداز بنے

سعی زیں بال فشانی جگرم سوخت دریغ
کاش آبے ز نمِ خجلتِ پرواز دہد

کوششِ بال فشانی سے جلا میرا جگر
کاش پانی عرقِ خجلتِ پرواز بنے

اے کہ بر خوانِ وصالِ تو قناعت کفر است
ہاں صلائے کہ مرا حوصلۂ آز دہد

وصل کی رات میں ہے کفر قناعت کرنا
دے صلا وہ جو مجھے حوصلۂ آز بنے

من سراز پانشاسم بہ رہِ سعی و سپہر
ہر دم انجامِ مرا جلوۂ آغاز دہد

میری رفتار میں وہ تیزی و سرگرمی ہے
جس سے انجام بھی اک جلوۂ آغاز بنے

پردہ داراں بہ نے و ساز فشارش دادند
نالہ می خواست کہ شرحِ ستمِ ناز دہد

پردۂ ساز میں مستور چھپا لیتے ہیں
نالہ جب چاہے کہ شرحِ ستمِ ناز بنے

ہر نسیمے کہ ز کوئے تو بہ خاکم گذرد
بادم از ولولۂ عمرِ سبک تاز دہد

تیرے کوچے سے مری خاک پہ گذرے جو ہُوا
وہ مرا ولولۂ عمرِ سبک تاز بنے

چوں ننازد سخن از مرحمتِ دہر بخویش
کہ براو عرفیؔ و غالبؔ بعوض باز دہد

ناز قسمت پہ زمانہ نہ کرے کیوں اپنی
غالبؔ و عرفیؔ یہاں جب کہ سخن ساز بنے

کو فنا تا ہمہ آلائشِ پندار برد
از صُوَر جلوہ و از آئینہ زنگار برد

جب فنا دُوریِ آلائش پندار کرے
صاف آئینے سے دل کے مرے زنگار کرے

شب زخود رفتم و بر شعلہ کشودم آغوش
کو بد آموز کہ پیغارہ بہ دلدار برد

رات مستی میں لپک پڑنا مرا آتش پر
غیرِ غیرت زدہ، حیرت زدہ دلدار کرے

گفتہ باشی کہ بہ ہر حیلہ در آتش فگنش
غیر می خواست مرا بے تو بہ گلزار برد

آگ ابرِ شفق آلود سے برسے ہے وہاں
ہجر میں سوختہ دل اور بھی، گلزار کرے

باز چسپیدہ لب از جوشِ حلاوت باہم
مرگِ مشکل کہ زما لذّتِ گفتار برد

لب چپکتے ہیں مرے، لب کی حلاوت سے تری
ورنہ کم موت نہیں لذّتِ گفتار کرے

عشوۂ مرحمتِ چرخ مخر کایں عیّار
یوسف از چاہ برآرد کہ بہ بازار برد

کیسی عیاری فلک کی ہے کہ وہ یوسف کو
چاہ سے کھینچ کے نیلام بہ بازار کرے

شوقِ گستاخ و تو سرمستِ بداں رسوائی
ہاں ادائے کہ دل و دستِ من از کار برد

شوق ہے اِس میں، تو ہے بیش درازی اُس میں
ناز کر وہ، جو دل و دست کو بے کار کرے

خونچکان است نسیم از اثرِ نالۂ من
کیست کز سعیِ نظر پے بہ درِ یار برد

خونچکاں باد ہے میرے اثرِ نالہ سے
خوں کا بادل ہے کہ پوشیدہ درِ یار کرے

تو نیائی بہ لبِ بام و بکوئے تو مدام
دیدہ ذوقِ نگہ از روزنِ دیوار برد

چھوڑا جب سے ہے لبِ بام پہ آنا تُو نے
آنکھ ٹھنڈی بس اب اک روزنِ دیوار کرے

ناز را آئینہ مائیم، بفرما تا شوق
بہ تو از جانبِ ما مژدۂ دیدار برد

دل بنا آئینۂ ناز و ادا ہے میرا
دیکھے آکے جو اسے، وہ ترا دیدار کرے

مژہ ات سُفت دل و رفت نگاہِ تو فرو
کز ضمیرم گلۂ سرزنشِ خار برد

پار کر تیرِ نظر، چیر دے مژگان سے دل
تا نہ پھر یہ گلۂ سرزنشِ خار کرے

خاکے از رہگذرِ دوست بفرقم ریزد
تا ز دل حسرتِ آرائشِ دستار برد

ڈال سر پر مرے خاکِ رہِ جاناں، تا یہ
دُور کچھ حسرتِ آرائشِ دستار کرے

می زند دم ز فنا غالبؔ و تسکینش نیست
بو کہ توفیق ز گفتار بہ کردار برد

باتیں غالبؔ کو تو ہیں آتی بنانی بے حد
کیا ہو گر اس کو خدا مائلِ کردار کرے

چاک از جیبم بداماں می رود
تاچہ بر چاک از گریباں می رود

جیب سے میری بداماں جائے ہے
تو کہاں چاکِ گریباں جائے ہے

جوہرِ طبعم درخشان است لیک
روزم اندر ابرِ پنہاں می رود

شمسِ طبیعت درخشاں تھا میرا
اب وہ اندر ابرِ پنہاں جائے ہے

گر بود مشکل مرنج اے دل کہ کار
چوں رود از دست آساں می رود

کام مشکل ہے تو اے دل غم نہ کر
ہو یہ مشکل ہی میں آساں جائے ہے

جز سخن کفرے و ایمانے کجاست
خود سخن از کفر و ایماں می رود

باتیں واعظ کفر کی کرتا ہے جب
خطر میں پڑ میرا ایماں جائے ہے

ہر شمیمے را مشامے درخور است
بوئے پیراہن بہ کنعاں می رود

مُشک کے قابل مشام اک چاہیئے
بوئے پیراہن بہ کنعاں جائے ہے

آید و از ذوق نشناسم کہ کیست
تا رود، پنداشتی، جاں می رود

آئے ہے تو جان میں ڈالے ہے جاں
جائے ہے تو ساتھ میں جاں جائے ہے

می برد اما نہ یک جا می برد
می رود اما پریشاں می رود

لائے ہے لیکن نہ یک جا لائے ہے
جائے ہے لیکن پریشاں جائے ہے

ہر کہ بیند در رہش گوید ہمی
قبلۂ آتش پرستاں می رود

جو بھی دیکھے راہ میں اس کو ، کہے
قبلۂ آتش پرستاں جائے ہے

اوّلِ ماہ است واز شرمِ تو ماہ
آخرِ شب از شبستاں می رود

اوّلِ ماہ ، ماہ تیری شرم سے
آخرِ شب از شبستاں جائے ہے

بگذر از دشمن دلش سخت است سخت
آبروئے تیر و پیکاں می رود

سخت جاں دشمن ہے چھوڑ اس کو، تری
آبروئے تیر و پیکاں جائے ہے

کیست تا گوید بداں ایواں نشیں
آنچہ بر غالب ز درباں می رود

کون ان ایواں نشینوں سے کہے
کر کے غالب پہ جو درباں جائے ہے

نومیدیِ ما گردشِ ایّام ندارد
روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

نومیدی مری، گردشِ ایام نہ جانے
ہو روزِ سیہ جو، سحر و شام نہ جانے

بوسم لبِ دلدار و گزیدن نتوانم
نرم است دلم، حوصلۂ کام ندارد

چوموں لبِ دلدار جو، کاٹوں اسے کیسے
دل نرم ہے، یہ حوصلۂ کام نہ جانے

مفرست بہ طوفِ حرمِ دوست نسیمے
کز نکہتِ گل جامۂ احرام ندارد

طوفِ حرمِ یار میں بھیجو نہ صبا کو
نکہت کا یہ گر باندھنا احرام نہ جانے

ہر ذرّۂ خاکم ز تو رقصاں بہ ہوائے است
دیوانگیِ شوق سرانجام ندارد

ہر ذرّہ مری خاک کا رقصاں ہے فضا میں
دیوانگیِ شوق سرانجام نہ جانے

رَو تن بہ بلا دہ کہ دگر بیمِ بلا نیست
مُرغِ قفسے کشمکشِ دام ندارد

گر خوفِ بلا ہے تو گرفتارِ بلا ہو
ہاں مُرغِ قفس کشمکشِ دام نہ جانے

قاصد خبر آورد و ہماں خشک دماغم
طرفِ قدحش رشحۂ پیغام ندارد

ہے جوش نہ قاصد میں، نہ کچھ ولولہ مجھ میں
کیسا وہ لئے آئے ہے پیغام، نہ جانے

بے نقشِ وجودِ تو سراپائے من از ضعف
چوں بسترِ خواب است کہ اندام ندارد

جب تُو نہ ہو موجود تو میرا تنِ لاغر
ہے بسترِ خواب ایک کہ اندام نہ جانے

گردید نشاں ہا ہدفِ تیرِ بلاہا
آسائشِ عنقا کہ بجز نام ندارد

موجود ہے جو بھی، وہ بلاؤں میں گھرا ہے
عنقا ہی ہے دنیا میں جو آلام نہ جانے

بلبل بہ چمن بنگر و پروانہ بہ محفل
شوق است کہ در وصل ہم آرام ندارد

پروانے کو محفل میں ہے، بلبل کو چمن میں
وہ شوق جو وصلت میں بھی آرام نہ جانے

تلخ است رگِ ذوقِ کبابے کہ بسوزد
زاں رشک کہ سوزِ جگرِ خام ندارد

جل بھن کے بہت کوفتہ جو تلخ ہوا ہو
وہ نیم کبابیِ دلِ خام نہ جانے

ہر رشحہ باندازۂ ہر حوصلہ ریزد
مے خانۂ توفیق خمُ و جام ندارد

مے حوصلہ و ظرف کے دیتے ہیں مطابق
مے خانۂ توفیق خمُ و جام نہ جانے

بوسہ کہ ربایند بہ مستی ز لبِ یار
نغز است ولے لذّتِ دشنام ندارد

محظوظ لبِ یار سے مستی میں نہیں جو
وہ چاشنیِ لذّتِ دشنام نہ جانے

غالب کہ، بہ است از غزلم مصرعۂ استاد
"بادام صفائے گلِ بادام ندارد"

کیا خوب ہے غالب ترے اُستاد کا مصرعہ
"بادام صفائے گلِ بادام نہ جانے"

چہ خیزد از سخنے کز درونِ جاں نبود
بریدہ باد زبانے کہ خونچکاں نبود

سخن سخن نہیں، آتا جو بر زبان نہیں
زباں زباں نہیں، ہوتی جو خونچکان نہیں

حکیم ساقی و مے تند و من زبد خوئی
ز رطلِ بادہ بہ خشم آیم ار گراں نبود

حکیم ساقی و مے تند و من زبد خوئی
ہوں سرگراں کہ مرا رطلِ مے گران نہیں

نگفتہ ام ستم از جانبِ خداست، ولے
خدا بہ عہدِ تو بر خلق مہرباں نبود

ستم خدا کی طرف سے نہیں، یہ مانتا ہوں
یہ تیرے عہد میں ایزد بھی مہربان نہیں

ز نازکی نتواند نہفت رازِ مرا
خیالِ بوسہ بر آں پائے بے نشاں نبود

ہے ایسی نازکی غماز تیری اے جاناں
خیالِ بوسہ تلک رہوے بے نشان نہیں

چو عشرتے کہ کند فاسقِ تنک مایہ
ز زخم، خوں بہ زباں لیسم، ار رواں نبود

کرے ہے عشرتِ دوں جیسے اک تنک مایہ
میں زخم چاٹوں، جو خوں اس سے ہو روان نہیں

ز خویش رفتہ ام و فرصتے طمع دارم
کہ باز گردم و جز دوست ارمغاں نبود

گیا ہوں خود سے، دعا ہے کہ آؤں جب واپس
سوائے دوست کوئی لاؤں ارمغان نہیں

زمامِ ناقہ بہ دستِ تصرفِ شوق است
بہ سوئے قیس گرایش ز سارباں نبود

زمامِ ناقۂ لیلیٰ تو دستِ شوق میں ہے
بہ قیس لاتا اسے کوئی ساربان نہیں

فرو برد نفسِ سردِ من جہنّم را
اگر نشاطِ عطائے تو درمیاں نبود

خنک کروں نفسِ سرد سے جہنّم میں
جو ہو نشاطِ عطا تیری درمیان نہیں

مرا کہ لب بہ طلب آشنا نخواستہ ای
روا مدار کہ شاہد ضمیر داں نبود

دیے اگر نہ طلب گار لب مجھے یا رب
بنایا پھر اسے کیوں تُو نے راز داں نہیں

امیدِ بوالہوس و حسرتِ من افزوں شد
از ایں نوید کہ اندوہ جاوداں نبود

ہوس رقیب کی، حسرت مری ہوئی افزوں
سنا جو مژدہ کہ اندوہ جاوداں نہیں

بہ التفاتِ نگارم چہ جائے تہنیّت است
دُعا کنید کہ نوعے ز امتحاں نبود

نہ التفات کی اس کے دو تہنیّت مجھ کو
دُعا کرو کہ ہو اک اس میں امتحاں نہیں

عجب بود سرِ ہمخوابیِ کسے غالبؔ
مرا ز بالش و بستر بہ پرنیاں نبود

عجب ہے خواہشِ ہم بستری تری غالبؔ
جو گھر میں بستر و بالینِ پرنیاں نہیں

بتانِ شہرِ ستم پیشہ شہر یاراں اند
کہ در ستم روش آموزِ روزگاراں اند

بتانِ شہر ستم پیشہ شہر یار بنے
کہ جور میں روش آموزِ روزگار بنے

برند دل بہ ادائے کہ کس گماں نبرد
فغاں ز پردہ نشیناں کہ پردہ داراں اند

چھپا چھپا کے چراتے ہیں دل اداؤں سے
فغاں، یہ پردہ نشیں کیسے پردہ دار بنے

بہ جنگ تا چہ بود خوئے دلبراں کایں قوم
در آشتی نمکِ زخمِ دلفگاراں اند

کریں گے جنگ میں یہ دلبراں نہ کیا دل پر
جو صلح میں نمکِ زخمِ دلفگار بنے

ز وعدہ گشتہ پشیماں و بہرِ دفعِ ملال
امیدوار بہ مرگِ امیدواراں اند

پشیماں وعدہ شکن گر ہوئے تو بہرِ سکوں
امیدوار بہ مرگِ امیدوار بنے

ز روئے خُو و منش نورِ دیدۂ آتش
بہ رنگ بوئے جگر گوشۂ بہاراں اند

ہیں خُو و طبع میں جو نورِ دیدۂ آتش
وہ رنگ و بو میں جگر پارۂ بہار بنے

تو سرمہ بین و ورق در نورد و دم درکش
مبیں کہ سحرِ نگاہاں سیاہ کاراں اند

تُو دیکھ سرمے کا افسوں سیاہ آنکھوں میں
نہ پوچھ جادو نظر کیوں سیاہ کار بنے

ز دید و داد مزن حرف، خرد سالاں اند
بہ گردِ راہ منہ چشم، نے سواراں اند

نہ بیٹھ منتظرِ گردِ راہ بن کر یوں
کہ نے سوار ابھی ہیں نہ شہسوار بنے

ز چشمِ زخم بدیں حیلہ کے رہی غالب
دگر مگو کہ چو من در جہاں ہزاراں اند

نہیں ہزار میں اک کوئی تجھ سا اے غالب
وگرنہ کہنے کو شاعر تو ہیں ہزار بنے

*

دلستانان بحل اندار چہ جفا نیز کنند
از وفائے کہ نگردند حیا نیز کنند

دلستاں یوں تو بہت جور و جفا کرتے ہیں
یاد آتی ہے جفا گر تو حیا کرتے ہیں

چوں ببینند بترسند و بہ یزداں گردند
رحم خود نیست کہ بر حالِ گدا نیز کنند

ترس کھاتے نہیں، کرتے ہیں خدا کے ڈر سے
رحم جو کچھ بھی وہ برحالِ گدا کرتے ہیں

خستہ تا جاں ندہد، وعدۂ دیدار دہند
عشوہ خواہند کہ در کارِ قضا نیز کنند

وعدہ دیدار کا کر کے جو جاں لیتے ہیں
ناز و انداز وہ در قدر و قضا کرتے ہیں

خونِ ناکامیِ سی سالہ ہدر خواہد شد
مہر با ما اگر از بہرِ خدا نیز کنند

خونِ ناکامیِ مرا ہوتا ہے ضائع جب بھی
مہربانی وہ کبھی بہرِ خدا کرتے ہیں

اندر آں روز کہ پرسش رود از ہرچہ گذشت
کاش با ما سخن از حسرتِ ما نیز کنند

داد ناکردہ گناہوں کی وہ دیتے نہیں کیوں
جو گِلہ کردہ گناہوں کا کیا کرتے ہیں

از درختانِ خزاں دیدہ نباشم، کایں ہا
ناز بر تازگیِ برگ و نوا نیز کنند

ان خزاں دیدہ درختوں سے نہیں ہوں میں، جو
ناز بر تازگیِ برگ و نوا کرتے ہیں

نہ شوی رنجہ ز رنداں بہ صبوحی، کایں قوم
نفسِ بادِ سحر غالیہ سا نیز کنند

شیخ برہم نہ ہو رندوں سے، صبوحی سے یہ گر
نفسِ بادِ سحر غالیہ سا کرتے ہیں

گفتہ باشی کہ زما خواہشِ دیدار خطا است
ایں خطائے است کہ در روزِ جزا نیز کنند

تھی خطا خواہشِ دیدار اگر موسیٰ کی
حشر کے روز تو ہم سب یہ خطا کرتے ہیں

حلقِ غالب نگر و دشنۂ سعدی کہ سرود
"خوب رویانِ جفا پیشہ وفا نیز کنند"

حلقِ غالب کا کٹا پڑھ کے سرودِ سعدی
"گاہے خوبانِ جفا گر بھی، وفا کرتے ہیں"

دماغِ اہلِ فنا نشۂ بلا دارد
بہ فرقم ارہ طلوعِ پرِ ہما دارد

دماغِ اہلِ فنا نشۂ بلا رکھے
نہیں کچھ ان کے لئے سایۂ ہما رکھے

بہ وعدہ گاہ خرامِ تو کرد تمنا کم
بیا کہ شوقم از آوارگی حیا دارد

خرام کرتا ہوا آ نہ وعدہ گاہ پہ یوں
کہ شوق میرا بہ آوارگی حیا رکھے

کشادِ شستِ ادائے تو دل نشینِ من است
اگر خدنگِ تو در دل نشست، جا دارد

ہے دل نشیں ترا اندازِ تیر اندازی
لگے خدنگ جہاں بھی، وہاں وہ جا رکھے

زمن مترس کہ ناگہ بہ پیشِ قاضیِ حشر
ہجومِ نالہ لبم را ز نالہ وا دارد

جو پوچھے حال خدا حشر میں تو ضبط مرا
ہجومِ نالہ لبوں پر مرے رُکا رکھے

دلم فسردہ، بیفزا بہ وعدہ ذوقِ وصال
چراغِ کُشتہ ہماں شعلہ خوں بہا دارد

فزوں وعدے سے کر ذوقِ وصل کو میرے
بجھے چراغ کا یک شعلہ خوں بہا رکھے

تنم ز رشک، ہمانا بہ جستجوئے کسے است
کہ خور ز تابِ خود آتش بہ زیرِ پا دارد

ہے جستجو میں کسی کی وگرنہ شمس کو یوں
نہ تابِ خود کبھی آتش بہ زیرِ پا رکھے

پئے عتاب ہمانا بہانہ می طلبد
شکایتے کہ زمانیست ہم بہ ما دارد

کروں نہ شکوہ تو ہوتی اسے شکایت ہے
بہانہ کرنے کا وہ کچھ نہ کچھ جفا، رکھے

خوش است دعویِ آرائشِ سر و دستار
زجلوۂ کفِ خاکے کہ نقشِ پا دارد

کرے گی اور بھی دستار و سر کی آرائش
وہ خاکِ راہ کہ جو اس کا نقشِ پا رکھے

ز جورِ دستِ تہی نالہ از سہام جست
نئے کہ برگ ندارد ہماں نوا دارد

ہے میری باعثِ فریاد اک تہی دستی
نہ برگ و ساز رکھے نے جو، وہ نوا رکھے

ز سادگی رمد از حرفِ عشق و من بہ گماں
کہ دوست تجربۂ دارد از کجا دارد

گراں ہے حرفِ محبّت اسے، گماں ہے مجھے
کہ تلخ تجربہ شاید وہ عشق کا رکھے

بہ خوں تپیدنِ گل ہا نشانِ یک رنگی است
چمن عزائے شہیداںِ کربلا دارد

گلوں کے خوں میں تڑپنے سے ہے شبہ مجھ کو
کہ باغ زخمِ شہیدانِ کربلا رکھے

فغاں کہ رسم بد آموزِ یار شد غالبؔ
روا نداشت کہ بر ما ستم روا دارد

ہوا جو رسم بد آموزِ یار تو غالبؔ
رہا نہ اس کو روا، جور وہ روا رکھے

نقاب دار کہ آئینِ رہزنی دارد
جمالِ یوسفی و فرِّ بہمنی دارد

نقاب دار کہ آئینِ رہزنی رکھے
جمالِ یوسفی و شانِ بہمنی رکھے

وفائے غیر گرش دلنشیں شدہ است چہ غم
خوشم ز دوست کہ با دوست دشمنی دارد

وفائے غیر ہوئی اس کی دلنشیں تو کیا
وہ باوفا سے بہرحال دشمنی رکھے

چہ ذوقِ رہروی آں را کہ خارِ خارے نیست
مرو بہ کعبہ اگر راہ ایمنی دارد

ہو راہِ کعبہ وہ کیسے جو خار خار نہ ہو
نہ راہرو ہو کوئی، رہ جو ایمنی رکھے

بہ دلفریبیِ من گرمِ بحث و سودِ منست
نگاہِ تو بہ زبانِ تو ہم فنی دارد

وہ دلفریبی کی مدحت کرے ہے، میں خوش ہوں
نظر سے اس کی زباں ایک ہم فنی رکھے

بہ بادہ گر بودم میل، شاعرم نہ فقیہ
سخن چہ ننگ ز آلودہ دامنی دارد

ہوں بادہ خوار تو شاعر ہوں میں، فقیہ نہیں
سخن میں ننگ نہ آلودہ دامنی رکھے

خوشم بہ بزم ز اکرامِ خویش، زیں غافل
کہ مے نماندہ و ساقی فروتنی دارد

ہے بزم میں مری تعظیم اور لگے ہے مجھے
رہا نہ بادہ تو ساقی فروتنی رکھے

نباشدش سخنے کش تواں بہ کاغذ برد
برو کہ خواجہ گہرہائے معدنی دارد

گہر سخن کے بکھیرے وہ کیسے کاغذ پر
جو خواجہ صرف گہرہائے معدنی رکھے

بیاورید گر ایں جا بود زباں دانے
غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی دارد

زبان داں ہے یہاں کوئی تو بلاؤ اسے
غریبِ شہر سخن ہائے گفتنی رکھے

مبارک است رفیق ارچنیں بود غالب
ضیائے نیرِّ ما چشمِ روشنی دارد

ملا ہے تجھ کو رفیقِ شفیق اک غالب
نواب نیرِّ رخشاں کہ روشنی رکھے

زرشک است ایں کہ در عشق آرزوئے مُردنم باشد
توجانِ عالمی، حیف است گرجاں درتنم باشد

نہ کیوں مشتاق تیرا آرزوئے مُردنی رکھے
توُ جانِ عالمی، اس سے زمانہ دشمنی رکھے

زہے قسمت کہ سازِ طالعِ عیشم کنند آں را
اگر خود جزوے از گردوں بہ کامِ دشمنم باشد

مجھے دے اے خدا جو کچھ بھی دشمن کو میسّر ہے
ملے چاہے فقط، اس سے فلک جو دشمنی رکھے

شناسم سعیِ بختِ خویش در نامہربانی ہا
بلرزم بر گلستاں گرگلے در دامنم باشد

میں اپنے بختِ کی نامہربانی سے لرزتا ہوں
کبھی تھوڑے سے گل گر میری خالی دامنی رکھے

بیا ساساعتے تا بردمِ تیغت گلو سایم
کہ از خود نیز در کُشتن حقے بر گردنم باشد

دمِ شمشیر پر اپنی رگڑنے دے اسے گردن
کہ خونِ قتل گردن پر ہی اپنی کُشتنی رکھے

تو داری دین و ایمانے بترس از دیو و نیرنگش
چو نبود توشہ در راہے چہ باک از رہزنم باشد

جو رکھے دین و دل اس کو ہو ڈر، ہو باک کیوں مجھ کو
نہ ہو جب توشۂ راہی، خطر کیا رہزنی رکھے

بہ ذوقِ عافیت یاراں روند از خویش و چوں من ہم
خلد در پائے من خارے کہ در پیراہنم باشد

ہے ذوقِ عافیت لوگوں کو، اپنا حال ایسا ہے
چبھے پاؤں میں کانٹا جو اقامت دامنی رکھے

بداں تا بامن آویزد، چوں حرفِ رنگ و بو گوید
دلم با اوستے، اما زباں با گلشنم باشد

وہ خود ہے ایک گلشن، سُن کے حرفِ رنگ و بو لیکن
لڑے ہے مجھ سے کہہ کے تُو تو ذوقِ گلشنی رکھے

بدیں آہنگ ہائے پست نتواں غم بروں دادن
مگر صورِ قیامت سازِ شورِ شیونم باشد

مرا اظہارِ غم دھیمے سُروں سے ہو نہیں سکتا
مجھے دو صور اک جو سازِ شورِ شیونی رکھے

بہ سودایت ہماں انداز از خود رفتنی دارم
اگر، چوں نالۂ زنجیر، بند از آہنم باشد

جنونِ عشق میں میں اپنے آپے سے نکلتا ہوں
اگرچہ نالۂ زنجیر، بندِ آہنی رکھے

بہ زر ہمدوشِ قاروں خفتن از دوں ہمتی خیزد
بیا تا در سخن پیچم کہ غالبؔ ہم فنم باشد

نہ عالی ہمتی ہمدوشیِ قارون ہے کوئی
سخن پرور ہو، تا غالبؔ سے تُو کچھ ہم فنی رکھے

حورِ بہشتی ز یاد آں بتِ کشمیر برد
بیمِ صراط از نہادِ آں دمِ شمشیر برد

ماند کرتا حوریوں کو وہ بتِ کشمیر ہے
جان جاتی دیکھ کر اس کا دمِ شمشیر ہے

شبروِ غمزۂ صبر و دل و دیں ربود
جاں کہ از او باز ماند شحنۂ تقدیر برد

لے گیا غمزہ مرے صبر و قرار و دین و دل
رہ گئی جاں، وہ بھی لیوے شحنۂ تقدیر ہے

نالہ در ایوارِ شوق توشۂ راہے نداشت
بست بہ غارت کمر، فرصتِ شبگیر برد

شوقِ زادِ رہ نہ تھا ایوار میں جس آہ کو
لوٹ کے لے جائے اب وہ فرصتِ شبگیر ہے

شوقِ بلندی گراے پایۂ منصور جست
حوصلۂ نارسا، پے بہ سرِ تیر برد

شوقِ عالی ڈھونڈتا تھا پایۂ منصور پر
حوصلۂ نارسا خوش کھا کے زخمِ تیر ہے

زد نکہت بر دلم، مخزنِ اسرار دید
خواست کلیدش برد، طاقتِ تقریر برد

آئی لینے کو کلیدِ مخزنِ اسرار تھی
لے کے جاتی، پر نظر وہ، طاقتِ تقریر ہے

جنبشِ ابرو نبود از پئے قتلم ضرور
غمزہ ز بے طاقتی دست بہ شمشیر برد

جنبشِ ابرو کی بھی حاجت نہ تھی جب قتل کو
کس لئے غمزے نے لے لی ہاتھ میں شمشیر ہے

روشنئ داشت عشق، چاشنئ داشت مہر
آں خس از آتش گرفت ایں شکر از شیر برد

عشق رکھے روشنی، تو مہر رکھے چاشنی
آگ یہ تنکے نے پکڑی، با شکر یہ شیر ہے

خانۂ زنبور شد کلبہ ام از دستِ چرخ
بسکہ از آب و گلم رغبتِ تعمیر برد

کر کے کاشانہ مرا برباد، دستِ چرخ نے
میری آب و گل سے چھینی رغبتِ تعمیر ہے

سردیِ مہرِ کسے آبِ رخِ شعلہ ریخت
گرمیِ نبضِ دلم عرضِ تباشیر برد

سرد مہری سے کسی کی رونقِ شعلہ گئی
تابِ نبضِ دل کرے افسردہ و دل گیر ہے

عشق ز خاکِ درت سرمۂ بینش گرفت
یاوہ در آمد ہوس، نسخۂ اکسیر برد

سرمۂ بینش بنایا خاکِ در کو عشق نے
ڈھونڈتی لیکن ہوس اک نسخۂ اکسیر ہے

باخودش افتاد کار، باک از غالب مدار
ذوقِ فغانش ز دل، ورزشِ تاثیر برد

اپنی الجھن میں پڑا ہے، خوف غالب کا نہ کر
اب رہی فریاد میں اس کی نہ کچھ تاثیر ہے

Persian	Urdu
تا چند بوالہوس مے و عاشق ستم کشد کو فتنہ تا بہ داوریِ ہم علم کشد	مجھ پہ وہ ظلم، بوالہوسوں پر کرم کرے ہے کوئی یاں جو عدل کا اونچا علم کرے
صیدت ز بیمِ جاں نہ رمد بلکہ می رود تا دشت را ز شوق در آغوشِ رم کشد	گر بھاگتا ہے صید تو کوشش میں ہے کہ وہ شوقِ کمیں سے دشت در آغوشِ رم کرے
دشوار نیست چارۂ عیشِ گریز پاے دورِ قدح چو سلسلہ گر سر بہم کشد	دشوار ہو نہ چارۂ عیشِ گریز پا دَورِ قدح کو ساقی اگر بندِ رم کرے
شوقم کہ روشناسِ دلِ نازنینِ تست کے منتِ نوشتن و نازِ قلم کشد	جب شوق کو رسائیِ دلِ نازنیں سے ہے کیوں منتِ نوشتن و زورِ قلم کرے
زشت آنکہ تا ز زحمتِ پشت و شکم رہد ہم رنجِ کارسازیِ پشت و شکم کشد	چاہے پناہ زحمتِ پشت و شکم سے جو کیوں عزمِ کارسازیِ پشت و شکم کرے
صہبا حلال زاہدِ شب زندہ دار را اما بشرطِ آں کہ ہماں صبحدم کشد	تجھ کو حلال زاہدِ شب زندہ دار ہے صہبا، اگر تو نوش اسے صبح دم کرے
از تازگی بہ دہر مکرر نمی شود نقشے کہ کلکِ غالبِ خونیں رقم کشد	نادر ہے ایسا، ہوتے مکرر نہیں کبھی جو کچھ بھی نقش غالبِ خونیں رقم کرے

ذوقش بہ وصل گرچہ زبانم زکار برد
لب در ہجومِ بوسہ زبائش نگار برد

ملتا نہ لب کو گر لبِ لعلِ نگار ہے
وہ چومتا حنائے کفِ پائے یار ہے

تا خود بہ پردہ رہ نہ دہد کام جوئے را
در پردہ رخ بنمود و دل از پردہ دار برد

محروم تا ہو بوالہوسی پیشِ محرماں
در پردہ ہووے جلوہ نما پردہ دار ہے

گفتند حور و کوثر و دادند ذوقِ کار
منع است نامِ شاہد و مے آشکار برد

وعدہ وہاں پہ حوری و کوثر کا اور یہاں
منعِ شراب و ساقی و جام و نگار ہے

نعشِ مرا بسوز، کم از برہمن نیم
ننگِ نسوختن نتواں در مزار برد

کم ہوں نہ برہمن سے جلائی نہ نعش کیوں
ننگِ نسوختن ہوا مجھ کو مزار ہے

گل چہرہ برفروخت بدانساں کہ بارہا
پروانہ را ہوس بسرِ شاخسار برد

روشن ہوا ہے کچھ رُخِ گُل آج اس طرح
پروانہ، عشق لایا، سرِ شاخسار ہے

مے داد و بذلہ جست، مگر ابر و قلزمیم
کاورد قطرہ و گہرِ شاہوار برد

مے دے کے مانگتا ہے سخن، ابر جس طرح
دیوے ہے قطرہ، لیوے دُرِ شاہوار ہے

تا فتنہ را ز گردشِ چشمِ سیاہ گفت
کینے کہ داشتم بہ دل از روزگار برد

دیکھی ہے فتنہ خیزیِ چشمِ سیاہ جو
مجھ کو رہا نہ کچھ گلۂ روزگار ہے

پیشم از آں بپرس کہ پرسی و اہلِ کوی
گویند خستہ زحمتِ خود زیں دیار برد

سُن حالِ خستہ پیشتر اس کے سُنے کہ وہ
جائے عدم کو، چھوڑ کے تیرا دیار ہے

نازم فریبِ صلح کہ غالب ز کوئے تو
ناکام رفت و خاطرِ امیدوار برد

غالب فریبِ صلح یہ اس کا ہے کیا عجب
ناکام رہ کے تُو رہا امیدوار ہے

اگر داغت وجودم را در اکسیرِ نظر گیرد
سراپائے من از جوشِ بہاراں پردہ برگیرد

وہ گر داغِ محبّت پر مرے تھوڑی نظر رکھے
چمن سینہ بنے، جوشِ بہاراں کا اثر رکھے

دل از سودائے مژگانِ کہ خوی گر دید کز مستی
بہ ذوقِ رخنہ از ہر قطرہ بر نیشتر گیرد

کیا سودائے مژگاں نے ہے دل کا خون کچھ ایسا
کہ ہر قطرۂ خوں اک آرزوئے نیشتر رکھے

بہ چشمِ مدعی، ہمچوں چراغِ روزِ بے نورم
چراغم گر بہ قرص از پرتوِ خورشید در گیرد

نگاہِ مدعی میں میں چراغِ روزِ کم ضو ہوں
کہ قدرِ آفتاب اس کی نہ چشمِ بے بصر رکھے

رمش نظارہ را از رقصِ بسمل در چمن پیچد
غمش آئینہ را از چہرۂ عاشق بہ زر گیرد

خرامِ ناز سے نظارہ بسمل کی طرح تڑپے
بہ عکسِ روئے عاشق آئینہ بھی رنگِ زر رکھے

گمم در روے ز رشک است ایں کہ غمخوارے نمی خواہم
کہ ترسم یابد او را ہر کہ از حالم خبر گیرد

سراسر یاد میں کھو کر، میں ڈرتا ہوں، کہیں ہمدم
نہ پا جائے نشانِ یار گر میری خبر رکھے

سرت گردم اگر پائے نزاکت درمیاں نبود
تنم از لاغری صد خوردہ بر موئے کمر گیرد

ترے قرباں، نہ گر پائے نزاکت درمیاں ہووے
تنِ لاغر مرا صد شکوۂ موئے کمر رکھے

نوردم نامہ و دل بار بار از بدگمانی ہا
نہد نقشِ تو پیشِ روے و خود را نامہ بر گیرد

لکھا ہے خط تو لیکن دل ہمارا بدگمانی سے
گوارا کر نہیں سکتا کہ نامہ، نامہ بر رکھے

خوشم گر استواری نیست ہمچو موجِ کارم را
کہ ہر دم از شکستِ خود روانی بیشتر گیرد

بے استقلال ہے ہر کام لیکن موج کی صُورت
رکے ہر دم ہے یہ، پھر بھی روانی بیشتر رکھے

محبّت ہر دمے دا کز نزاکت سرگراں باشد
سبک در دامِ ذوقِ نالۂ مُرغِ سحر گیرد

نزاکت پر جو دل کرتا ہے ناز اپنی، اسے الفت
سدا در دامِ ذوقِ نالۂ مُرغِ سحر رکھے

خوشا روزے کہ چوں از مستی آویزم بدامانم
گر از دستم کشد، گاہم بروئے چشمِ تر گیرد

خوشا وہ دن کہ مستی میں میں اُلجھوں اس کے دامن سے
کبھی کھینچے اسے وہ اور کبھی برچشمِ تر رکھے

زفیضِ نطقِ خویشم با نظیریؔ ہمزبان غالبؔ
"چراغے را کہ دودے ہست در سر، زود در گیرد"

بہ فیضِ نطقِ خود ہے با نظیریؔ ہمزباں غالبؔ
"جل اٹھتی شمع ہے جلدی، دھواں جو گردِ سر رکھے"

تنگ است دلم حوصلۂ راز ندارد
آہ از نئے تیرِ تو کہ آواز ندارد

افسردہ ہے دل، حوصلۂ راز نہ رکھے
ہے تیر بھی ایسا ترا، آواز نہ رکھے

ہرچند عدو در غمِ عشقِ تو بہ سازاست
دانی کہ چو ما طالعِ ناساز ندارد

ہرچند غمِ عشق کا دعویٰ ہے عدو کو
لیکن وہ مرا طالعِ ناساز نہ رکھے

دیگر من و اندوہ نگاہے کہ تلف شد
گفتی کہ عدو حوصلۂ آز ندارد

ضائع ہوئی، تُونے نگہِ ناز جو ڈالی
دشمن پہ، جو کچھ حوصلۂ آز نہ رکھے

درحسن بہ یک گونہ ادا دل نتواں بست
لعلت مزہ دارد اگر اعجاز ندارد

یک گونہ ہی دل ہے نہ ترے حسن پہ شیدا
رکھے ہے شکر لب اگر اعجاز نہ رکھے

تمکینِ برہمن دلم از کفر بگرداند
بت خانہ، بتے خانہ برانداز ندارد

روکے ہے مجھے کفر سے تمکینِ برہمن
بت خانہ، بتِ خانہ برانداز نہ رکھے

ما ذرّہ و او مہر، ہماں جلوہ ہماں دید
آئینۂ ما حاجتِ پرواز ندارد

میں ذرّہ، وہ خورشید، وہ جلوہ ہے، میں دید
آئینہ مرا حاجتِ پرواز نہ رکھے

ہر دل شدہ از دوست در اندازِ سپاسے است
مانا کہ نگاہِ غلط انداز ندارد

غلطاں کرے ہم کو ہے ہر اک اس کا اشارہ
جو آنکھ نگاہِ غلط انداز نہ رکھے

بے حیلہ زخوباں نتواں چشمِ ستم داشت رحم است بر آں خستہ کہ غماز ندارد	بے حیلہ نہیں کرتی ستم چشمِ ستمگر بے فائدہ غمزہ کوئی غماز نہ رکھے
در عربدہ چشمک زند و لب گزد از ناز تا بوسہ لبم راز طلب باز ندارد	لب کاٹتا غصے سے ہے اور کرتا ہے غمزہ بوسے سے مجھے تاکہ طلبؔ باز نہ رکھے
با خویش بہر شیوہ جداگانہ دوچار است پروائے حریفانِ نظر باز ندارد	دوچار بڑی شان سے رہتا ہے وہ خود سے پروائے حریفانِ نظر باز نہ رکھے
کیفیّتِ عرفیؔ طلب از طینتِ غالبؔ جامِ دگراں بادۂ شیراز ندارد	ہے کیفیّتِ عرفیؔ دروں طینتِ غالبؔ جامِ دگراں بادۂ شیراز نہ رکھے

لبم از زمزمۂ یادِ تو خاموش مباد
غیرِ تمثالِ تو نقشِ ورقِ ہوش مباد

لب مرا زمزمۂ یاد سے خاموش نہ ہو
تیری تصویر سے خالی ورقِ ہوش نہ ہو

نگہے کش بہ ہزار آب نہ شویند ز اشک
محرمِ جلوۂ آں صبح بُنا گوش مباد

وہ نظر دُھل کے نہ ہو جائے جو پاک اشکوں سے
محرمِ جلوۂ رخشندہ بُنا گوش نہ ہو

ہوسِ چادرِ گل گر تہِ خاکم باشد
خاکم از نقشِ کفِ پائے تو گلپوش مباد

ہوسِ چادرِ گل ہوتی ہے اس تربت کو
یار کے نقشِ کفِ پا سے جو گلپوش نہ ہو

غیر اگر دیدہ بہ دیدارِ تو محرم دارد
فارغ از اندہِ محرومیِ آغوش مباد

محرمِ جلوہ عدو ہے، ولے یارب وہ کبھی
فارغِ کلفتِ محرومیِ آغوش نہ ہو

گہرے کش نظر از ہمتِ پاکاں نبود
صرفِ پیرایۂ آں گردن و آں گوش مباد

وہ گہر، آب نہ پاکیزہ نظر دے جس کو
صرفِ پیرایۂ سیمیں گلو و گوش نہ ہو

ہر کرا رخصتِ نمازی نبود از نمِ مے
جائے در حلقۂ رندانِ قدح نوش مباد

دامن آلودہ نہ ہو بادہ سے جس کا، اس کی
جگہ در حلقۂ رندانِ قدح نوش نہ ہو

رہروِ بادیۂ شوق سبک سیر انند
بارِ سر تیز دریں مرحلہ بر دوش مباد

راہرو اور بھی ہو بادیۂ شوق میں تیز
بارِ سر اس کا اگر راہ میں بر دوش نہ ہو

ہمہ گر میوۂ فردوس بہ خوانت باشد
غالب آں انبۂ بنگالہ فراموش مباد

میوہ فردوس کا جتنا بھی ملے غالب کو
انبہ بنگالہ کبھی اس کو فراموش نہ ہو

ہر ذرہ را فلک بہ زمیں بوس می رسد
گر خاک راست دعویٔ ناموس می رسد

ذرے کو دیکھ چرخ زمیں بوس ہوگیا
مٹی کو جب بھی دعویٔ ناموس ہوگیا

زاں مے کہ صافِ آں بہ بتاں وقف کردہ اند
دُردِ تہِ پیالہ بہ کاؤس می رسد

صہبائے صاف وقف بتوں کے لئے جو تھی
دُرد اس کا ایک حصۂ کاؤس ہوگیا

زنیساں کہ خوگرفتۂ عاشق کُشی است حسن
ہر شمع را شکایتِ فانوس می رسد

حسن اس قدر ہے خوگرِ عاشق کُشی کہ اب
زندان شمع کے لیے فانوس ہوگیا

خود پیشِ خود کفیلِ گرفتاریِ من است
ہر دم بہ پرسشِ دلِ مایوس می رسد

خود بن کے وہ کفیلِ اسیریٔ عاشقاں
مائل بہ پرسشِ دلِ مایوس ہوگیا

بیروں میا ز خانہ بہ ہنگام نیمروز
رشک آیدم کہ سایہ بہ پابوس می رسد

جلتا ہوں دوپہر میں ترا سایہ دیکھ کر
جو مجھ سے پیشتر ترا پابوس ہوگیا

اربابِ جاہ را ز رعونت گریز نیست
کایں نشہ از شرابِ خُمِ کوس می رسد

اربابِ جاہ کو نہ رعونت سے ہے حذر
ان کو خمارِ خمرِ خُمِ کوس ہوگیا

سجادہ رہنِ مے نپذیرفت مے فروش
کایں را نسب بہ خرقۂ سالوس می رسد

سجادہ رہن کیوں نہ رکھے مے فروش، جب
اس کو نسب بہ خرقۂ سالوس ہوگیا

خشک است گر دماغِ ورع غالبا، چہ بیم
کز ذوقِ سودنِ کفِ افسوس می رسد

غالب جو دیکھا حور کے پہلو میں شیخ نے
اس کو گنہ نہ کرنے کا افسوس ہوگیا

دریغا کہ کام و لب از کار ماند
سخن ہائے ناگفتہ بسیار ماند

بیاں حالِ دل کرنا بے کار ہے
سخن لب پہ ناگفتہ بسیار ہے

گدایم نہاں خانہ را کہ در وے
در از بستگی ہا بہ دیوار ماند

نہاں خانہ ایسا ہے وہ، سائلو
کہ در جس کا مانندِ دیوار ہے

جنوں پردہ دار است مارا کہ ما را
ز آشفتگی سر بہ دستار ماند

ہے جوشِ جنوں دل میں کچھ اس قدر
کہ سر کو سمجھتا وہ دستار ہے

ادائے است او را کہ از دلربائی
نہفتن ز شوخی بہ اظہار ماند

اداؤں میں شوخی ہے ایسی، انہیں
چھپانے سے اور ہووے اظہار ہے

چہ جوییم مراد از شگرفی کہ او را
نشستن ز شنگی بہ رفتار ماند

ہے دل کو طلب تیز و طرار وہ
حضر جس کا مانندِ رفتار ہے

در آئینۂ ما کہ ناساز بختیم
خطِ عکسِ طوطی بہ زنگار ماند

ستم ہے بنے آئینے میں مرے
خطِ عکسِ طوطی بھی زنگار ہے

گروہے ست در دیرِ ہستی کہ آں را
ز پیچش نفس ہا بہ زنار ماند

گروہ ایسا ہے دیرِ ہستی میں اک
نفس جس کا پیچیدہ زنار ہے

بجز عقدۂ غم چہ بر دل شمارد
زبانے کہ دربندِ گفتار ماند

بجز عقدۂ غم نہیں اس میں کچھ
زباں جو کہ دربندِ گفتار ہے

ز قحطِ سخن ماندم خامہ غالب
بہ نخلے کز آوردنِ بار ماند

زمانے میں غالب ہے قحطِ سخن
بنا کلک اک نخلِ بے بار ہے

ترا گویند عاشق دشمنی، آرے چنیں باشد
زرشکِ غیر باید مُرد گر مہرِ تو کیں باشد

بجا ہے دشمنِ عاشق اگر وہ نازنیں ہووے
مناسب ہو بہت، دشمن سے بھی جو اس کو کیں ہووے

ازاں سرمایۂ خوبی بہ وصلم کامِ دل جستن
بداں ماند کہ مورے خرمنے را در کمیں باشد

بنانا کام اس سرمایۂ خوبی سے ہے ایسا
کہ جیسے چیونٹی اک 'بہرِ خرمن' در کمیں ہووے

محبّت ہر چہ با آں تیشہ زن کرد از ستم نبود
چنیں افتد چو عاشق سخت و شاہد نازنیں باشد

مناسب تھا ہوا فرہادِ تیشہ زن پہ جو کچھ بھی
یہ ہووے ہے جو عاشق سخت و شاہد نازنیں ہووے

بہ روزے کش شبے با مدعی باید بسر بردن
زمن ضائع کند گر صد نگاہِ خشمگیں باشد

عدو کے ساتھ جس شب قصد کرتا ہے وہ سونے کا
تو دن بھر صَرف ہم پر ساری نظرِ خشمگیں ہووے

نسوزد بر خودم دل، گر بسوزد برق خرمن را
کہ دانم آنچہ از من رفت، حقِ خوشہ چیں باشد

رکھا کرنے میں ہے کیا شکوۂ بربادیِ خرمن
نہ ہووے برق غارت گر تو دستِ خوشہ چیں ہووے

بہ پیرِ خانقہ در روضہ یکجا خوش تواں بودن
بہ شرطِ آں کہ از ما بادہ و ز شیخ انگبیں باشد

خوشی سے ساتھ بیٹھیں شیخ کے جنت میں، گر واں پر
ہمیں بادہ ملے اور اس کا حصہ انگبیں ہووے

جفاہائے ترا آخر وفائے ہست، پندارم
دریں مے خانہ صافِ مے بہ جامِ واپسیں باشد

کرے گا اے ستمگر ایک دن ہم سے وفا تُو بھی
کہ مے خانے میں صافِ مے بہ جامِ آخریں ہووے

بری از شحنہ دل تا خوں بریزی بے گناہے را
نہ ترسی از خدا آئینِ بے باکی نہ ایں باشد

لیا شحنہ کا دل تا خوں بہائے بے گناہوں کا
خدا سے ڈر، نہ اس کی پوچھ گچھ تجھ سے کہیں ہووے

چہ رفت از زہرہ با ہاروت، خاکم در دہن بادا
تو مریم باشی و کارِ تو با روح الامیں باشد

کیا ہاروت سے جو عشقِ زہرہ نے، مجھے ڈر ہے
تو مریم ہے، تجھے تو ربط با روح الامیں ہووے

از آں گردے کہ در راہش نشیند بر رخم غالبؔ
چہ خیزد چوں ہم از من رخ، ہم از من آستیں باشد

ہو رخ جتنا بھی گرد آلود غالبؔ اتنا اچھا ہے
بشرطیکہ مرا چہرا اور اس کی آستیں ہووے

از رشک کرد ہرچہ بمن روزگار کرد
در خستگی نشاطِ مرا دید، خوار کرد

کرتا ہے رشک سے، جو کرے روزگار ہے
خوش دکھ میں دیکھ کے مجھے، کردیوے خوار ہے

در دل ہمی ز بینشِ من کینہ داشت چرخ
چوں دید کاں نماند نہاں، آشکار کرد

پہلے کرے تھا چھپ کے غضب مجھ پر آسماں
کھل کے کرے ہے، راز جو اب آشکار ہے

بد کرد چوں سپہر بمن گرچہ من بدم
باید بدیں حساب زنیکاں شمار کرد

اچھوں کے ساتھ کرتا برائی ہے آسماں
نیکوں میں اس حساب سے میرا شمار ہے

لنگر گسست صرصر و کشتی شکست موج
دانا خورد دریغ کہ ناداں چہ کار کرد

کشتی کو توڑا موج نے، لنگر کو باد نے
طوفاں یہ کیسا اے فلکِ کینہ دار ہے

از بسکہ در کشاکشم از کار رفت دست
بندِ مرا گسستنِ بند استوار کرد

چاہا تھا جتنا توڑنا، یہ بندِ زندگی
اتنا ہی کشمکش نے کیا استوار ہے

عمرے بہ تیرگی بسر آوردہ ام کہ مرگ
شادم بہ روشنائیِ شمعِ مزار کرد

گو تیرگی میں عمر کٹی، بعدِ مرگ پر
امیدِ روشنائیِ شمعِ مزار ہے

تا مے بہ رغمِ من فنند از دستِ من بخاک
افراطِ ذوق دستِ مرا رعشہ دار کرد

لی ہاتھوں ہاتھ، پھر بھی گری مے زمین پر
فرطِ طلب نے مجھ کو کیا رعشہ دار ہے

کوتہ نظر حکیم کہ گفتے ہر آئینہ
نتواں فزوں ز حوصلہ جبر اختیار کرد

ہے وہ حکیم دردِ محبّت سے بے خبر
پوچھے جو، کیوں نہ دل پہ تجھے اختیار ہے

نومیدی از تو کفر و تو راضی نہ، بہ کفر
نومیدیم دگر بہ تو امیدوار کرد

نومیدی کفر، کفر کرے ناپسند تُو
بس اس لئے ہی دل ہوا امیدوار ہے

غالب کہ چرخ را بہ نوا داشت در سماع
امشب غزل سرود و مرا بے قرار کرد

غالب نہ سن کے وجد میں کیوں آئے آسماں
تیری غزل میں دردِ دل بے قرار ہے

بہ ذوقے سرزمستی درقفائے راہرواں دارد
کہ پنداری کمندِ یار، ہمچوں مارجاں دارد

اُٹھی جس طرح رہ میں قصدِ جانِ رہرواں رکھے
کمندِ زلفِ جاناں اشتیاقِ عاشقاں رکھے

تنم سازِ تمنائے است کز ہر زخمۂ دردے
ہُما را مستِ آوازِ شکستِ استخواں دارد

ہے تن سازِ تمنا، ضرب کھائے درد کی جب یہ
ہُما کو مستِ آوازِ شکستِ استخواں رکھے

ہوائے ساقیِ دارم کہ تابِ ذوقِ رفتارش
صراحی را چو طاؤسانِ بسمل پُرفشاں دارد

زہے مے خانہ جس میں لغزشِ رفتار ساقی کی
صراحی شکلِ طاؤسانِ بسمل پرفشاں رکھے

بنازم سادگی، طفل است و خونریزی نمی داند
بہ گل چیدن ہماں ذوقِ شمارِ کُشتگاں دارد

ابھی کم سن ہے، ناواقف ہے خونریزی سے، پر دیکھو
وہ گل چیننے میں کیا ذوقِ شمارِ کُشتگاں رکھے

دل از ہم ریزد و حسرت اساسِ محکمے خواہد
غم آذر بیزد و طاقت قماشِ پرنیاں دارد

ہوا ہے راکھ یہ، گو چاہتی حسرت ہے دل محکم
کہ غم آتش بہت اور دل لباسِ پرنیاں رکھے

بروں بردم گلیم از موج، دامن زیرِ کوہ آمد
نمِ گردابِ طوفاں تا چہ رختم را گراں دارد

میں بچنا چاہتا تھا موجِ طوفاں سے بہت لیکن
نمِ گردابِ طوفاں رخت کو میرے گراں گزرے

برنجد از دمِ تیغِ تو صید و در رمیدن ہا
با امیدِ تلافیِ چشم بر پشتِ کماں دارد

دمِ شمشیر سے بھاگے ہے صید اُس پر بھی وہ ہر دم
بہ امیدِ تلافی چشم بر پشتِ کماں رکھے

دلم در حلقۂ دامِ بلا می رقصد از شادی
ہمانا خویشتن را در خمِ زلفش گماں دارد

کرے ہے حلقۂ دامِ بلا میں رقص دل میرا
اسیریِ خمِ گیسو کا شاید وہ گماں رکھے

به گلہائے بہشتم مژدہ نتواں داد در راہش
من و خاکے کہ از نقشِ کفِ پائے نشاں دارد

رہِ اُلفت میں گلہائے بہشتی کا نہ دو مژدہ
مجھے دو خاک جو اس کے کفِ پا کا نشان رکھے

بہ شرع آویز و حق می جو، کم از مجنوں نۂ بارے
دلش با محمل است، اما زباں با ساربان دارد

سخن مذہب کا کر، پر ڈھونڈ حق کو، تو وہ مجنوں ہے
جو با محمل رکھے دل اور زباں با ساربان رکھے

رمم زاں تُرکِ صید افگن کہ خواہم صرفِ من گردد
گسستن ہائے بے اندازہ کاندر عناں دارد

میں بھاگا تُرکِ صید افگن سے، تا ہوں صرف سب مجھ پر
سبک رفتاریاں جتنی بھی وہ اندر عناں رکھے

خدارا وقتِ پرسش نیست، گفتم بگذر از غالب
کہ ہم جاں بر لب و ہم داستاں ہا بر زباں دارد

نہ پرسش کر خدارا، چین سے مرنے دے غالب کو
کہ مرتے وقت بھی شکوے بہت وہ بر زباں رکھے

صاحب دل است و ناموَر، عشقم بہ ساماں خوش نکرد
آشوبِ پیدا ننگِ او، اندوہِ پنہاں خوش نکرد

وہ اہلِ دل، وہ ناموَر ہے اس کے شایاں کچھ نہیں
آشوبِ ظاہر ہیچ ہے، اندوہِ پنہاں کچھ نہیں

دانست بے حس ناخنم، الماس زد بر ریشِ من
سنجیدہ شستِ خود قوی، در تیر پیکاں خوش نکرد

ناخون بے حس جان کر، چیرے وہ زخم الماس سے
ایسا ہے تیر اس کا قوی، سمجھے ہے پیکاں کچھ نہیں

آں خود بہ بازی می برد، دیں را دو جو می نشمرد
بنمودمش دیں خندہ زد، آوردمش جاں خوش نکرد

لیوے مذاقاً وہ انہیں ورنہ تو سب اس کیلئے
ہیں ہیچ جان و دل مرے اور دین و ایماں کچھ نہیں

در نامہ تا بنوشتمش کز شہر پنہاں می روم
دل بست در مضموں ولے، نامم بہ عنواں خوش نکرد

لکھا جو خط میں، ظلم نے مجھ سے چھٹایا شہر ہے
مضمون لگا اچھا اسے، بھایا پر عنواں کچھ نہیں

دارم ہوائے آں پری کو بس کہ نغز و سرکش است
ز افسوں مسخر شد ولے، زہد پری خواں خوش نکرد

ہے اس پری سے واسطہ یکسر جو سرکش اور عجب
ہو کیوں وہ قابو میں کہ جب زہد پری خواں کچھ نہیں

فریاد زاں شرمندگی کارند چو در محشرم
گویند اینک خیرہ سر، کز دوست فرماں خوش نکرد

شرم آئے ہے یہ سوچ کر کہ حشر میں کہویں گے سب
یہ سر پھرا ہے، دوست کا جس کو کہ فرماں کچھ نہیں

عام است لطفِ دلبراں، جز عام ننہد دل بر آں
عاشق، ز خاصانش مداں، گر دل بہ حرماں خوش نکرد

مرتے ادائے لطف پر ہیں عام، لیکن خاص کو
جور و ستم سے یار کے، احساسِ حرماں کچھ نہیں

شرع از سلامت بلنیگی، عشقِ مجازی بر نتافت
زاہد بہ کنجِ صومعہ، غوغائے سلطاں خوش نکرد

خواہانِ امن و صلح کو کیا تابِ رنجِ عشق ہو
گوشہ نشیں کے واسطے غوغائے سلطاں کچھ نہیں

با من میاویز اے پدر، فرزندِ آذر را نگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر، دینِ بزرگاں خوش نکرد

جھگڑا نہ کر مجھ سے پدر، فرزندِ آذر دیکھ تو
اہلِ نظر کے واسطے، دینِ بزرگاں کچھ نہیں

غالبؔ بہ فنِ گفتگو نازد، بدیں ارزش کہ او
ننوشت در دیواں غزل، تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

غالبؔ نہ آئے مصطفیٰ خاں کو پسند کچھ یہ اگر
ہے نازِ فن بے جا ترا، تمکینِ دیواں کچھ نہیں

قدرِ مشتاقاں چہ داند، دردِ ماچندش بود
آنکہ دایم کاربا دلہائے خورسندش بود

قدرِ دل تنگی نہیں گرچہ ہے دلبندی بہت
کاروبارِ یار چلتا ہے بہ خورسندی بہت

شاہدِ ما ہمنشیں آرا، و رنگیں محفل است
لاجرم در بندِ خویش است آنکہ در بندش بود

گو ہے شاہد ہمنشیں آرا و رنگِ مجلسی
عاشقوں کے واسطے اس کی ہے پابندی بہت

در نگاریں روضۂ فردوس نکشاید دلش
آنکہ در بندِ دروغِ راست مانندش بود

دل کشا ہے باغِ جنت کچھ نہ عاشق کے لئے
وہ ہے دربندِ دروغِ راست مانندی بہت

آنکہ از تشنگی بہ خاموشی دل از ما می برد
وائے گر چو ما زبانِ نکتہ پیوندش بود

خامشی سے لے کے جاتا ہے بصد انداز دل
وہ جو رکھتا ہے زبانِ نکتہ پیوندی بہت

در ستم حق ناشناسش گفتن از انصاف نیست
آنکہ چندیں تکیہ بر حلمِ خداوندش بود

کیسے کہہ سکتے ہیں اس ظالم کو حق ناآشنا
ہے جسے اُمید بر حلمِ خداوندی بہت

ہیچ دانی ایں ہمہ شورِ عتاب از بہرِ چیست
تا جگرہا تشنۂ موجِ شکر خندش بود

جھیلتا عاشق ہے سب شورِ غضب معشوق کا
ہے مگر وہ تشنۂ موجِ شکر خندی بہت

نازم آں خود بیں کہ ناید غیرِ خویشش در نظر
گو بخاکِ رہگذارِ دوست سوگندش بود

ناز اس خود بیں پہ ہے مجھ کو جو اپنی خاک میں
دیکھتا ہے اک غبارِ راہِ دلبندی بہت

آنکہ خواہد در صفِ مرداں بقائے نامِ خویش
خونِ دشمن سرخ تر از خونِ فرزندش بود

ہے صفِ مرداں میں عالی مرتبہ اس شخص کا
خونِ دشمن میں جو دیکھے خونِ فرزندی بہت

باخرد گفتم نشانِ اہلِ معنی باز گو
گفت گفتارے کہ باکردار پیوندش بود

عقل سے پوچھا کہ ہے کیا اہلِ معنی کا نشاں
بولی قول و فعل میں ہے ان کے پیوندی بہت

غالبا زنہار بعد از ما بخونِ ما مگیر
قاتلِ ما را کہ حاکم آرزومندش بود

کر نہ اے غالب مرے قاتل سے کوئی پوچھ گچھ
اس کی حاکم بھی کرے ہے آرزومندی بہت

بہرِ خواری بسکہ سرگرمِ تلاشم کردہ اند
پارۂ نزدیک در ہر دُور پاشم کردہ اند

بہرِ خواری دل کو سرگرمِ تلاشی کر دیا
اک جہانِ "لا" و "یا" کا اس کو باشی کر دیا

ترسم از رسوائی ام آخر پشیمانی کشند
رازم و این شاہدانِ مست فاشم کردہ اند

میری رسوائی کی خاطر شاہدانِ شوخ کو
درپئے آزار و محوِ راز فاشی کر دیا

چرخ ہر روزم غمِ فردا بہ خوردن می دہد
تاقیامت فارغ از فکرِ معاشم کردہ اند

دے کے کھانے کو غمِ فردا فلک نے روز و شب
تا قیامت فارغِ فکرِ معاشی کر دیا

غیر، گفتی، روشناسِ چشمِ گوہر بار است
راز دانِ نالۂ الماس پاشم کردہ اند

چشمِ گوہر بار، مانا، غیر بھی رکھتا ہے، پر
تُو نے مجھ کو قابلِ الماس پاشی کر دیا

ہر چہ از بے طاقتی، مزدِ ثباتم دادہ اند
ہر چہ از اندوہ، صرفِ انتعاشم کردہ اند

ناتوانی جس قدر تھی، وہ تھی مزدِ محکمی
جس قدر غم تھا وہ صرفِ انتعاشی کر دیا

ہم بہ صحرائے جنوں مجنوں خطابم دادہ اند
ہم بہ کوہِ بے ستوں خارا تراشم کردہ اند

دشت نے دی بادیہ پیمائیِ مجنوں بہت
کوہ نے مجھ کو مائلِ خارا تراشی کر دیا

چشم بنوم، ارچہ رُو خارم بہ جیب افشاندہ اند
دل نباشم، تاچرا رزقِ خراشم کردہ اند

آنکھ دی لیکن ہزاروں خار اس میں بھر دیئے
دل دیا لیکن اسے رزقِ خراشی کر دیا

ازچہ غالبؔ خواجگی ہائے جہاں ننگِ من است
گر نہ باسلمان و بوذر خواجہ تاشم کردہ اند

فقر غالبؔ کو دیا ہے اتنا یارب، تو اسے
کیوں نہ باسلمان و بوذر خواجہ تاشی کر دیا

کسے با من چہ در صورت پرستی حرفِ دیں گوید
ز آذر گفت ”دانم“، گر ز صورت آفریں گوید

کوئی صورت پرستی کے تحت گر حرفِ دیں کہوے
خدا کو وہ نہیں، آذر کو صورت آفریں کہوے

دلم در کعبہ از تنگی گرفت، آوارہ خواہم
کہ با من وسعتِ بت خانہ ہائے ہندوچیں گوید

کرے ہے متقی کی تنگ نظری تنگ دل مجھ کو
دلِ عشاق وہ بت خانہ ہائے ہندوچیں کہوے

بہ خشم ناسزا می گوید و از لطفِ گفتارش
گماں دارم کہ حرفِ دلنشینے بعد ازیں گوید

کرے ہے سرزنش جب وہ، مجھے اُمید رہتی ہے
کہ شاید بعد اس کے ایک حرفِ دلنشیں کہوے

چو خواہم داد از غم، در جوابم لب فرو بندد
وگر گویم کہ جاں خواہم بہ غم داد، آفریں گوید

میں مانگوں داد گر غم کی تو ہو جاتا ہے گم صم وہ
کہوں دیتا ہوں جاں غم میں، تو سن کے آفریں کہوے

رہم افتادہ بہرِ دانہ سوئے دامِ صیادے
کہ حرفِ ذبح با ہمرازِ خویش اندر کمیں گوید

میں آنا چاہتا ہوں دام میں صیاد کے ایسے
جو حرفِ ذبح یا ہمرازِ خود اندر کمیں کہوے

ز بے تابی بروں انداز داز خویش آستیں دورش
گریباں آنچہ دید از دست گر با آستینش گوید

نہ لگنے ہاتھ دے اپنے پہ میرا، آستیں میری
گریباں داستاں اپنی اگر با آستیں کہوے

دل از پہلو بروں آرم جمش جامِ خود انگارد
وگر لختے بر افشانم سلیمانش نگیں گوید

کہے جامِ جہاں بیں، دیکھ کے جمشید دل میرا
سلیماں، دیکھ کے لختِ جگر میرا، نگیں کہوے

گذارد آنچہ برق از خرمن اندر دشت بگذارم
کہ ترسم چوں بچینم کس بہ طنزم خوشہ چیں گوید

بچا تھا برق سے خرمن میں جو بھی، چھوڑ آیا ہوں
کہ مجھ کو دیکھ کر کوئی، کہیں نہ خوشہ چیں کہوے

چہ راند تند غالب را ازآں در، رہروے باید
کہ رازِ خلوتِ شہ با گدائے رہ نشیں گوید

اُٹھایا یار نے غالب کو در سے، ہے کہیں کوئی
جو رازِ خلوتِ شہ با گدائے رہ نشیں کہوے

غمِ من از نفسِ پند گو چہ کم گردد
بر آتشم چو گل و لالہ، باد دم گردد

فزون اور نفسِ پند گو سے غم ہووے
تنورِ گل یہ ہوا جیسے گرم دم ہووے

ترا تنے است کہ بروے سمن خسک باشد
مرا دلے است کہ دروے نشاط غم گردد

ہے تن ترا کہ لگے ہے سمن، خسک اس پر
ہے دل مرا کہ نشاط آکے اس میں غم ہووے

نماندہ تابِ غمش، خاطرِ رقیب مجو
کسے چہ درپئے صیدِ گسستہ دم گردد

نہ تابِ غم رہی دشمن میں، اس کو جانے دے
پکڑتے صید نہیں، بھولا جس کا دم ہووے

ز ذوقِ گریہ پُرستم دل و تومی نگری
نگہ مباد ز بارِ سرشک خم گردد

ہے میرا گریہ سے پُر دل، نہ دیکھ یوں کہ کہیں
نگاہ بوجھ سے اشکوں کے تری خم ہووے

بدیں قدر کہ لبے ترکنی و من بمکم
ترا ز بادۂ نوشیں چہ مایہ کم گردد

لبوں کو تر کرے بادے سے اور میں چوموں
وہ یوں بھی کاش کبھی مائلِ کرم ہووے

بہ غصہ راضی ام امابدشنہ دریابی
دمے کہ سینہ و ناخن ہلاک ہم گردد

کریدے زخم یہ اس کے، جلائے وہ اس کو
ہلاکِ سینہ و ناخون یوں بہم ہووے

رسیدہ ایم بکوئے تو، جائے آں دارد
کہ عمر صَرفِ زمیں بوسیِ قدم گردد

میں قصد کرکے یہ آیا ہوں تیرے کوچے میں
کہ عمر صَرفِ زمیں بوسیِ قدم ہووے

تو پا بپرسشِ من کردہ خاکی و ترسم
کہ پائے تو ہمہ تاجِ سرِ قسم گردد

تو آیا پوچھنے، ڈرتا ہوں خلق سے کہ اسے
نہ پا ترا کہیں تاجِ سرِ قسم ہووے

سبک سری است بہ دریوزۂ طرب رفتن
خوشا دلے کہ بہ اندوہ محتشم گردد

گدائیٔ عیش کی کرنا سبک سری ہے بہت
خوشا وہ دل جو بہ اندوہ محتشم ہووے

رخے کہ در نظرستم بہ جلوہ گل پاشد
تفے کہ در جگرستم بہ دیدہ نم گردد

کرے ہے جلوۂ رخ بر نگاہ گل پاشی
جگر کی آگ نمایاں بہ چشمِ نم ہووے

گرفتہ خاطرِ غالبؔ ز ہند و اعیانش
بر آں سر است کہ آوارۂ عجم گردد

کیا جو ہند نے ہے تجھ کو تنگ دل غالبؔ
نہ ہو عجب جو تو آوارۂ عجم ہووے

بیدل نہ شد، از دل بہ بتِ غالیہ مو داد
گوئی مگر آں دل کہ زمن برد باؤ داد

جب تجھ کو عدو سے نہ بتِ غالیہ مو ہے
لگتا ہے، مرا دل ہے جو دیوے اسے تُو ہے

سخت است دلِ غیر و گر از ننگ نگوئی
برگشتنِ مژگانِ تو گوید کہ چہ رو داد

منہ پھیرنا دشمن سے ترا کرتا عیاں ہے
ہے شرم تجھے بیش کہ دل سخت عدو ہے

شایستہ ہمیں ما و تو بودیم کہ تقدیر
ما را سخنِ نغز و ترا روئے نکو داد

زیبائشِ دنیا ہے فزوں جب سے کہ اس ہیں
میرا سخنِ نغز، ترا روئے نکو ہے

ساقی دگرم برد بہ مے خانہ ز مسجد
مے یک دو قدح بود فریبم بہ سبو داد

کیوں لایا ہے مسجد سے مجھے کھینچ کے ساقی
جب خالی صراحی ہے، تہی تیرا سبو ہے

برخیز کہ دل جوئیِ من بر تو حرام است
اے آنکہ ندانی خبرم زاں سرِ کو داد

غم خوار کرے گا مری دل جوئی وہ کیسے
کر سکتا بیاں جو نہیں حالِ سرِ کُو ہے

زیں سادہ دلی داد کہ چوں دید بخواہم
ترسید خود و مژدۂ مرگم بہ عدو داد

گر سوتا وہ دیکھے ہے مجھے، مُردہ سمجھ کر
کرتا مرے مرنے سے خبردار عدو ہے

حسنِ تو بہ ساقی گری آئیں نشناسد
مست آمد و یکبار دو ساغر ز دو سُو داد

کم عمر ہے، ساقی گری آتی نہیں اس کو
دو جام کو، مست ہو کے، چلاتا وہ دو سُو ہے

در گلشنم و آرم ازاں روئے نکو یاد
در دوزخم و خواہم ازاں تندیِ خو داد

وہ چہرہ نظر ڈھونڈتی گلشن میں ہے، جس کی
دوزخ میں جلاتی مجھے اک تندیِ خو ہے

گفتن سخن از پایۂ غالب نہ ز ہوش است
امروز کہ مستم خبرے خواہم ازو داد

ناقابلِ گفتار ہے رتبہ ترا غالب
مے خانوں کے آ جائے اگر ذکر میں تُو ہے

نہم جبیں بہ درش، آستاں بگرداند
نشیمنش بہ سرِ رہ، عناں بگرداند

چلو ہے ٹھیک، نہ کوئی بر آستاں ہووے
میں رہ نشیں ہوں، ترا اس میں کیا زیاں ہووے

اگر شفاعتِ من در تصورش گذرد
بہ بزمِ انس رخ از ہمدماں بگرداند

گماں اگر ہو کہ مجھ سے کریں گے ہمدردی
وہ بزمِ انس میں برہم بہ ہمدماں ہووے

بہ بزمِ بادہ بہ ساقی گری ازو چہ عجب
کہ پیرِ صومعہ را درمیاں بگرداند

عجب نہیں، جو تُو ساقی گری کرے آ کر
کہ شیخِ صومعہ رندوں کے درمیاں ہووے

اگر نہ مائلِ بوسِ لبِ خود است چرا
بہ لب چو تشنہ دمادم زباں بگرداند

نہیں ہے مائلِ بوسہ اگر، بتا پھر کیوں
لبوں کے گرد یوں ہر دم تری زباں ہووے

بہ بندِ دامِ بلائے تو صعوہ را گردوں
ہما بہ گردِ سرِ آشیاں بگرداند

پرند دام میں دیکھے اگر ہما بھی ترے
وہاں بنانے کا شائق وہ آشیاں ہووے

چو غمزۂ تو فسونِ اثر فرو خواند
بلائے راہزن از کارواں بگرداند

فسونِ غمزہ کرے، نازِ حسن گر تیرا
خطر سے راہ کے محفوظ کارواں ہووے

بہار را ز رخت تا چہ رنگ در نظر است
کہ دمبدم ورقِ ارغواں بگرداند

بہار دیکھے اگر آب و رنگِ رخ تیرا
نہ مطمئن بہ بنفشہ و ارغواں ہووے

تو نالی از خلۂ خار و ننگری کہ سپہر
سرِ حسینِ علی بر سناں بگرداند

خلش سے خار کی روتا ہے، دیکھ تو کیسے
سرِ حسینِ علی بر سرِ سناں ہووے

برو بہ شادی و اندوہ دل منہ کہ قضا
چو قرعہ در نمطِ امتحاں بگرداند

نہ فکرِ شادی و اندوہ کر، یہ دیکھ کہ جب
قضا و قدر کو منظور امتحاں ہووے

ق

یزید را بہ بساطِ خلیفہ بنشاند
کلیم را بہ لباسِ شباں بگرداند

ملے یزید کو پوشاک اک خلیفہ کی
کلیم کے لئے پر جامۂ شباں ہووے

اگر بباغ ز کلکم سخن رود غالبؔ
نسیم، روئے گل، از باغباں بگرداند

وہ دیکھے جب تری رنگینیِ سخن غالبؔ
خجل بہ رنگِ گل و لالہ، باغباں ہووے

چوں زہ بہ قصدِ نشاں بر کماں بجنباند
تپد ز رشک دلم تا نشاں بجنباند

جو تیر تیرا درونِ کمان ہووے ہے
ہماری رشک سے بےتاب جان ہووے ہے

دعا کدام و چہ دشنام تشنۂ سخنیم
بہ کامِ ماست زباں چوں زباں بجنباند

دعائے خیر ہو، لعنت ہو یا ملامت ہو
جو ہو زباں پہ تری، نوشِ جان ہووے ہے

ز غیر نیست ز حسن است کش مجال نداد
کہ لب بہ زمزمۂ الاماں بجنباند

ہے رعبِ حسن، نہ ضبطِ الم کہ لب پہ نہیں
عدو کے زمزمۂ الامان ہووے ہے

بہ نالہ ذوقِ سماع از تو چشم نتواں داشت
اگر بہ جنبشِ مہر آسماں بجنباند

اثر نہ کر سکی تجھ پر فغاں، جسے سن کر
اثر پذیرِ دلِ آسمان ہووے ہے

کہ رفتہ از درِ زنداں کہ بےقراریِ من
کلیدِ در بکفِ پاسباں بجنباند

ہوں بےقراریوں ہونے کو قید کہ جنباں
کلید در بکفِ پاسبان ہووے ہے

بہ خانقہ چہ کند تا پری وشے کہ بباغ
ز غمزہ خوں بہ رگِ ارغواں بجنباند

کرے گا حشر نہ کیا خانقہ میں، دیکھ جسے
خوں جوش میں بہ رگِ ارغوان ہووے ہے

سپہر از رخِ ناشستۂ تو شرمش باد
کہ عکسِ ماہ در آبِ رواں بجنباند

جو شب میں دیکھے ترا آبِ رخ، تو عکسِ مہ
حیا سے لرزاں در آبِ روان ہووے ہے

ہنوز بے خبری زانکہ جبہہ بر درِ تو
نسودہ ایم چناں کاستاں بجنباند

ہو تجھ کو کیسے خبر ایسی جبہہ سائی کی
نہ لرزاں جس سے ترا آستان ہووے ہے

نشستہ ام بہ رہِ دوست، پُر ز دوست، مباد
کہ کس بہ من رسد و ناگہاں بجنباند

خیال میں ترے رہتی نہیں خبر کوئی
کچھ اس طرح سے ترا سر میں دھیان ہووے ہے

خبر ز حالِ اسیرانِ باغ چوں نبود
مرا کہ چیدنِ دام، آشیاں بجنباند

اثر ہے ایسا اسیرانِ باغ کا، لرزاں
بہ خوفِ دام مرا آشیان ہووے ہے

جنونِ ساختہ دارم چہ خوش بود غالب
کہ دوست سلسلۂ امتحاں بجنباند

جنون بڑھتا ہے غالب کا مصلحت سے جب
نظر میں سلسلۂ امتحان ہووے ہے

پروا اگر از عربدۂ دوش نکردند
امشب چہ خطر بود کہ مے نوش نکردند

پروا نہیں گر، ہوش ہو یا ہوش نہ ہووے
کیوں بادہ تری بزم میں پھر نوش نہ ہووے

در تیغ زدن منتِ بسیار نہادند
بردند سر از دوش و سبکدوش نکردند

سر بار تھا پہلے، ہوا اب بار ہے احساں
سر دے کے بھی شیدائی سبکدوش نہ ہووے

از تیرگیِ طرۂ شب رنگ نظر ہا
پرواز در آں صبحِ بُناگوش نکردند

ہے تیرگیِ گیسوئے شبرنگ کچھ ایسی
تیرا طلوعِ مہرِ بُناگوش نہ ہووے

داغِ دلِ ما شعلہ فشاں ماند بہ پیری
ایں شمع، شب آخر شد و خاموش نکردند

پیری میں بھی ہیں شعلہ فشاں داغ ہمارے
ہے شمعِ سحر دل، ولے خاموش نہ ہووے

روزے کہ بہ مے زور و بہ نے شور نہفتند
اندیشہ بہ کارِ خرد و ہوش نکردند

شور اتنا ہے نے میں مری، زور اتنا ہے مے میں
اندیشہ بہ کارِ خرد و ہوش نہ ہووے

گر داغ نہادند و گر درد فزودند
نازم کہ بہ ہنگامہ فراموش نکردند

جتنا بھی ہو غم، جتنی بھی سوزش، ولے دل میں
ہنگامہ ہے ایسا کہ فراموش نہ ہووے

خوں می خورم از حسن کہ ایں گنجِ رواں را
در کارِ تہی دستیِ آغوش نکردند

اکنوں خطرے نیست کہ تا پُر نہ شد از دل
خود چاہِ زنخدانِ تو خس پوش نکردند

گر خود بہ غلامی نہ پزیرند، گدا باش
بر در بزن آں حلقہ کہ در گوش نکردند

غالبؔ ز تو آں بادہ کہ خود گفت نظیریؔ
"در کاسۂ ما بادۂ سرجوش نکردند"

اے حسن ہے شکوہ کہ ترے گنجِ رواں سے
کچھ دُور تہی دستیِ آغوش نہ ہووے

کرتا ہے شکارِ دلِ عشاق بہ ہر سو
اک چاہِ زنخدان جو خس پوش نہ ہووے

ہے فرق گدائی میں، غلامی میں نہ ہم کو
حلقہ ہو ترے در پہ، جو در گوش نہ ہووے

غالبؔ کو ملا بیش، گو کہوے ہے نظیریؔ
"کاسے میں مرے بادۂ سرجوش نہ ہووے"

تاجرِ شوق بداں رہ بہ تجارت نرود
کہ رہ انجامد و سرمایہ بہ غارت نرود

تاجرِ شوق نہ واں بہرِ تجارت جائے
رہ نہ کھووے جہاں، سرمایہ نہ غارت جائے

چہ نویسم بہ تو در نامہ کز انبوہیِ غم
نیست ممکن کہ روانی ز عبارت نرود

کیا لکھوں خط میں تجھے میں کہ بہ انبوہیِ غم
جس کے لکھنے سے نہ تاثیرِ عبارت جائے

از حیا گیر، نہ از جور، گر آں مایۂ ناز
کُشتۂ تیغِ ستم را بہ زیارت نرود

شرم سے ہے، نہ کہ از جور، جو وہ مایۂ جاں
کُشتۂ ناز کی کرنے نہ زیارت جائے

وصلِ دلدار نہ خُلد است، ہماں بہ ہمدم
کہ نگوئی سخن و عرضِ بشارت نرود

حور کا ملنا ہے آساں، ہے ولے ڈر کہ کہیں
وصلِ دلدار کی ضائع نہ بشارت جائے

دل بداں گو نہ بیالائے کہ در خواہشِ دید
دیدہ خوں گردد و از دیدہ بصارت نرود

دل لگے حسن سے یوں، دید کی بے تابی میں
آنکھ سے خوں گرے لیکن نہ بصارت جائے

قصرِ مہماں کدۂ حاتم و کسریٰ بگذار
نام از رفتنِ آثارِ عمارت نرود

نہ رہے دارا و کسریٰ کے محل تو کیا ہے
نام مٹتا نہیں، مٹ گرچہ عمارت جائے

حجِ درویشِ طمع پیشہ نیرزد بہ قبول
تاکہ اندوختۂ گدیہ بہ غارت نرود

حجِ درویشِ طمع پیشہ میں اندیشہ ہے
کہیں اندوختۂ گدیہ نہ غارت جائے

تو بہ یک قطرۂ خوں ترکِ وضوگیری و ما
سیلِ خوں از مژہ رانیم و طہارت نرود

توڑ دیتا ہے وضو شیخ کا اک قطرہ، ولے
سیلِ خوں لے کے ہماری نہ طہارت جائے

رمز بشناس کہ ہر نکتہ ادائے دارد
محرم آن است کہ رہ جز بہ اشارت نرود

رازداں دہر میں یوں تو ہیں خردمند بہت
ہے وہ محرم، نہ کہیں جو بے اشارت جائے

غالبِ خستہ بکوئے تو رہینِ تپشے است
کہ بہ شاہی نہ نشیند، بہ وزارت نرود

اس کے کوچے میں جو ہے رتبۂ غالبِ عالی
چاہے شاہی نہ ہوا، چاہے وزارت جائے

بتے دارم ز شنگی روزگاراں خو، بہاراں بر
بہ مستی خویش را گرد آرد و گوی از ہوشیاراں بر

ہے بت میرا کہ اس کے دم سے رونق ہے بہاروں میں
وہ مستی میں بھی عالی مرتبہ ہے ہوشیاروں میں

خُمے از مے بما بفرست و آنگہ ہر قدر خواہی
رواں کن جوئے از شیر و دل از پرہیزگاراں بر

خُمِ مے بھیج دے مجھ کو، پھر اس کے بعد جا لے کر
تُو جا ہے جس قدر شیر و شکر پرہیزگاروں میں

مرا گوئی کہ تقویٰ ورز، قربانت شوم، خود را
بیارا سے دیہ خلوت خانۂ تقویٰ شعاراں بر

کہے مجھ سے ہے تقویٰ کر، نہیں پر دیکھتا ظالم
بپا کرتا ہے کیسا حشر تُو تقویٰ شعاروں میں

چہ پرسی کایں چنیں داغ از کدامیں تخم می خیزد
دلم از سینہ بیروں آر و پیشِ لالہ کاراں بر

جو پوچھے ہے کہاں ہے تخم میرے داغِ حسرت کا
تو سینہ چیر کے لے جا مرا دل، لالہ کاروں میں

دریں بیہودہ میری آنچہ با من درمیاں داری
بگو لختے واز من زحمتِ اندوہ گساراں بر

تباہی ہے مری بے وجہ، جا کے سب سے یہ کہہ دے
ہو تاکہ زحمتِ غم کم ذرا کچھ غمگساروں میں

ندارد شیر و خرما ذوقِ صہبا، زحم می آید
نشاطِ عید از ما ہدیہ سوئے روزہ داراں بر

مزہ مے کا نہیں ہے کچھ ذرا بھی شیر خرمے میں
تُو لے کے جا کبھی ساقی صراحی روزہ داروں میں

بیا رضواں مگر تہ جرعۂ بخشندت ز ساغر
گل از گلبن بیفشان و بہ بزمِ شاد خواراں بر

تہِ ساغر پیئے گر تُو، تو ہو معلوم اے رضواں
کہ ہے مقبول بادہ کیوں نہ تیرا بادہ خواروں میں

پشیماں می شوی از ناز، بگذر زیں گراں جاناں
دل از دلدادگاں جو و قرارِ بے قراراں بر

نمک کم نیست ہاں ہمت بیا و دادِ شوخی دہ
غرورِ ننگ زنہار از نہادِ دلفگاراں بر

مپرس اے قاصد اہلِ وطن از من کہ من چوں نم
سپارس نامہ از اغیار گر یابی بہ یاراں بر

شکستِ ما بود آرائشِ خویشانِ ما غالب
زنند از شیشۂ ما گل بفرقِ کوہساراں بر

نہیں ان سخت جانوں سے ملے کچھ، ڈھونڈے جاناں
دلوں کو اہلِ دل میں، بے قراری بے قراروں میں

چھڑکتا ہے نمک گر زخم پر، ظالم چھڑک اتنا
نہ طاقت ضبط کی باقی رہے کچھ دلفگاروں میں

تباہی کا ہوتا اندازہ میری کچھ انہیں قاصد
تو لے کے ساتھ جا اغیار کا پیغام یاروں میں

بہت کرتے ہیں آرائش وہ گل پاشی سے یار اپنی
جو شیشہ توڑتے ہیں تیرا غالب کوہساروں میں

مژده اے ذوقِ خرابی کہ بہار است بہار
خردِ آشوب تر از جلوهٔ یار است بہار

مژدہ اے ذوقِ خرابی، ہے بہار ابرِ بہار
خرد آشوب تر از جلوهٔ یار ابرِ بہار

چہ جنوں تاز ہوائے گل و خار است بہار
کایں چنیں قطرہ زن از ابرِ بہار است بہار

ڈھونڈتا پھرتا ہے صحراؤں میں، گلزاروں میں
قطرہ زن ہے بہ ہوائے گل و خار ابرِ بہار

نازم آئینِ کرم را کہ بہ سرگرمیِ خویش
دشت را شمع و چراغِ شبِ تار است بہار

زہے آئینِ کرم، دیوے ہے سرگرمی سے
دشت و صحرا کو چراغِ شبِ تار ابرِ بہار

شوخیِ خوئے ترا قاعدہ دان است خزاں
خوبیِ روئے ترا آئینہ دار است بہار

سوزشِ تندیِ خو بادِ خزاں میں ہے تری
زلفِ شبرنگ کا ہے آئینہ دار ابرِ بہار

در غمت غازهٔ رخسارهٔ ہوش است جنوں
در رہت شانهٔ گیسوئے غبار است بہار

ہے جنوں غم میں ترے، غازهٔ رخسارِ ہوس
رہ میں ہے شانۂ گیسوئے غبار ابرِ بہار

ہم حریفانِ ترا طرفِ بساط است چمن
ہم شہیدانِ ترا شمعِ مزار است بہار

ہے حریفوں کے لئے طرفِ بساطِ گلشن
اور شہیدوں کو شگوفہ بہ مزار ابرِ بہار

جعدِ مشکینِ ترا غالیہ سائیست نسیم
رخِ رنگینِ ترا غازہ نگار است بہار

زلفِ مشکیں میں تری غالیہ سا بادِ صبا
رخِ رنگیں کا ترے غازہ نگار ابرِ بہار

وحشتے می دمد از گردِ پر افشانیِ رنگ
از کمینگاہ کہ رم خوردہ شکار است بہار

وحشت افروغ ہوئی گرد ہے پَر افشانیِ رنگ
ہے کمیں گاہ کا رم خوردہ شکار ابرِ بہار

بجہاں گرمیِ ہنگامۂ حسن است ز عشق
شورش اندوز ز غوغائے ہزار است بہار

عشق سے گرمیِ ہنگامۂ خوبانِ جہاں
شورش اندوز بہ غوغائے ہزار ابرِ بہار

سنبل و گل اگر از گلشنیاں است چہ غم
بہرِ ما گلخنیاں دُود و شرار است بہار

خوش دلوں کے لئے نسرین و گلاب و سنبل
بہرِ دل سوختگاں دُود و شرار ابرِ بہار

خارہا در رہِ سودا زدگاں خواہد ریخت
ورنہ در کوہ و بیاباں بچہ کار است بہار

رنگ و بُو دیتا ہے دنیا کو، پر عاشق کے لئے
اور بچھاوے ہے بیاباں میں خار ابرِ بہار

میتواں یافتن از ریزشِ شبنم غالبؔ
کہ ز رشکِ نفسم در چہ فشار است بہار

یہ برستا نہیں، رونا ہے بہت اے غالبؔ
دیکھ کے حال ترا، زار و قطار ابرِ بہار

بہ مرگِ من کہ پس از من بہ مرگِ من یاد آر
بہ کوئے خویشتن آں نعشِ بے کفن یاد آر

نہ گور اس کی ہے کوئی، نہ گورکن دیکھو
ہے کوئے یار میں اک نعشِ بے کفن دیکھو

من آں نیم کہ زمرگم جہاں بہم نخورد
فغانِ زاہد و فریادِ برہمن یاد آر

ہوئے ہیں لوگ عجب اس کی موت سے برہم
فغانِ زاہد و فریادِ برہمن دیکھو

ببام و در ز ہجومِ جوان و پیر بگو
بکوے و برزن از اندوہِ مرد و زن یاد آر

ہے بام و در پہ ہجومِ جوان و پیر بہت
ہے کیسا شہر میں اندوہِ مرد و زن دیکھو

بسازِ نالہ گروہے ز اہلِ دل دریاب
بہ بندِ مرثیہ جمعے ز اہلِ فن یاد آر

کریں ہیں نالہ و فریاد اہلِ دل کتنے
ہوئے ہیں مرثیہ گو کیسے اہلِ فن دیکھو

ملالِ خلق و نشاطِ رقیب در ہر حال
غریوِ خویش بہ تحسینِ تیغ زن یاد آر

ملالِ خلق و نشاطِ رقیب ہیں لیکن
یہ دینا یار کا تحسینِ تیغ زن دیکھو

بخود شمارِ وفاہائے من زمردم پرس
بمن حسابِ جفاہائے خویشتن یاد آر

کریں وفائیں ہیں بے سُود عاشقاں کیسی
جفائیں کرتے ہیں کتنی بہ غمزہ زن دیکھو

چہ دید جانِ من از چشمِ پُر خمار بگوی
چہ رفت بر سرم از زلفِ پُر شکن یاد آر

ہے گزری جاں پہ مری چشمِ پُر خمار سے کیا
کرے ہے کیسا ستم زلفِ پُر شکن دیکھو

خروشِ و زاریِ من در سیاہیِ شبِ زلف
دمِ فتادنِ دل در چہِ ذقن یاد آر

سیاہیِ شبِ گیسو میں گرتا پڑتا دل
گرا ہے کس طرح اندر چہِ ذقن دیکھو

بہ سنج تاز تو بر من در آں محل چہ گزشت
نخواندہ آمدنِ من در انجمن یاد آر

بِنا بلائے گیا ہوں اگر، مجھے کیسے
وہ دیکھے قہر سے ہے میرِ انجمن دیکھو

زمن بس از دو سہ تسلیم یک نگہ وانگہ
زخود بس از دو سہ دشنام یک سخن یاد آر

ہزار منتیں کرتا ہوں تب کہیں جا کر
کرے ہے گالیاں دے کر وہ اک سخن دیکھو

ہزار خستہ و رنجور در جہاں داری
یکے زغالبِ رنجورِ خستہ تن یاد آر

ہزار خستہ و رنجور ہیں ولے یکتا
ہے کیسا غالبِ رنجورِ خستہ تن دیکھو

بے دوست زبس خاک فشاندیم بسر بر
صد چشمہ رواں است بداں راہگذر بر

وحشت میں بہت ڈال کے ہم خاک کو سر پر
رہ بیٹھ کے دیکھیں ہیں تری راہگذر پر

غلطانیِ اشکم بود از حسرتِ دیدار
آبے است نگاہم کہ بہ پیچد بہ گہر بر

کرتی ہے مرے اشک رواں حسرتِ جلوہ
ہوتا نگہِ شوق سے ہے آب گہر پر

از خُلد و سقر تا چہ دہد دوست کہ دارم
عیشے بخیال اندر و داغے بجگر بر

اس دہر میں دیتے ہیں مجھے جنّت و دوزخ
جو عیش خیالوں میں ہیں، جو داغ جگر پر

بالد بہ خود آں مایہ کہ در باغ نہ گنجد
سروے کہ کشندش بہ تمنائے تو در بر

بھولا نہ سماتا ہے کوئی سرو، جو میرا
ہو ہاتھ تمنّا میں تری، اس کی کمر پر

عمرے کہ بسودائے تو گنجینۂ غم بود
اینک بتو دادیم تو در عیش بسر بر

ہے عمر جو گنجینۂ غم عشق میں، اس کو
ہیں چین سے ہم، کر کے فدا تیری نظر پر

مطرب بہ غزل خوانی و غالبؔ بہ سماع است
ساقی مے و آلاتِ مے از حلقہ بدر بر

مطرب سے غزل سن کے ہوا مست ہے غالبؔ
درویش ہے، جاتا نہیں مے خانے کے در پر

اے دل از گلبنِ امید نشانے بمن آر
نیست گر تازہ گلے برگِ خزانے بمن آر

اے دل از گلبنِ امید نشاں دے مجھ کو
گلِ تازہ نہیں گر، برگِ خزاں دے مجھ کو

تا دگر زخم بہ ناسور تونگر گردد
ہدیۂ از کفِ الماس فشانے بمن آر

تاکہ پھر زخم بہ ناسور، تونگر ہووے
ارمغاں از کفِ الماس فشاں دے مجھ کو

ہمدمِ روزِ گدائی سبک از جا برخیز
جاں گرو، جامہ گرو، رطلِ گرانے بمن آر

در پہ کرتا ہوں گدائی میں تونگر تیرے
زر نہ دے، دے نہ قبا، رطلِ گراں دے مجھ کو

دلم اے شوق ز آشوبِ غمے نکشاید
فتنۂ چند زہنگامہ ستانے بمن آر

غم سے اک آدھ نہ جی بھرتا ہے، لاکر ظالم
فتنہ و شورشِ دورانِ زماں دے مجھ کو

گیرم اے بخت ہدف نیستم، آخر گاہے
غلط انداز خدنگے زکمانے بمن آر

بن سکا میں نہ جو الفت کا نشانہ، اے جاں
غلط انداز ہی اک تیرِ کماں دے مجھ کو

اے نیاوردہ بکف نامۂ شوقے زکفے
بہ زباں مژدۂ وصلے ز زبانے بمن آر

گر نہ دلوے وہ ترے ہاتھ میں نامہ، قاصد
ایک پیغام ہی لاکے بہ زباں دے مجھ کو

اے در اندوہِ تو جاں دادہ جہانے از رشک
مکش از رشکم و اندوہِ جہانے بمن آر

جان دیتا ہے ہر اک غم میں ترے، دیکھ کے میں
ہوں مرا رشک سے، اندوہِ جہاں دے مجھ کو

اے ز تارِ دمِ شمشیرِ توام بسترِ خواب
شمعِ بالیں ز درخشندہ سنانے بمن آر

دمِ شمشیر بنایا ہے جو بستر میں نے
شمعِ بالیں بہ درخشندہ سناں دے مجھ کو

یارب ایں مایہ وجود از عدم آوردۂ تست
بوسۂ چند، ہم از کنجِ دہانے بمن آر

سارا موجود عدم ہے تو پھر اے جانِ جہاں
لینے اک بوسۂ معدوم دہاں دے مجھ کو

سخنِ سادہ دلم را نفریبد غالب
نکتۂ چند ز پیچیدہ بیانے بمن آر

سخنِ سادہ نہیں بھاتا ہے دل کو غالب
نکتہ پیچیدہ بہ پیچیدہ زباں دے مجھ کو

اے ذوقِ نواسنجی بازم بخروش آور
غوغائے شبیخونے بر بنگۂ ہوش آور

اے ذوقِ نواسنجی گر تو بخروش آئے
غوغائے شبیخونی بر لشکرِ ہوش آئے

گر خود بجہد از سر از دیدہ فرو بارم
دل خوں کن و آں خوں را در سینہ بجوش آور

خوں دل کا کروں میں تا آنکھوں سے یہ بہہ جائے
سر سے نہ جنوں نکلے گر سینہ بجوش آئے

ہاں ہمدمِ فرزانہ، دانی رہِ ویرانہ
شمعے کہ نخواہد شد از باد خموش آور

اے ہمدمِ فرزانہ دے شمع سی مے لاکر
جلتی ہوئی خواہ آئے وہ، خواہ خموش آئے

شورابۂ ایں وادی تلخ است، اگر داری
از شہر بسوئے من سرچشمۂ نوش آور

اس وادی کا شورابہ ہے تلخ مرے ہمدم
ہو خوب جو یاں بہہ کر اک چشمۂ نوش آئے

دانم کہ زرے داری، ہر جا گذرے داری
مے گر ندہد سلطاں، از بادہ فروش آور

زر پاس ہے جب تیرے، یادے میں کمی کیسی
گر یہ نہ ملے شہ سے، لے بادہ فروش آئے

گر مغ بکدو ریزد بر کف نہ و راہی شو
ور شہ بہ سبو بخشد، بردار و بدوش آور

جتنی بھی ملے مغ سے، کوزے میں گدا لیوے
بخشش ہو اگر شہ کی، خُم لے کے بدوش آئے

ریحاں دمد از مینا، رامش چکد از قلقل
آں در رہِ چشم افگن، ایں از پئے گوش آور

مہتاب ہے مینا میں، قلقل میں ہے اک نغمہ
چشم اس سے فروزاں ہو، وہ در پئے گوش آئے

گاہے بہ سبکدستی از بادہ زخویشم بر
گاہے بہ سیہ مستی از نغمہ بہ ہوش آور

گاہے بہ سبکدستی مدہوش ہو مے پی کر
گاہے بہ رہِ نغمہ بے ہوش کو ہوش آئے

غالبؔ کہ بقایش باد، ہمپائے تو گر ناید
بارے غزلے فردے زاں موئینہ پوش آور

ہو خوب، جو محفل میں خود آ نہ سکے غالبؔ
لے کر کوئی اس کا ہی کچھ گفتۂ نوش آئے

اے شوق ہما عربدہ بسیار میاموز
ابرام بدریوزۂ دیدار میاموز

اے شوق ہمیں عربدہ با یار نہ سکھلا
ابرام بدریوزۂ دیدار نہ سکھلا

از نغمۂ مطرب نتواں لختِ دل افشاند
اے نالہ بپریشاں رَو و ہنجار میاموز

نغمے سے بکھرتے نہیں دل کے مرے ٹکڑے
کر نالہ پریشاں، اسے ہنجار نہ سکھلا

صورت کدہ شد کلبۂ من سر بسر اے چشم
انگیختنِ نقش ز دیوار میاموز

صورت کدۂ یار ہے گھر، آنکھ سے اپنی
انگیختنِ نقش بہ دیوار نہ سکھلا

ہمت ز دمِ تیشۂ فرہاد طلب کن
مجنوں مشو و مُردنِ دشوار میاموز

تیشے سے کرے موت کو فرہاد ہے آساں
مجنوں کا اسے شیوۂ دشوار نہ سکھلا

اے غمزہ زہم طرحیِ نخچیر چہ خیزد
رم شیوۂ آہو است بہ دلدار میاموز

غمزے کو نہ ہم مشربیِ صید ہے موزوں
رم شیوۂ آہو ہے، بہ دلدار نہ سکھلا

منگر بسوئے نعشِ من و لب مگزا از ناز
جاں دادنِ بیہودہ باغیار میاموز

یوں دیکھ مری نعش کو، لب کاٹ نہ اپنے
جاں دینا مری طرح بہ اغیار نہ سکھلا

با غنچہ مگرداں ورقِ بحثِ شگفتن
برداشتنِ پردہ ز رخسار میاموز

تو چھیڑ کے غنچے کو صبا، یار کی مانند
برداشتنِ پردہ ز رخسار نہ سکھلا

طوطی شکرش طعمہ و بلبل جگرش قوت
جاں تازہ کن از نالہ و گفتار میاموز

بلبل کو جگر خوری و فریاد ہے، اس کو
طوطی کی شکر خوری و گفتار نہ سکھلا

از ذوقِ میانِ تو شدن سر بسر آغوش
بے مہر، فنِ ماست، بہ زنار میاموز

بن کے ہمہ آغوش لپٹ جانا کمر سے
اعجاز مرا ہے، یہ بہ زنار نہ سکھلا

بلبل بہ خراشِ رخِ گلبرگ میندیش
شغلِ نگہِ شوق بہ منقار میاموز

یوں چونچ سے مت نوچ رخِ گل کو اے بلبل
شغلِ نگہِ شوق بہ منقار نہ سکھلا

غالبؔ ہلہ کر دار گزاراں بہ کمیں اند
گفتم بہ تو آزادہ رَوِ کار میاموز

ہشیار اے غالبؔ ہیں جفا کار کمیں میں
کرنا تو انھیں دل کو گرفتار نہ سکھلا

در گریہ از بس نازکی رخ ماندہ بر خاکش نگر
واں سینہ سودن از تپش بر خاکِ نمناکش نگر

روتا ہوا وہ نازنیں منہ ملتا بر خاک آئے ہے
گھستا وہ سینہ سوختہ بر خاکِ نمناک آئے ہے

برقے کہ جانہا سوختے دل از جفا سردش بیں
شوخے کہ خوں ہا ریختے دست از حنا پاکش نگر

جو جاں جلاتا تھا وہ اب جلتا ہے سوزِ عشق سے
تھا خوں بہاتا بے خطر جو، اب نہ بیباک آئے ہے

آں کو بخلوت با خدا ہرگز نکردے التجا
نالاں بہ پیشِ ہر کسے از جورِ افلاکش نگر

کرتا خدا تک سے نہ تھا خلوت میں جو اک التجا
اب کرتا سب کے سامنے شکوہَ افلاک آئے ہے

تا نامِ غم بردے زباں، می گفت دریا درمیاں
دریائے خوں اکنوں رواں از چشمِ سفاکش نگر

غم کا نہ تھا جس میں ذرا سا بھی کوئی نام و نشاں
اب سیلِ خوں کرتی رواں، وہ چشمِ سفاک آئے ہے

آں سینہ کز چشمِ جہاں مانندِ جاں بودے نہاں
اینک بہ پیراہن عیاں از روزنِ چاکش نگر

سینہ جو تھا مانندِ جاں لوگوں کی آنکھوں سے نہاں
ہو کے وہ اب کیسے عیاں، از روزنِ چاک آئے ہے

بر مقدمِ صید افگنی گوشے بر آوازش بیں
در باز گشتِ توسنے، چشمے بفتراکش نگر

جس کی زمانے میں بہت مشہور تھی صید افگنی
بن کے کسی کا صید اب خود وہ بفتراک آئے ہے

برآستانِ دیگرے درِ شکرِ دربانش بہیں
درکوئے از خود کمترے در رشکِ خاشاکش نگر

اک آستاں پر منتیں کرتا ہے وہ دربان کی
کوچے میں اک کمتر کے اب وہ بن کے خاشاک آئے ہے

تا گشتہ خود نفریں شنو، تلخ است برلب خندہ اش
زہرے کہ پنہاں می خورد، پیدا ز تریاکش نگر

سُن کے وہ اب دشنام خود ہنستا ہے تلخی سے کبھی
دل میں جو پنہاں زہر ہے، یوں بن کے تریاک آئے ہے

با خوبیِ چشم و دلش، با گرمیِ آب و گِلش
چشمِ گہر بارش ببیں، آہِ شرر ناکش نگر

آتش ہے چشم و دل میں اک، گرمی ہے آب و گِل میں اک
جو سینۂ سوزاں سے اک آہِ شرر ناک آئے ہے

خواند بہ امیدِ اثر اشعارِ غالبؔ ہر سحر
از نکتہ چینی درگذر، فرہنگ و ادراکش نگر

پڑھتا بہ امیدِ اثر ہے، شعرِ غالبؔ روز و شب
عاشق بنے معشوق جب، فرہنگ و ادراک آئے ہے

یارب ز جنوں طرحِ غمے در نظرم ریز
صد بادیہ در قالبِ دیوار و درم ریز

گر ہو جنون سر میں، غمِ دل نظر میں ہو
ویرانہ ایک قالبِ دیوار و در میں ہو

از مہرِ جہاں تاب امیدِ نظرم نیست
ایں تشت پُر از آتشِ سوزاں بسرم ریز

بہتر ہے سر پہ مہرِ جہاں تاب گر پڑے
امیدِ روشنی جو نہ اس سے نظر میں ہو

دل را ز غمِ گریۂ بے رنگ بجوش آر
اجزائے جگر حل کن و در چشمِ ترم ریز

لا دل میں جوش، گریہ ہے بے رنگ گر ترا
تا ہو کے لخت لخت جگر، چشمِ تر میں ہو

ہر برق کہ نظارہ گداز است نہادش
بگداز و بہ پیمانۂ ذوقِ نظرم ریز

برقِ نظر گداز کو پگھلا دے ساقیا
تا یہ گداز ساغرِ ذوقِ نظر میں ہو

سرمستِ مئے لذّتِ دردم، بخرام آر
ایں شیشۂ دل بشکن و در رہگذرم ریز

مستیِ مے لذّتِ غم اور ہو فزوں
گر چکنا چُور شیشۂ دل رہگذر میں ہو

ہر خوں کہ عبث گرم شود، در دلم افگن
ہر برق کہ بے صرفہ جہد بر اثرم ریز

بے صبر صاعقہ ہو تو دل پر گرے مرے
ہو جو بھی خونِ گرم، مری چشمِ تر میں ہو

ہر جا نمِ آبے ست بہ مژگانِ ترم بخش
از قلزم و جیحوں کفِ خاکے بسرم ریز

ہو چاہے جتنا بحر میں، کچھ فائدہ نہیں
قلزم کا رنگ جب کہ نہ مژگانِ تر میں ہو

از شیشہ گر آئیں نتواں بست شبم را
بارے گلِ پیمانہ بجیبِ سحرم ریز

شیشے سے شب نہ ہو سکی آراستہ تو کیا
جامِ سفال بارے میسر سحر میں ہو

گیرم کہ یا فشاندنِ الماس نیر زم
مشتے نمکِ سودہ بہ زخمِ جگرم ریز

لائق نہیں ہوں ریزشِ الماس کے تو کیا
تھوڑا سا شور ہی میرے زخمِ جگر میں ہو

ایں سوزِ طبیعی نگدازد نفسم را
صد شعلہ بیفشار و بہ مغزِ شررم ریز

ہووے نفس گداز نہ جب سوزِ طبع سے
شعلے کا سوز کچھ مرے مغزِ شرر میں ہو

مسکیں خبر از لذّتِ آزار ندارد
خارم کن و در رہگذرِ چارہ گرم ریز

ہو باخبر وہ لذّتِ آزار سے مری
کانٹا کوئی جو رہگذرِ چارہ گر میں ہو

وجہے کہ بہ پا مزد تواں داد، ندارم
آبم کن و اندر قدمِ نامہ برم ریز

دینے کو مزدِ پا نہیں جب پاس کچھ مرے
قربان کیوں نہ جاں روشِ نامہ بر میں ہو

دارم سرِ ہمطرحیِ غالب چہ جنوں است
یارب ز جنوں طرحِ غمے در نظرم ریز

کرنا تجھے جنون ہے، غالب کی ہمسری
اس کا جنونِ غم جو نہ تیری نظر میں ہو

خوں قطرہ قطرہ می چکد از چشمِ تر ہنوز
نگسستہ ایم بخیۂ زخمِ جگر ہنوز

ٹپکائے قطرہ قطرہ ہے خوں چشمِ تر ہنوز
کھولا ہے جو نہ بخیۂ زخمِ جگر ہنوز

با آنکہ خاک شد بسرِ راہِ انتظار
پر می زند نفس بہوائے اثر ہنوز

گو خاک بن گیا یہ رہِ انتظار میں
کوشش میں ہے نفس بہ ہوائے اثر ہنوز

تا خود پس از رسیدنِ قاصد چہ رُو دہد
خوش می کنم دلے بامیدِ خبر ہنوز

آجائے نامہ بر تو خُدا جانے کیا بنے
دل کر رہا ہوں خوش بہ امیدِ خبر ہنوز

بختم ز بزمِ عیش بہ غربت فگند و من
مستم چناں کہ پا نشناسم ز سر ہنوز

نکلا ہوں بزمِ عیش سے مستانہ وار میں
پہچانتا نہ پاؤں سے ہوں اپنا سر ہنوز

دیدار جوست دیدہ و دارد خجل مرا
از جوشِ دل نہ بستنِ راہِ نظر ہنوز

ہے آنکھ کا تقاضا کہ ذوقِ نگہ بڑھے
دل چاہتا ہے بند ہو راہِ نظر، ہنوز

شد روزِ رستخیز و بیادِ شبِ وصال
محوم ہماں بہ لذّتِ بیمِ سحر ہنوز

ہے روزِ حشر اور بہ یادِ شبِ وصال
ہوں محو میں بہ لذّتِ خوفِ سحر ہنوز

اے سنگ بر تو دعویٰ طاقت مسلم است
خود را نہ دیدۂ بکفِ شیشہ گر ہنوز

اے سنگ تیرا دعویٰ طاقت غلط نہیں
پر آیا تُو نہیں بہ کفِ شیشہ گر ہنوز

پرویزن است تارگم از زخمِ خارِ پا
از سر بروں نہ رفتہ ہوائے سفر ہنوز

رکھتی ہے مضطرب خلشِ خارِ پا مجھے
سر سے گئی نہیں ہے ہوائے سفر ہنوز

بلبل سزد ز غیرتِ پروانہ سوختن
رنگیں بہ شعلہ نیست ترا بال و پر ہنوز

بلبل جلے ہے دیکھ کے پروانہ، عشق میں
شعلے سے اس کے جل نہ سکے بال و پر ہنوز

غالب نگشتہ خاک براہت، تو و خدا
گردے است پُر فشاں بہ سرِ رہگذر ہنوز

بیٹھی نہ راہِ یار میں غالب کی خاک ہے
گرد اس کی پُر فشاں ہے سرِ رہگذر ہنوز

یقینِ عشق کن و از سرِ گماں برخیز
بہ آشتی بہ نشیں یا بہ امتحاں برخیز

نہ ہم سے شک میں جو ہر دم، وہ بدگماں ہووے
قدم قدم پہ ہمارا نہ امتحاں ہووے

گل از تراوشِ شبنم بہ تست چشمک زن
بہ رخصتِ خواب بہ لبہائے مے چکاں برخیز

نہ گل تراوشِ شبنم پہ اتنا ناز کرے
چمن میں گر وہ لبِ لعلِ مے چکاں ہووے

بہ بزمِ غیر چہ جوئی لبِ کرشمہ ستائے
بدور باشِ تقاضائے الاماں برخیز

نہ تابِ حسن کسی کو ہے بزمِ دشمن میں
وہ جو نہی آئے وہاں، شورِ الاماں ہووے

چرا بہ سنگ و گیا پیچی اے زبانہ طور
ز راہِ دیدہ بہ دل در رو و زجاں برخیز

نہ برقِ طور الجھ تو گیاہ و سنگ سے یوں
جو دل میں آنکھ سے آئے شرارِ جاں ہووے

تو دودی اے گلہ، کام و زباں نہ درخورِ تست
بدل فروشو و از مغزِ استخواں برخیز

زباں پہ کس طرح آئے، گلہ ہے وہ شعلہ
کہ خاک اس سے ہو دل، راکھ استخواں ہووے

فناست آنکہ بداں کیں ز روزگار کشی
غبار گرد و ازیں تیرہ خاکداں برخیز

فنا کا تو ہے جو خواہاں، غبار بن کے اڑ
مقام تا نہ ترا تیرہ خاکداں ہووے

رقیب یافتہ تقریبِ رخ بہ پا سودن
ترا کہ گفت کہ از بزم سرگراں برخیز

ملے رقیب کو موقع نہ جبہ سائی کا
اگر تو بزم میں اس کی نہ سرگراں ہووے

عیادت است نہ پرخاش، تند خوئی چیست
بیا و غمزدہ بنشیں و لب گزاں برخیز

تو آیا بہرِ عیادت ہے، غمگساری کر
ہو خوب اور بھی، گر تو نہ سرگراں ہووے

سبوچۂ دہمت ہر سحر ز مے غالب
خدائے را ز سرِ کوچۂ مغاں برخیز

سبو بھرے ہوئے دوں تجھ کو ہر سحر غالب
مقام تیرا نہ گر کوچۂ مغاں ہووے

باہمہ گم گشتگی خالی بود جایم ہنوز
گاہ گاہے در خیالِ خویش می آیم ہنوز

باوجودِ بے خودی، ہوں میں نہ کھویا اب تلک
گاہے گاہے ہووے ہے احساس اپنا اب تلک

تا سرِ خارِ کدامیں دشت در جاں می خلد
کز ہجومِ شوق می خارد کفِ پایم ہنوز

کون سے صحرا کے کانٹے کی خلش ہے جاں میں
ہے ہجومِ شوق سے دکھتا کفِ پا اب تلک

خشک شد چنداں کہ مے جزوِ بدن شد شیشہ را
ہمچناں گوئی در انگور است صہبایم ہنوز

بدنصیبی سے مری شیشہ و ساغر خشک میں
کیا ہے انگوروں کے اندر میری صہبا اب تلک

بعدِ مُردن مشتِ خاکم در نوردِ صرصر است
بے قراری می زند موج از سراپایم ہنور

خاک اُڑتی ہے مری بن کے بگولہ دشت میں
بعدِ مُردن بھی ہے دل بے تاب ایسا اب تلک

تازہ دُور افتادۂ طرفِ بساطِ عشرتم
می تواں افشرد مے از لائے پالایم ہنوز

بزمِ عشرت سے نکل کے آرہے ہیں ہم ابھی
صافِ بادہ دُرد رکھتا ہے ہمارا اب تلک

چشم از جوشِ نگہ، خوں گشت و از مژگاں چکید
ہمچناں در حلقۂ دامِ تماشایم ہنوز

شوقِ جلوہ کر کے خوں ٹپکائے نظریں آنکھ سے
ہوں میں یوں در حلقۂ دامِ تماشا اب تلک

صد قیامت در نوردِ ہر نفس خوں گشتہ است
من زخامی در فشارِ بیمِ فردایم ہنوز

جب کہ میرے ہر نفس میں اک قیامت ہے بپا
کیوں ہے پھر یہ مجھ کو خوفِ حشرِ فردا اب تلک

تا کجا یارب فرو شست اشکِ من ظلمت ز خاک
لالہ بے داغ از زمیں روید بصحرایم ہنوز

دھوئی ظلمت یوں زمیں سے خوں کے اشکوں نے مرے
ہے اُگا تا لالۂ بے داغ صحرا اب تلک

با تغافل بر نیاید طاقتم، لیک از ہوس
در تمنائے نگاہِ بے محابایم ہنوز

ہے نہیں تابِ تغافل ہم میں، لیکن عشق میں
ہے تمنائے نگاہِ بے محابا اب تلک

ہمرہاں در منزل آرامیدہ و غالب ز ضعف
پا بروں نا رفتہ از نقشِ کفِ پایم ہنوز

ہمسفر پہنچے ہیں منزل پر مگر غالب مرا
نقشِ پا سے ضعف میں اٹھتا نہیں پا اب تلک

لطفے بہ تحتِ ہر نگہِ خشمگیں شناس
آرائشِ جبینِ شگرفاں بہ چیں شناس

پُر لطف اس کی ہر نگہِ خشمگین ہے
آرائشِ جمال بہ چینِ جبین ہے

باز آ کہ کارِ خود بہ نگاہت سپردہ ایم
مارا خجل ز تفرقۂ مہر و کیں شناس

چھوڑا ہے سب معاملہ تیری نگاہ پر
بے کار سب یہ تفرقۂ مہر و کین ہے

بے پردہ تابِ محرمیِ رازِ ما مجوے
خوں گشتنِ دل از مژہ و آستیں شناس

ہے کیسی تابِ محرمیِ راز بہ مری
خوں دل کا سارا بر مژہ و آستین ہے

داغم کہ وحشتِ تو بیافزود زانتظار
جز صیدِ دام دیدہ نباشد کمیں شناس

آیا ضرور دام میں ہے تُو کبھی کسی
تجھ کو ہوئی جو اتنی تمیزِ کمین ہے

می خواہد انتقام ز ہجراں کشیدنی
خوں گرمیِ دل از نفسِ آتشیں شناس

دل انتقام چاہتا لینا ہے ہجر سے
جو خوں بجوش از نفسِ آتشین ہے

آرائشِ زمانہ ز بیداد کردہ اند
ہر خوں کہ ریخت غازۂ روئے زمیں شناس

ہوتی ہے جور و ظلم سے آرائشِ جہاں
عاشق کا خون غازۂ روئے زمین ہے

در راہِ عشق شیوۂ دانش قبول نیست
حیف است سعیِ رہروِ پا از جبیں شناس

ہے بے نیاز شیوۂ دانش سے عاشقی
طے کرتی پاؤں بن کے یہاں رہ، جبین ہے

از دہر غیرِ گردشِ رنگے پدید نیست
ایں روضہ را سرابِ گل و یاسمیں شناس

دُنیا سوائے گردشِ رنگ اور کچھ نہیں
یہ باغ اک سرابِ گل و یاسمین ہے

حسرت صلائے ربطِ سرِ دوست می زند
نقشِ ضمیرِ شاہ ز تاج و نگیں شناس

آتا ہے رحم شہ کے سر و دست دیکھ کر
ہے اس پہ تاج بار، تو اس پر نگین ہے

بے غم نہادِ مردِ گرامی نمی شود
زنہار قدرِ خاطرِ اندوہ گیں شناس

غم سے نہادِ مردِ گرامی ہے پختہ تر
جوہر کا راز خاطرِ اندوہ گین ہے

دورِ قدح بہ نوبت و مے خوارگاں گروہ
آوخ ز ساقیانِ یسار و یمیں شناس

مستوں کا ہے ہجوم، چلا دَور ساقیا
کرتا تو کیوں یہ فکرِ یسار و یمین ہے

غالبؔ مذاقِ ما نتواں یافتن ز ما
رَو شیوۂ نظیریؔ و طرزِ حزیںؔ شناس

غالبؔ تری سخن کو ملی ہے وہ چاشنی
جو شیوۂ نظیریؔ و طرزِ حزیںؔ ہے

تیغ از نیامِ بیہدہ بیروں نکردہ کس
مارا بہ ہیچ کشتہ و ممنوں نکردہ کس

خنجر کبھی نیام سے بیروں کرے کوئی
چھلنی بنا کے دل ہمیں ممنوں کرے کوئی

فرصت ز دست رفتہ و حسرت فشردہ پا
کار از دوا گذشتہ و افسوں نکردہ کس

فرصت ز دست رفتہ و حسرت شکستہ پا
گزرا دوا سے ہے مرض، افسوں کرے کوئی

داغم ز عاشقاں کہ ستم ہائے دوست را
نسبت بہ مہربانیِ گردوں نکردہ کس

موزوں ہو، گر بجائے گلہ، جورِ یار کی
نسبت بہ مہربانیِ گردوں کرے کوئی

یا پیش ازیں بلائے جگر تشنگی نبود
یا چوں من التفات بہ جیحوں نکردہ کس

لبِ تشنگی کا دعویٰ اگر ہے، مری طرح
جرعے سے خشک قلزم جیحوں کرے کوئی

یارب بہ زاہداں چہ دہی خُلد رائیگاں
جورِ بتاں ندیدہ و دل خوں نکردہ کس

ہے مستحقِ کوثر و حور و قصور گر
سہوے ستم بتوں کے، جگر خوں کرے کوئی

جاں دادن و بہ کام رسیدن زما ولے
آہ از بہائے بوسہ کہ افزوں نکردہ کس

کر کے فدا لبوں پہ سر و جاں و دین و دل
پہ کچھ بھی بہائے بوسہ نہ افزوں کرے کوئی

شرمندۂ دلیم و رضا جوئے قاتلیم
ما چوں کنیم چارۂ خود چوں نکردہ کس

مقتل میں سب کے سب ہیں رضا جوئے قاتلاں
ہو بھی اگر، تو چارۂ جاں کیوں کرے کوئی

پیچد بخود ز وحشتِ من پیشِ بینِ من
تشبیہِ من ہنوز بہ مجنوں نکردہ کس

وحشت کی داد میری وہ دیتا نہیں ذرا
گو اپنا حال مجھ سا نہ مجنوں کرے کوئی

گیرد مرا بہ پرسشِ بے رنگیِ سرشک
گوئی حسابِ اشکِ جگرگوں نکردہ کس

بے رنگ ہیں سرشک، بتا کس طرح انہیں
ہو جب نہ خوں بدن میں، جگر گوں کرے کوئی

غالب ز حسرتی چہ سرائی کہ در غزل
چوں او تلاشِ معنی و مضموں نکردہ کس

غالب عمیق تو ہے ولے مثلِ حسرتی
کیسے تلاشِ معنی و مضموں کرے کوئی

ہرکرا بینی ز مے بے خود، ثنایش می نویس
بہرِ دفعِ فتنہ حرزے ازبرایش می نویس

ہوئے بے خود پی کے جو اس کی ثنا کرتے ہیں ہم
بہرِ دفعِ فتنہ تعویز اک لکھا کرتے ہیں ہم

اے رقم سنجِ یمینِ دوست بے کاری چرا
خود سپاسِ دستِ خنجر آزمایش می نویس

جان کرتے ہیں فدا اس کی نزاکت دیکھ کر
یوں سپاسِ دستِ خنجر آزما کرتے ہیں ہم

ہر کہ بعد از مرگِ عاشق بر مزارش گل برد
فتویٰ از من در بتاں، زود آشنایش می نویس

بعد مرنے کے تو آئے دیکھنے کو گر، تری
اُٹھ کے پابوسی، بتِ زود آشنا کرتے ہیں ہم

رحمی از معشوق ہر جا در کتابے بنگری
بر کنارِ آں ورق جانہا فدایش می نویس

رحم آجاتا ہے قاتل کو اگر ہم پر کبھی
گر کے اس کی تیغ پر خود جاں فدا کرتے ہیں ہم

اے کہ با یارم خرامی، گر دلِ دستیت ہست
نامِ من در رہگذر در خاکِ پایش می نویس

رہگزر میں اس کی ہمراہی نہیں ملتی اگر
نام اپنا نقش خود بر خاکِ پا کرتے ہیں ہم

ہر کجا غالبؔ تخلص در غزل بینی مرا
می تراش آں را و مغلوبے بجایش می نویس

جب کہ غزلوں میں لکھا غالبؔ تخلص ہے ترا
قصے کیوں مغلوبیت کے یہ سنا کرتے ہیں ہم

دوشم آہنگِ عشا بود کہ آمد در گوش
نالہ از تارِ ردائی کہ مرا بود بدوش

رات ہنگامِ عشا نکلا بصد جوش و خروش
نالۂ تارِ مصلا جو لئے تھا میں بدوش

کاے خسِ شعلۂ آوازِ موذن، زنہار
از پئے گرمیِ ہنگامہ منہ دل بخروش

شائقِ شعلۂ آوازِ مؤذن، ہرگز
بہ پئے گرمیِ ہنگامہ نہ کر دل بخروش

تکیہ بر عالم و عابد نتواں کرد کہ ہست
آں یکے بیہدہ گو، ایں دگرے بیہدہ کوش

کر نہ ان عالم و عابد پہ بھروسہ اے دل
ایک ہے بیہدہ گو، دوسرا بے ہودہ کوش

نیست جز حرف در آں فرقۂ اندرز سرای
نیست جز رنگ دریں طائفۂ ازرق پوش

کچھ نہ جز حرف ہے یہ فرقۂ شیخ و واعظ
کچھ نہ جز رنگ ہے یہ طائفۂ ازرق پوش

جادہ بگذار و پریشاں رَو و در راہ رَوی
بفریبِ مے و معشوق مشو رہزنِ ہوش

جادۂ عشق میں اے سالکِ رہرو تیرے
ہیں مے و مطرب و معشوق بہت رہزنِ ہوش

بوسہ گر خود بود آساں، مبر از شاہدِ مست
بادہ گر خود بود ارزاں، مخر از بادہ فروش

بوسہ آساں بھی ہو تو کر نہ طلب شاہد سے
بادہ ارزاں بھی ہو تو جا نہ سوئے بادہ فروش

ایں نشید است کہ طاعت مکن و زہد مورز
ایں نہیب است کہ رسوا مشو و بادہ منوش

ہے بشارت کہ نہ کر طاعت و زہد و تقویٰ
ہے اشارت کہ نہ ہو رسوا تو اے صہبا نوش

حاصل این است دریں جملہ نبودن کہ مباش
ما نہ افسانہ سرایم و تو افسانہ نیوش

یہ نہ ہو، وہ نہ ہو، کہنے کی یہ سب باتیں ہیں
سب ہیں افسانہ سرا، تو نہ ہو افسانہ نیوش

سنکہ بودے کفم از مزدِ عبادت خالی
چوں دلم گشت تو نگر بہ رہ آوردِ سروش

تھا مرا ہاتھ بہت مزدِ عبادت سے تہی
دل تو نگر ہے مگر جب سے ہے الہامِ سروش

جُستم از جائے ولے ہوش و خرد پیشا پیش
رفتم از خویش ولے علم و عمل دوشا دوش

چاہوں بے فکری تو ہیں ہوش و خرد پیشا پیش
چاہوں بے ہوشی تو ہیں علم و عمل دوشا دوش

تا بہ بزمے کہ بہ یک وقت در آنجا دیدم
بادہ پیمودنِ امروز و بخوں خفتنِ دوش

بزم یہ کیسی ہے ساقی کہ ہیں اس میں یکجا
بادہ پیمودنِ امروز و بخوں خفتنِ دوش

خانقاہ از روشِ زہد و ورع قلزمِ نور
بزم گاہ از اثرِ بوسہ و مے چشمۂ نوش

خانقاہ از روشِ زہد و ورع قلزمِ نور
بزم گاہ از اثرِ بوسہ و مے چشمۂ نوش

شاہدِ بزم در آں بزم کہ خلوت گہِ اوست
فتنہ برخویش و بر آفاق کشودہ آغوش

حسن نے، بزم بھی جس کے لیے خلوت گہ تھی
اپنے اور دوسرے پر فتنے کا کھولا آغوش

ہمچو خورشید کز و ذرہ درخشاں گردد
خوردہ ساقی مے وگر دیدہ جہانے مدہوش

جیسے خورشید درخشاں کرے ذرہ ذرہ
ہو کے وہ مست کرے سارے جہاں کو مدہوش

رنگہا جَستہ ز بیرنگی و دیدن نہ بچشم
رازہا گفتہ خموشی و شنیدن نہ بگوش

رنگ کرتی ہے وہ بیرنگی، جو آئے نہ نظر
راز کہتی ہے وہ خاموشی، جو سنتا ہے نہ گوش

قطرہ ناریختہ از طرفِ خُم و رنگ ہزار
یک خُمِ رنگ و سرش بستہ و پیوستہ بجوش

قطرہ گرتا تھا نہ اک خُم سے، تھے پر رنگ بہت
اک خُمِ رنگ کہ تھا بستہ و پیوستہ بجوش

ہمہ محسوس بود ایزد و عالم معقول
غالبؔ ایں زمزمہ آواز نخواہد، خاموش

ہمہ معقول ہے عالم، ہمہ محسوس خدا
زمزمہ چاہے نہ آواز، ہو غالبؔ خاموش

نیست معبودش حریفِ تابِ ناز آوردنش
پیشِ آتش دیدہ ام روزے نیاز آوردنش

آگ ہے معبود، پر نے تابِ ناز ہووے اسے
پیشِ روئے آتشیں عجز و نیاز ہووے اسے

موعظت را سنگسارِ قلقلِ مینا کند
از رہِ گوشم بدل یک رہ فراز آوردنش

قلقلِ مینا کرے ہے سنگساری پند کی
گوش سے دل میں اگر راہِ فراز ہووے اسے

تا خود از بہرِ نثارِ کیست، می میرم زرشک
خضر و چندیں کوشش و عمرِ دراز آوردنش

عمرِ کوتہ بھی خضر نے جب نہ کی اپنی فدا
پھر عطا کیوں لے خدا عمرِ دراز ہووے اسے

رحمتِ حق باد بر ہمدم کہ داند مست مست
بر سرِ نعشم بہ تقریبِ نماز آوردنش

رحمتِ حق تجھ پہ ہو ہمدم، تیری ترغیب سے
نعش پر میری اگر پڑھنی نماز ہووے اسے

شوق گستاخ است و من در لرزہ کآخر سہل نیست
صبحدم در دل بچشمِ نیم باز آوردنش

شوق ہے گستاخ لیکن دل لرزتا ہے مرا
گر خیالِ سحرِ چشمِ نیم باز ہووے اسے

وائے ما کز غیر اندر خاطرش جا کردہ است
رفتن و پیرایہ و پیرایہ ساز آوردنش

وائے بختِ غیر سن کے جس کی آمد کی خبر
حاجتِ پیرایہ و پیرایہ ساز ہووے اسے

امتحانِ طاقتِ خویش است، از بیداد نیست
خلق را در نالہ ہائے جاں گداز آوردنش

ہے فقط مقصود طاقت آزمائی، گر کبھی
جستجوئے نالہ ہائے جاں گداز ہووے اسے

چوں نمیرد قاصد اندر رہ کہ رشکم بر نتافت
از زبانت نکتہ ہائے دل نواز آوردنش

رشک سے میں چاہتا ہوں مرنا قاصد کا، اگر
محرمیِ نکتہ ہائے دل نواز ہووے اسے

مفتِ یارانِ وطن کز سادگی ہائے من است
در غریبی مُردن و از جور باز آوردنش

سادگی میری تھی، یارانِ وطن کے عیش ہیں
میں مرا غربت میں تا پرہیزِ ناز ہووے اسے

بے زبانی ہائے غالبؔ را چہ آساں دیدۂ
اے تو ناسنجیدہ تابِ ضبطِ راز آوردنش

لگتا آساں ہے، یہ دیکھو کتنی غالبؔ نے مگر
سختیاں جھیلیں کہ تابِ ضبطِ راز ہووے اسے

خوشا حالم، تن آتش، بستر آتش
سپندے کو کہ افشانم بر آتش

خوشا قسمت، تن آتش، بستر آتش
سپند اک ہو تو ڈالوں میں بر آتش

زرشکِ سینۂ گرمے کہ دارم
کشد از شعلہ بر خود خنجر آتش

ز رشکِ سینۂ عاشق چبھوئے
بنا کے شعلہ دل میں خنجر آتش

بہ خُلد از سردیِ ہنگامہ خواہم
برافروزم بگردِ کوثر آتش

جو دیکھی سرد مہریِ بہشتی
جلائی تھوڑی گردِ کوثر آتش

دلے دارم کہ در ہنگامۂ شوق
سرشتش دوزخ ست و گوہر آتش

ہے دل میرا کہ در ہنگامۂ شوق
سرشت اس کی ہے دوزخ، جوہر آتش

بسانِ موج می بالم بہ طوفان
برنگِ شعلہ می رقصم در آتش

اُبھرتا ہوں بہ شکلِ موجِ طوفاں
برنگِ شعلہ ہوں رقصاں در آتش

بداں ماند زشاہد دعویِ مہر
کہ ریزد از دمِ فسوں گر آتش

مرے شاہد کے لب پر دعویِ مہر
کہ جیسے ہو دمِ افسوں گر آتش

دلم را داغِ سوزِ رشک مپسند
مزن یا رب بجانِ کافر آتش

جلا دل رشک کی سوزش سے میرا
نہ یا رب ڈال کافر اندر آتش

چہار است آں کہ ہر یک را ازاں چار
بود از ناخوشی ابشخور آتش

ہیں چیزیں چار جن کے دیکھنے سے
جلے ہے درد سے دل اندر آتش

ق

قمر در عقرب و غالبؔ بہ دہلی
سمندر در شط و ماہی در آتش

قمر در عقرب و غالبؔ بہ دہلی
سمندر در شط و ماہی در آتش

دُود سودائے تتق بست، آسماں نامیدمش
دیدہ بر خوابِ پریشاں زد، جہاں نامیدمش

دُود افسونِ نظر تھا، آسماں کہنا پڑا
اک پریشاں خواب دیکھا اور جہاں کہنا پڑا

وہم خاکے ریخت در چشم، بیاباں دیدمش
قطرۂ بگداختت، بحرِ بیکراں نامیدمش

تھا غبارِ وہم وہ، میں نے بیاباں کہہ دیا
تھا گدازِ قطرہ، بحرِ بیکراں کہنا پڑا

باد دامن زد بر آتش، نوبہاراں خواندمش
داغ گشت آں شعلہ از مستی، خزاں نامیدمش

آگ بھڑکائی ہوا نے، میں اسے سمجھا بہار
شعلہ بن کر داغ جب ابھرا خزاں کہنا پڑا

قطرۂ خونے گرہ گردید، دل دانستمش
موج زہرابے بہ طوفاں زد، زباں نامیدمش

قطرۂ خوں تھا بہ پیچ و تاب، دل جانا اسے
لہر تھی زہراب غم کی اور زباں کہنا پڑا

غربتم ناساز گار آمد، وطن فہمیدمش
کرد تنگی حلقۂ دام، آشیاں نامیدمش

ناموافق تھی بہت غربت، وطن کہتے بنی
تنگ نکلا حلقۂ دام، آشیاں کہنا پڑا

بود در پہلو بہ تمکینی کہ دل می گفتمش
رفتِ از شوخی بہ آئینی کہ جاں نامیدمش

اس طرح پہلو میں آ بیٹھا کہ جیسے دل تھا وہ
اس روش سے وہ گیا اٹھ کر کہ جاں کہنا پڑا

ہر چہ از جاں کاست در مستی، بسود افزودمش
ہر چہ با من ماند از ہستی، زیاں نامیدمش

کٹ گئی جو عمر مستی میں وہی تھا سودِ زیست
بچ رہا جو کچھ بھی ہستی میں زیاں کہنا پڑا

تا نہم بر وے سپاسِ خدمتے از خویشتن
بود صاحب خانہ اما میہماں نامیدمش

تھا مجھے منظور اسے مرہونِ منت دیکھنا
تھا وہ صاحب خانہ لیکن میہماں کہنا پڑا

در سلوک از ہر چہ پیش آمد، گزشتن داشتم
کعبہ دیدم، نقشِ پائے رہرواں نامیدمش

یوں طریقت میں ہر اک شے سے نظر آگے پڑی
کعبے کو بھی نقشِ پائے رہرواں کہنا پڑا

بہ امیدِ شیوۂ صبر آزمائی زیستم
تو بریدی از من و من امتحاں نامیدمش

شیوۂ صبر آزمائی پر ترے جیتا تھا میں
یوں تیری فرقت کو اپنا امتحاں کہنا پڑا

تا زمن بگسست عمرے، خوش دلش پنداشتم
چوں بہ من پیوست لختے، بدگماں نامیدمش

دُور تھا جب تک، نہ تھا کچھ بدگمانی کا گماں
آیا اور جب دُور بیٹھا، بدگماں کہنا پڑا

او بہ فکرِ کُشتنِ من بود، آہ از من کہ من
لا ابالی خواندمش، نامہرباں نامیدمش

قتل کی عادت تھی اس کو، لاابالی تھا بہت
نا سمجھ تھا، پر اسے نامہرباں کہنا پڑا

دل زباں را رازدانِ آشنائی ہا نخواست
گاہ بہماں گفتمش، گاہے فلاں نامیدمش

رازدانِ دل نہ تھے لب، آیا ذکر اس کا اگر
گاہ بہماں کہہ دیا، گاہے فلاں کہنا پڑا

ہم نگہ جاں می ستاند، ہم تغافل می کُشد
آں دمِ شمشیر و ایں پشتِ کماں نامیدمش

گو نگاہِ ناز جاں پرور ہے، ابرو دل فزا
اُس کو لیکن تیر اور اِس کو کماں کہنا پڑا

بود غالبؔ عندلیبے از گلستانِ عجم
من ز غفلت طوطیِ ہندوستاں نامیدمش

بلبلِ باغِ عجم غالبؔ، تو جو پیدا ہوا
ہند میں، تو طوطیِ ہندوستاں کہنا پڑا

اس غزل کے پہلے دس اشعار صوفی تبسم کے ترجمہ کردہ ہیں

زلکنت می تپد نبضِ رگِ لعلِ گہر بارش
شہیدِ انتظارِ جلوۂ خویش است گفتارش

بیک لکنت سے ہے نبضِ رگِ لعلِ گہر باری
شہیدِ انتظارِ جلوۂ خود، نوش گفتاری

ادائے لا ابالی شیوہ مستے در نظر دارم
سرِ پُر شورم از آشفتگی ماند بدستارش

ادائے لا ابالی شیوہ سے چشمِ بصر روشن
سرِ پُر شور سے آشفتگیِ جاہِ دستاری

ندانم رازدارِ کیست دل، کز ناشکیبائی
کشم تا یک نفس، لرزد بخود صد رہ زہنجارش

نہ جانے رازداں کس کا ہے دل جو ناشکیبی سے
نفس لرزائے ہے اس کو بخوفِ خطرۂ خواری

بدیں سوزم رواجے نیست، ہے فرہاد را نازم
کہ از تابِ شرارِ تیشۂ گرم است بازارش

نہ ہے تاثیر میرے سوز میں، فرہاد کی دیکھو
کرے تابِ شرارِ تیشہ کیا ہے گرم بازاری

چوں بینم زلفِ خم در خم بعارض ہشتۂ گویم
کہ اینک حلقہ در گوشِ کمندِ عنبریں تارش

ہوئی زلفِ خم اندر خم پریشاں خال پر ایسے
ہو جیسے حلقہ در گوشِ سیاہ، اندر گرفتاری

زہم پاشیدنِ گل افگند در تاب بلبل را
اگر خود پارہ ہائے دل فرو ریزد زمنقارش

بکھرتا برگِ گل کو دیکھ کر، بکھرے ہے یوں بلبل
کرے ہے پارہ ہائے دل کی وہ آنکھوں سے خونباری

بتے دارم کہ گوئی گر بروئے سبزہ بخرامد
زمیں چوں طوطیِ بسمل تپد از ذوقِ رفتارش

خرامِ نازِ جاناں سے، بہ شکلِ بلبلِ بسمل
زمیں تڑپے ہے اس کی دیکھ کر آہستہ رفتاری

بدا، گر دوست زندانِ مرا تاریک بگذارد
بدیں حسنے کہ در گیرد چراغ از تابِ رخسارش

رکھے تاریک کیوں اتنا مرا زنداں ہے وہ ظالم
جلا دیتی چراغوں کو ہے جس کی شعلہ رخساری

بنائے خانہ ام ذوقِ خرابی داشت، پنداری
کہ آمد آمدِ سیلاب در رقص است دیوارش

خوشا ذوقِ خرابی جب بھی اک سیلاب آیا ہے
ہے شے اک دیکھنے کی گھر میں میرے رقصِ دیواری

وکالت کرد خواہم روزِ محشر کُشتگانش را
نباشد تا در آں ہنگامہ جز با من سروکارش

وکالت میں کروں گا حشر میں اس کے قتیلوں کی
کسی سے تا نہ ہو اس کو سوا میرے سروکاری

نہ از مہر است کز غالبؔ بمُردن نیستی راضی
سرت گردم کہ میدانی کہ مُردن نیست دشوارش

ہے وہ مشکل پسند ایسا نہ ہو مرنے پہ بھی راضی
کہ جانے ہے، تجھے غالبؔ نہیں مرنے میں دشواری

بیا بباغ و نقاب از رخِ چمن برکش
دلِ عدو نہ اگر خوں شود در آذر کش

نقاب رخ سے اٹھا، تا بہار خوشتر ہو
دلِ عدو نہ اگر خوں ہو، نذرِ آذر ہو

بیا و منظرِ بامِ فلک نشیمن ساز
بیا و شاہدِ کامِ دو کون در برکش

کر آ کے منظرِ بامِ فلک پہ جلوہ گری
کہ بیش خجلتِ خورشید و ماہ و اختر ہو

سمن بجیب غنا از نوائے مطرب ریز
تتق بروئے ہوا از بخورِ مجمر کش

بکھیر باغ میں گل اپنی خوش نوائی سے
بہ مشکِ زلف فضائے چمن معطر ہو

نسیم طرزِ خرام تو در نظر دارد
تو طیلسانِ روش را طرازِ دیگر کش

دکھا نسیم کو طورِ خرامِ ناز اپنا
روش سے تاکہ تری اس میں طرزِ دیگر ہو

ہزار آئینۂ ناز در مقابل نہ
ہزار نقشِ دل افروز در برابر کش

ہزار آئینۂ راز ہوں مقابل میں
ہر ایک نقشِ دل افزا ترے برابر ہو

اگر بہ بادہ گرائی قدح ز نرگس خواہ
وگر بہ سبحہ، ز شبنم برشتہ گوہر کش

ہے ذوقِ بادہ تو مے ڈال جامِ نرگس میں
وگرنہ سبحہ میں ژالہ ہر ایک، گوہر ہو

بداں ترانہ کہ ممنوع نیست مستی کن
ازاں شراب کہ نبود حرام ساغر کش

حرام نغمہ نہیں، باندھ اک سماں مطرب
حلال بادہ ہے ساقی، پُر ایک ساغر ہو

ز سرفرازیِ بختِ جواں بخویش ببال
بروئے چرخ ز طرفِ کلاہ خنجر کش

ہو سرفرازیِ بختِ جوان پر نازاں
کہ چرخ پر تری طرفِ کلاہ خنجر ہو

نشاط ورز و گہر پاش و شادمانی کن
جہاں ستان و قلمرو کشا و لشکر کش

نشاط و عیش سے پُر عہدِ سلطنت ہو ترا
فراخ ملک و حکومت، دراز لشکر ہو

ترا کہ گفت کہ منت کشی ز چرخ کبود
بہ قہر کامِ دلِ خویشتن ز اختر کش

خراج گنبدِ چرخِ کبود دے تجھ کو
بھرا ہوا مہ و انجم سے تیرا افسر ہو

ز فرِّ فرّخیِ بخت در جہانداری
علم بہ سرحدِ فرماں روائے خاور کش

بہ فرِّ فرّخیِ بخت کر جہانگیری
کہ شاہِ کشورِ فرماں روائے خاور ہو

سپس بہ تیغِ تو خونم ہدر کہ خواہم گفت
بگیر غالبِ دلخستہ را و در بر کش

تو آکے غالبِ خستہ لگا گلے سے کبھی
ذرا سا مہرباں اس پر بھی، ماہ پیکر ہو

من و نظارهٔ روئے کہ وقتِ جلوہ از تابش
ہمی برخویشتن لرزد پسِ آئینہ سیمابش

نہ ہوں میں ہی کہ جس کو ہے نہ تابِ روئے مہتابی
لرزتی دیکھ آئینے کی بھی ہے پشتِ سیمابی

زلیخا چہرہ با یعقوب شد نازم محبت را
بوئے پیرہن ماند قماشِ پردۂ خوابش

وہ بوئے پیرہن، یعقوب کو دی جس نے بینائی
زلیخا کو کرے ہے بے بصر از شوقِ ہم خوابی

بہ گیتی ترکِ ذوقِ کامجوئی مشکل است اما
نویدِ خرمی آں را کہ گیرد در دل اسبابش

جہاں میں ترکِ ذوقِ کامجوئی ہے بہت مشکل
ہے خرم وہ، نہ دنیا میں ہو جس کو شوقِ اسبابی

بہ فیضِ شرع برنفسِ مزور یافتم دستے
چو آں دزدے کہ گیرد شحنہ ناگاہاں بہ مہتابش

بہ فیضِ شرع نفسِ دوں کیا قابو میں میں نے یوں
پکڑ لے جیسے شحنہ چور زیرِ ضوئے مہتابی

بہ مستی چتر بستن ہائے طاؤس است، پنداری
نشستِ ساقی و انگیزِ مینائے مئے نابش

کرے پر کھول کے طاؤس جیسے رقص مستی میں
ہے ساقی جوش میں اور دور میں جامِ مئے نابی

بساطی نیست بزمِ عشرتِ قربانیِ ما را
مگر بافند از تارِ دمِ ساطورِ قصابش

سوا اس کے ہمارا کچھ نہ فرشِ بزمِ قربانی
جو بُنتے ہم ہیں از تارِ دمِ چاقوئے قصابی

ز تارِ شمع نیز آہنگِ ذوقِ ناز می بالد
بشرطِ آنکہ سازی از پرِ پروانہ مضرابش

بہت نغمات ذوقِ نازِ تارِ شمع سے نکلیں
پرِ سوزانِ پروانہ کرے گر کارِ مضرابی

منازاے منعم و دیماہ گلخن تاب را بنگر
کہ خوابش مخمل و خاکسترِ گرم است سنجابش

وہ سوتا ناز سے ہے مخملوں کے گرم بستر میں
ہمیں پر خاکِ گلخن سے ملے گرمی ہے سنجابی

از ایں رختِ شراب آلودہ ات ننگ آیدم غالبؔ
خدا را یا بشو یا بفگن اندر راہِ سیمابش

شراب آلود خرقہ باعثِ رسوائی ہے غالبؔ
خدا را دھو اسے یا کر دے نذرِ راہِ سیلابی

چوں عکسِ پُل بہ سیل، بہ ذوقِ بلا برقص
جا را نگاہدار و ہم از خود جدا برقص

جوں عکسِ پُل بہ سیل، بذوقِ بلا لہک
رہ باخبر بھی، خود سے بھی ہو کر جدا لہک

نبود وفائے عہد، دمے خوش غنیمت است
از شاہداں بنازشِ عہدِ وفا برقص

عہدِ وفا ہے بودا، غنیمت ہے جو ملے
باور نہ کر، پہ سن کے ہی عہدِ وفا لہک

ذوقے است جستجو چہ زنی دم ز قطعِ راہ
رفتار کم کن و بصدائے درا برقص

لذت ہے جستجو، نہ رہِ شوق سے بھٹک
منزل کا غم نہ کر، بصدائے درا لہک

سرسبز بودہ و بہ چمن ہا چمیدہ ایم
اے شعلہ در گدازِ خس و خارِ ما برقص

سرسبز ایک دن تھا، ہوں خاشاک اب تو کیا
اے شعلہ در گدازِ خس و خارہا لہک

ہم بر نوائے چغد طریقِ سماع گیر
ہم در ہوائے جنبشِ بالِ ہما برقص

سن کے نوائے بوم ہو محظوظ دشت میں
گلشن میں دیکھ جنبشِ بالِ ہُما لہک

در عشق انبساط بپایاں نمی رسد
چو گرد باد خاک شو و در ہوا برقص

جو حال بھی ہو عشق میں، پُر لطف کر اسے
بن گردِ گرد باد، بدوشِ ہوا لہک

فرسوہ رسم ہائے عزیزاں فرو گذار
در سُور نوحہ خوان و ببزمِ عزا برقص

چو چشمِ صالحان و ولائے منافقاں
در نفسِ خود مباش ولے برملا برقص

از سوختن الم ، ز شگفتن طرب مجو
بے ہودہ در کنارِ سموم و صبا برقص

غالبؔ بدیں نشاط کہ وابستۂ کۂ
بر خویشتن ببال و بہ بندِ بلا برقص

فرسودہ رسم و طور عزیزوں کے بھول جا
کر نوحہ بزمِ عیش میں ، اندر عزا لہک

پرہیزِ شیخ و زہدِ منافق سے دُور رہ
درویش بن کے وجد میں آ ، برملا لہک

جتنا بھی چاہے سوز ہو جتنی بھی ہو طرب
کر رقص تُو سموم میں ، اندر صبا لہک

غالبؔ تُو فکرِ شادی و غم اس قدر نہ کر
کر رقص گر خوشی ہو ، اگر ہو بلا لہک

دل در غمش بسوز کہ جاں می دہد عوض
ورجاں دہی غمے بہ از آں می دہد عوض

دل گر جلائے رنج سے، جاں درعوض ملے
دے غم میں جاں تو عیشِ رواں درعوض ملے

فارغ مشو زدوست بہ مے در ریاضِ خُلد
از ما گرفت آنچہ ہماں می دہد عوض

کیا خوب ہے کہ ملتی ہے مے باغِ خُلد میں
ہم سے لیا جو یاں پہ، وہاں درعوض ملے

داغم از آں حریف کہ چوں خانماں بسوخت
چشمے بسوئے درنگراں می دہد عوض

سب خانماں جلا کے مرا، ہے ستم یہ کیا
چشم ایک دیکھنے کو دھواں درعوض ملے

سرمایۂ خرد بجنوں دہ کہ ایں کریم
یک سود را ہزار زیاں می دہد عوض

جب عشق میں جنوں کو دیا مایۂ خرد
یک سود سے ہزار زیاں درعوض ملے

نبود سخن سرائیِ ما رائیگاں کہ دوست
دل می برد زما و زباں می دہد عوض

ہم کو سخن سرائی سکھائے ہے عشق یوں
دینے کے بعد دل کے، زباں درعوض ملے

از ہر چہ نقشِ وہم و گماں است درگذر
کو خود بروں ز وہم و گماں می دہد عوض

ہے کچھ نہ جائے وہم و گماں اس مقام پر
ایمان و دیں، گماں کے یہاں درعوض ملے

آں را کہ نیستے نظر از ماہ و مشتری
چشمِ سہیل و زہرہ فشاں می دہد عوض

کیسے اسے، نہ دیکھیں جسے ماہ و مشتری
چشمِ سہیل و زہرہ فشاں درعوض ملے

نازم بدستِ سبحہ شمارے کہ عاقبت
شوقش کفِ پیالہ ستاں می دہد عوض

قرباں بدستِ سبحہ شمارے کہ عاقبت
اس کو کفِ پیالہ ستاں درعوض ملے

آہ از غمش کہ چوں ز دل آرام می رود
ناسازیِ زہم نفساں می دہد عوض

آرام دل سے لیوے ہے اک دوست جب ہمیں
ناسازطبعِ ہم نفساں درعوض ملے

پاداشِ ہر وفا بہ جفائے دگر کند
غالبؔ بہ بیں کہ دوست چساں می دہد عوض

پاداشِ ہر وفا بہ جفائے دگر ہے اک
غالبؔ تو دیکھ کیا نہ یہاں درعوض ملے

گوئی کہ ہاں وفا کہ وفا بودہ است شرط
آرے ہمیں ز جانبِ ما بودہ است شرط

الفت میں ہم کو کرنا وفا ایک شرط ہے
اس کو بھی کرنا مشقِ جفا ایک شرط ہے

ہے ہے نہ یاد داشت نخستینہ شرط بود
گفتی ز یاد رفت چہا بودہ است شرط

پوچھا جو میں نے بھول گیا شرطِ عشق کیا
بولا لگائی تُو نے یہ کیا ایک شرط ہے

بس نیست اینکہ می گزرد در خیالِ ما
گفتی بہ عشق آہِ رسا بودہ است شرط

کافی نہیں کہ دل میں یہ محدود ہو رہے
الفت میں ہونا آہِ رسا ایک شرط ہے

لب بر لبت نہادن و جاں دادن آرزوست
در عرضِ شوق حسنِ ادا بودہ است شرط

دیدوں لبوں کو لب سے ملا کر ترے میں جاں
در عرضِ شوق حسنِ ادا ایک شرط ہے

میرم ز رشک گر ہمہ بویت بمن رسد
کامیزشِ شمال و صبا بودہ است شرط

لاتی تو بوئے یار ہے لیکن ہوا میں اس
آمیزشِ سموم و صبا ایک شرط ہے

گو درمیاں نیامدہ باشد ولے بہ دہر
اندازۂ ز بہرِ جفا بودہ است شرط

آتا ہے شاہدوں کو نہ گو۔ عشق میں مگر
با اعتدال کرنا جفا ایک شرط ہے

گرم است دم بنالہ، سرشکے فرو ببار
پاکی پئے بساطِ دعا بودہ است شرط

ہے گرمِ نالہ سانس، بہا اشک بھی، تجھے
کرنا وضو بوقتِ دعا ایک شرط ہے

ہمدم نمک بہ زخمِ دلم مشت مشت ریز
آخر نہ پرسشے بہ سزا بودہ است شرط

ہمدم نمک بہ زخمِ جگر مشت مشت ہو
برحسبِ حال کرنا دوا ایک شرط ہے

غالبؔ بعالمے کہ توئی خونِ دل بنوش
ز بہرِ بادہ برگ و نوا بودہ است شرط

غالبؔ لوازمات نہیں، خونِ دل ہی پی
بادہ کشی بہ برگ و نوا ایک شرط ہے

تکیہ بر عہدِ زبانِ تو غلط بود غلط
کایں خود از طرزِ بیانِ تو غلط بود غلط

پختہ اک عہدِ زباں تیرا، غلط بیش غلط
معتبر طرزِ بیاں تیرا، غلط بیش غلط

غنچہ را نیک نظر کردم ادائے دارد
دیں کہ ماند بہ دہانِ تو غلط بود غلط

غنچہ دلکش ہے بہت، ٹھیک ہے لیکن اس سے
ملتا جلتا ہے دہاں تیرا، غلط بیش غلط

دل نہادن بہ پیامِ تو خطا بود خطا
کام جستن بہ لبانِ تو غلط بود غلط

رکھنا پیغام کی امید، خطا بیش خطا
چاہنا بوسِ دہاں تیرا، غلط بیش غلط

ہر جفائے تو بپاداشِ وفا است ہنوز
دعویٔ ما بہ گمانِ تو غلط بود غلط

ٹھیک ہے جتنی جفا تو کرے، لیکن ہم پر
بے وفائی کا گماں تیرا، غلط بیش غلط

آخر اے بوقلموں جلوہ کجائی، کایں جا
ہر چہ دادند نشانِ تو غلط بود غلط

جستجو جلوے کی کرتے ہیں سبھی، پر کہنا
مل گیا ان کو نشاں تیرا، غلط بیش غلط

آں تو باشی کہ نظیرِ تو عدم بود عدم
سایہ در سروِ روانِ تو غلط بود غلط

ایسا بے مثل ہے تُو، کہنا کہ تجھ جیسا ہے
سایہ اے سروِ رواں تیرا، غلط بیش غلط

می پسندی کہ بدیں زمزمہ میرد غالبؔ
تکیہ بر عہدِ زبانِ تو غلط بود غلط

دیکھ مرجائے گا غالبؔ یہی کہتے کہتے
پختہ اک عہدِ زباں تیرا، غلط بیش غلط

مرا کہ بادہ ندارم ز روزگار چہ حظ
ترا کہ ہست و نیا شامی، از بہار چہ حظ

نہ ہو شراب تو ہنگامِ نو بہار ہے کیا
دے ایک گھونٹ، بخیلی یہ روزگار ہے کیا

چمن پُر از گل و نسرین و دلربائے نے
بدشتِ فتنہ ازیں گردِ بے سوار چہ حظ

وہ گلعذار جو پھولوں بھرے چمن میں نہیں
سفر میں شوق کے یہ گردِ بے سوار ہے کیا

بذوق بے خبر از در در آمدن محوم
بوعدہ ات چہ نیاز و ز انتظار چہ حظ

لگا کے راہ پہ آنکھیں جو محو بیٹھے ہیں
جو معتبر نہیں وعدہ، یہ انتظار ہے کیا

در آنچہ من نتوانم ز اختیار چہ سود
بدانچہ دوست نخواہد ز اختیار چہ حظ

جو ہم نہ کر سکیں خود، اس پہ اختیار ہو کیوں
رضا نہ دوست کی ہو گر تو اختیار ہے کیا

چنیں کہ نخل بلند است و سنگ ناپیدا
ز میوہ تا نفتد خود ز شاخسار چہ حظ

ہو چاہے جتنی ثمردار و بارور لیکن
جھکے نہ سامنے جو خود، وہ شاخسار ہے کیا

نہ ہر کہ خونی و رہزن بپایہ منصور است
بدیں حضیضِ طبیعی ز اوجِ دار چہ حظ

بلند کتنی بھی ہو چاہے مجرموں کے لیے
بہ پیشِ پایۂ منصور اوجِ دار ہے کیا

بہ بندِ زحمتِ فرزند و زن چہ می کُشیم
ازیں نخواستہ غمہائے ناگوار چہ حظ

اسیرِ زحمتِ فرزند و زن کیا ہم کو
خدایا اک دیا یہ بارِ ناگوار ہے کیا

تو آنی آنکہ نشانی بجائے رضوانم
مرا کہ محوِ خیالم ز کاروبار چہ حظ

ملا ہے رتبۂ رضواں ہمیں مگر یارب
ہیں محو خود میں، ہمیں اس سے کاروبار ہے کیا

بہ عرضِ غصہ نظیریؔ وکیلِ غالبؔ بس
"اگر تو نشنوی از نالہ ہائے زار چہ حظ"

کہا ہے خوب نظیریؔ نے، سن ذرا غالبؔ
"سنے جو یار نہیں، رونا زار زار ہے کیا"

تا رغبتِ وطن نبود از سفر چہ حظ
آں را کہ نیست خانہ، بہ شہر از خبر چہ حظ

نہ ہو جو حبِ وطن، لذتِ سفر کیا ہے
نہ گھر ہو جس میں تو اس شہر کی خبر کیا ہے

از نالہ مستِ زمزمہ ام ہمنشیں برو
چوں نیست مطلبے ز نویدِ اثر چہ حظ

ہوں مستِ زمزمۂ نالہ، غم نہ کر ہمدم
طلب نہ جس کو، اسے مژدۂ اثر کیا ہے

در ہم فگندہ ایم دل و دیدہ را ز رشک
چوں جنگ با خود است ز فتح و ظفر چہ حظ

ہے جنگ تجھ کو اگر اپنے آپ سے، اے دل
شکست تیرے لیے کیا، تجھے ظفر کیا ہے

دلہائے مردہ را ز نشاطِ نفس چہ کار
گلہائے چیدہ را ز نسیمِ سحر چہ حظ

ہو مردہ دل کو نشاطِ نفس سے کیوں کچھ کام
فسردہ گل کے لیے شبنمِ سحر کیا ہے

تا فتنہ در نظر نہ نہی از نظر چہ سود
تا دشنہ بر جگر نخوری از جگر چہ حظ

وہ کیا نظر، نہ ہو ہنگامہ عشق کا جس میں
نہ کھائے زخم جو دشنے کا، وہ جگر کیا ہے

زاں سوئے کاخ روزنِ دیوار بستہ اند
بے دوست از مشاہدۂ بام و در چہ حظ

ہوا جو روزنِ دیوار بند میرے لئے
بغیر یار کے دیدارِ بام و در کیا ہے

لرزد بجانِ دوست دلِ سادہ ام زمہر
بے چارہ را ز غمزۂ تابِ کمر چہ حظ

میان تیری جو معدوم ہے، بتا اے جاں
بنا کمر، یہ تیرا غمزۂ کمر کیا ہے

چوں پردۂ محافہ بہ بالا نمی زند
ازوے بہ داعیانِ سرِ رہگذر چہ حظ

کبھی جو پردۂ محمل ترا نہیں اٹھتا
یہ اک ہجومِ نشینانِ رہگذر کیا ہے

باید نبشت نکتۂ غالبؔ بہ آبِ زر
بے آنکہ وجہِ مے شود از سیم و زر چہ حظ

تو کہتا ٹھیک ہے اے رندِ بے نوا غالبؔ
نہیں شراب گر اس میں تو جامِ زر کیا ہے

تا تفِ شوقِ تو انداختہ جاں در تنِ شمع
شرر از رشتۂ خویش است بہ پیراہنِ شمع

شوق نے تیرے کیا گرم ہے جب سے تنِ شمع
ہے بہت شعلہ فشاں رشتۂ پیراہنِ شمع

جاں بہ ناموس دہے چند فراہم شدہ اند
ورنہ خود با تو چہ بود است رگِ گردنِ شمع

جان ناموس پہ کرتے ہیں فدا پروانے
خون سے ان کے دھڑکتی ہے رگِ گردنِ شمع

مجمعے از دل و جان است بگردِ درِ دوست
تودۂ از پر و بال است بہ پیرامنِ شمع

ہوں پڑے سوختہ دل جیسے درِ جاناں پر
بال و پر کا ہے اک انبار بہ پیرامنِ شمع

روزم از تیرگی آں وسوسہ ریزد بہ نظر
کہ شبِ تار بہ ہنگامِ فرو بردنِ شمع

امن لے جائے ہے دل سے، مری تیرہ روزی
جائے ہے چھوڑ کے جاں رات میں جیسے تنِ شمع

بے تو از خویش چہ گویم کہ بہ بزمِ طربم
پردۂ گوشِ گل افگار شد از شیونِ شمع

جاتا اٹھ کے ہے تُو جب بزمِ طرب سے میری
پردۂ گوشِ سمن چیرتا ہے شیونِ شمع

نازم آں حسن کہ در جلوہ ز شہرت باشد
خاطر آشوبِ گل و قاعدہ برہمزنِ شمع

حسنِ جاناں کی بنی جلوہ گری بزم میں اک
خاطر آشوبِ گل و راہزنِ ایمنِ شمع

بر نتابد ز بتاں جلوہ گرفتار کسے
صبح را کردہ ہوا داریِ گل دشمنِ شمع

چاہے دیدارِ دگر جیسے نہ عاشق کوئی
بن گئی عاشقیِ گل میں سحر دشمنِ شمع

می گدازم نفسے بے شرر و شعلہ و دُود
داغِ آں سوزِ نہانم کہ نباشد فنِ شمع

ہوں گدازِ نفسِ بے شرر و شعلہ اک میں
داغ اس سوزِ نہاں کا ہوں، نہ جو ہے فنِ شمع

وقتِ آرائشِ ایوانِ بہار است کہ باز
کوہ از جوشِ گل و لالہ بود معدنِ شمع

وقتِ آرائشِ ایوانِ بہاراں ہے کہ پھر
کوہ از جوشِ گل و لالہ بنا معدنِ شمع

غالبؔ از ہستیِ خویش است عذابے کہ مراست
ہم زخود خارِ غم آویختہ در دامنِ شمع

خود ہی غالبؔ، میں بناتا ہوں بلائیں اپنی
شعلہ جس طور سے بھڑکائے ہے خود دامنِ شمع

شادم کہ بر انکارِ من شیخ و برہمن گشتہ جمع
کز اختلافِ کفر و دیں خود خاطرِ من گشتہ جمع

مقتولِ خویشانِ خودم ، جوئید خوں ریزِ مرا
زیناں کہ بر نعشِ من اند، از بہرِ شیون گشتہ جمع

در گریہ تا رفتم زخود ، اندوہم از سر تازہ شد
بر ہیئتِ دل ، لختِ دل ، بازم بدامن گشتہ جمع

اے آنکہ بر خاکِ درش ، تن ہائے بے جاں دیدہ ای
بر گوشۂ بامش نگر ، جاں ہائے بے تن گشتہ جمع

ہے ہے چہ خوش باشد بہ دے ، آتش بہ پیشِ مرغ و مے
از بذلہ سنجاں چند کس در یک نشیمن گشتہ جمع

صبح است و گوناگوں اثر غالبؔ بہ خسپی بے خبر
نیکاں بہ مسجد رفتہ در ، رنداں بہ گلشن گشتہ جمع

انکارِ فرقِ کفر و دیں سن میرا ، دشمن ہیں بہم
میری ملامت کے لیے شیخ و برہمن ہیں بہم

مقتول اپنوں کا ہوں میں ان ہی میں ہے قاتل مرا
میرے جنازے پر ہوئے جو بہرِ شیون ہیں بہم

بڑھتا ہے غم ، جتنا بھی خوں بہتا ہے میری آنکھ سے
بنتے ہیں دل ، جو لختِ دل ہوتے بہ دامن ہیں بہم

دیکھے ہیں در پر یار کے تن ہائے بے جاں تم نے پر
دیکھیں نہ کتنی بام پر جاں ہائے بے تن ہیں بہم

سرما میں کیسا لطف ہے ، آتش بہ پیشِ مرغ و مے
یارانِ بذلہ سنج سب اندر نشیمن ہیں بہم

ہے صبح دم ، غالبؔ اٹھو ، پُر کیف ہے کیسی فضا
مسجد میں بیٹھے نیک ہیں ، رنداں بہ گلشن ہیں بہم

بخوں تپم بسرِ رہگذر ، دروغ دروغ
نشاں دہم بر ہست صد خطر، دروغ دروغ

میں خوں میں تڑپوں سرِ رہگذر، دروغ دروغ
دکھاؤں یوں تری رہ کے خطر، دروغ دروغ

مرو بگفتِ بد آموز و بیم ناک مباش
من و زنالہ تلاشِ اثر ، دروغ دروغ

نہ سن رقیب کی غیبت کہ ہے وہ بد آموز
مجھے بہ گریہ تلاشِ اثر ، دروغ دروغ

فریبِ وعدۂ بوس و کنار یعنی چہ
دہن، دروغ دروغ و کمر، دروغ دروغ

ہے تیرا وعدۂ بوس و کنار کیا، جب ہے
دہن، دروغ دروغ و کمر، دروغ دروغ

طراوتِ شکنِ جیب و آستینت کو
زنامہ دم مزن اے نامہ بر، دروغ دروغ

طراوتِ سخنِ دل فزائے جاناں نہ
تو لایا خط میں ہے اے نامہ بر، دروغ دروغ

من و بذوقِ قدم ترکِ سر، درست درست
تو و ز مہر بجا کم گذر ، دروغ دروغ

میں خاکِ پا پہ کروں جاں فدا، درست درست
ہو خاک پر مری تیرا گزر ، دروغ دروغ

اگر بہ مہر نخواندی بناز خواہی کُشت
نہ ہرچہ وعدہ کنی سر بسر دروغ دروغ

نہ لی ہے پیار سے گر جاں، غضب سے لے لے گا
کرے ہے قتل میں کچھ تو کسر، دروغ دروغ

دگر کرشمہ در ایجادِ شیوۂ نگہے است
تو و ز عربدہ قطعِ نظر ، دروغ دروغ

نیا کرشمہ ، نیا غمزۂ نگہ ہر دم
تو اور لڑائی سے قطعِ نظر، دروغ دروغ

دریں ستیزہ ظہوری گواہِ غالب بس
"من و ز کوئے تو عزمِ سفر، دروغ دروغ"

ہوا یہ کہہ کے ظہوری گواہ غالب کا
"دیارِ یار سے عزمِ سفر، دروغ دروغ"

گل و شمع بہ مزارِ شہدا گشت تلف
نشدی راضی و عمرم بدعا گشت تلف

چادرِ گل بہ مزارِ فقرا بیش تلف
شوقِ معشوق میں عمرے بدعا بیش تلف

سعی در مرگِ رقیبانِ گراں جاں کردی
می شناسم کہ چہ از ناز و ادا گشت تلف

سعی در مرگِ رقیبانِ گراں جاں مت کر
بے شعوروں پہ ہیں سب ناز و ادا بیش تلف

آمدی دیر بہ پرسش، چہ بشارت آرم
من و عمرے کہ باندوہِ وفا گشت تلف

کیا کروں دیر مہربانی پہ تیری میں فدا
جب ہوئی عمر بہ اندوہِ وفا بیش تلف

رنگ و بو بود ترا، برگ و نوا بود مرا
رنگ و بو گشت کہن، برگ و نوا گشت تلف

رنگ و بو تجھ کو ملے، برگ و نوا مجھ کو مگر
کیسے یہ عارضی اور وہ ہوئے کیا بیش تلف

گُل و مُل باید و میرم کہ دریں رنجِ دراز
ہر چہ بود از زر و سیم بہ دوا گشت تلف

گُل و مُل چاہیے مگر رنجش و حرماں پائے
سیم و زر سارے ہوئے بہرِ دوا بیش تلف

بال و پر شاید و میرم کہ دریں بندِ گراں
تاب و طاقت بہ خمِ دامِ بلا گشت تلف

بال و پر مانگے، ملا بندِ گراں، اور ہوئے
تاب و طاقت بہ خمِ دامِ بلا بیش تلف

لطفِ یک روزہ تلافی نکند عمرے را
کہ بدریوزۂ اقبالِ جفا گشت تلف

لطفِ یک روزہ تلافی نہ کرے، عمر کی جو
ہے بہ دریوزۂ اقبالِ جفا بیش تلف

گیرم امروز دہی کامِ دل، آں حسن کجا
اجرِ ناکامیِ سی سالۂ ما گشت تلف

مہرباں زُود پشیماں ہوا وہ جب، میرا
اجرِ ناکامیِ صد سالہ ہوا بیش تلف

کاش پائے فلک از سیر بماندے غالبؔ
روزگارے کہ تلف گشت، چرا گشت تلف

کبھی رک جاتی اگر گردشِ گردوں غالبؔ
کم تلف ہوتا زمانہ، جو ہوا بیش تلف

ہنگامِ بوسہ بر لبِ جاناں خورم دریغ
در تشنگی بہ چشمۂ حیواں خورم دریغ

ہنگامِ بوسہ بر لبِ جاناں کروں دریغ
در تشنگی بہ چشمۂ حیواں کروں دریغ

آں سادہ روستائیٔ شہرِ محبتم
کز پیچ و خم بہ زلفِ پریشاں خورم دریغ

دہقان ایک میں ہوں ترے شہرِ عشق میں
دیکھوں جو پیچ زلفِ پریشاں کروں دریغ

در رشکم از صلا و ملولم ز دُور باش
بر خوانِ وصل و نعمتِ الواں خورم دریغ

محرومیت میں رنج سے، دعوت میں رشک سے
بر خوانِ وصل و نعمتِ الواں کروں دریغ

خواہم ز بہرِ لذتِ آزارِ زندگی
بر دل بلا فشانم و بر جاں خورم دریغ

خواہش ہے، بہرِ لذتِ آزارِ زندگی
پُر دل کو رنج سے کروں، بر جاں کروں دریغ

رفتارِ گرم و تیشۂ تیزم سپردہ اند
از خویشتن بکوہ و بیاباں خورم دریغ

رفتارِ گرم و تیشۂ تیز ایسے ہیں مرے
کم مایہ دیکھ کوہ و بیاباں کروں دریغ

از خود بروں نرفتہ و درہم فتادہ تنگ
در راہِ حق بہ گبر و مسلماں خورم دریغ

اُلجھا انہیں میں دیکھ کے تکرار و بحث میں
در راہِ حق بہ گبر و مسلماں کروں دریغ

دل ز آنِ تست، ہدیۂ تن کن کنار و بوس
چند از تو بر نوازشِ پنہاں خورم دریغ

کھُل کے نواز مجھ کو تُو بوس و کنار سے
تا یوں نہ بر نوازشِ پنہاں کروں دریغ

کارے ندید آنکہ تواں در من آفرید
در شورہ زارِ خویش بباراں خورم دریغ

جب اور اگیں گے خارِ مغیلاں بہار میں
کیوں شورہ زار میں نہ بہ باراں کروں دریغ

غالبؔ شنیدہ ام ز نظیریؔ کہ گفتہ است
"نالم ز چرخ گر نہ بہ افغاں خورم دریغ"

غالبؔ ہے دل میں تیرے نظیریؔ نے جو کہا
"روؤں فلک کو، گر نہ بہ افغاں کروں دریغ"

اے کردہ غرقم بے خبر شور زیں نشانہا یک طرف
رختم بہ ساحل یک طرف، شستم بدریا یک طرف

دریا میں ہوں میں یک طرف، ساحل پہ تُو تھا یک طرف
کس نے ڈبویا کس کو کب، رکھ اب یہ جھگڑا یک طرف

از عشق و حسنِ ما و تو، با ہمدگر در گفتگو
خسرو بہ مجنوں یک طرف، شیریں بہ لیلیٰ یک طرف

کرتے ہیں حسن و عشق کی وہ تیرے میرے گفتگو
فرہاد و مجنوں یک طرف، شیرین و لیلیٰ یک طرف

تا دل بدنیا دادہ ام در کشمکش افتادہ ام
اندوہِ فرصت یک طرف، ذوقِ تماشا یک طرف

دنیا سے دل جب سے لگا، ہوں کشمکش میں مبتلا
اندوہِ فرصت یک طرف، ذوقِ تماشا یک طرف

اے بستہ در بزمِ اثر، بر غارتِ ہوشم کمر
مطرب بہ الحاں یک طرف، ساقی بہ صہبا یک طرف

دے کے ہمیں بزمِ اثر، باندھی ہے غارت پر کمر
مطرب بہ نغمہ یک طرف، ساقی بہ صہبا یک طرف

خار افگناں در راہِ من، ترساں ز برقِ آہِ من
طفلانِ ناداں یک طرف، پیرانِ دانا یک طرف

یہ ڈالیں کانٹے راہ میں، ہمدرد وہ کب آہ میں
طفلانِ ناداں یک طرف، پیرانِ دانا یک طرف

واماندہ در راہِ وفا، از بے خودی ہا جا بجا
نقدم بہ منزل یک طرف، رختم بصحرا یک طرف

واماندہ در راہِ وفا، از بے خودی ہا جا بجا
مایہ بمنزل یک طرف، جامہ بصحرا یک طرف

با دیدہ و دل از دو سو، ماندم بہ بندِ غم فرد
اندوہِ پنہاں یک طرف، آشوبِ پیدا یک طرف

با دیدہ و دل از دو سو، رہتا ہوں غم سے رو برُو
اندوہِ پنہاں یک طرف، آشوبِ پیدا یک طرف

ہم مہر دارد ہم حیا، بر نعشم آرد شش چرا
خویشاں بہ شیون یک طرف، خصماں بہ غوغا یک طرف

میّت پہ با مہر و حیا، وہ دیکھ کر ہے بے مزا
اپنوں کا ماتم یک طرف، غیروں کا غوغا یک طرف

غالب چہ تسکینم دہی، در ہجر آں سرو سہی
رشکِ رقیبم می کشد، فرطِ تمنا یک طرف

غالب شبِ فرقت مجھے، بے چین باشدت رکھے
رشکِ رقیباں یک طرف، فرطِ تمنا یک طرف

شدم سپاس گذارِ خود از شکایتِ شوق
زہے زمن بدلِ بے غمش سرایتِ شوق

خدایا ایسی مجھے ہو کبھی شکایتِ شوق
کہ دل پہ اس کے لگے اور کرے سرایتِ شوق

بہ بزمِ بادہ گریباں کشود نشں نگرید
خوشا بہانۂ مستی، خوشا رعایتِ شوق

وہ بزمِ مے میں گریبان کھولنا اس کا
خوشا بہانۂ مستی، خوشا رعایتِ شوق

ہر آں غزل کہ مرا خود بخاطر است ہنوز
بہ بانگِ چنگ ادا می کند زغایتِ شوق

غزل جو سوئی ہوئی ہے ابھی مرے دل میں
بیان کرتا ہے بربط اسے بہ غایتِ شوق

دخاں ز آتشِ یاقوت گرد مد عجب است
عجب تر است ازیں بر لبش حکایتِ شوق

دخانِ آتشِ یاقوت ہے عجیب ولے
عجیب تر ہے لبِ لعل پر حکایتِ شوق

غلط کند رہ و آید بہ کلبہ ام ناگاہ
صنم فریب بود شیوۂ ہدایتِ شوق

بھٹک کے راہ سے آیا وہ غمکدے میں مرے
صنم فریب ہوا شیوۂ ہدایتِ شوق

متاعِ کاسدِ اہلِ ہوس بہم بزن
کنوں کہ خود شدہ شحنۂ ولایتِ شوق

متاعِ ناقصِ اہلِ ہوس کرے برہم
بنا جو خود ہے تو اب شحنۂ ولایتِ شوق

بخود مناز و بہ آموزگار ہم بپذیر
من و نہایتِ شوق و تو و بدایتِ شوق

ہمارا دُوری و قربت میں ایک رشتہ ہے
ہوں میں نہایتِ شوق اور تُو بدایتِ شوق

مکن بورزشِ ایں شغل جہد، می ترسم
کہ چوں رسی بخطِ خطوۂ نہایتِ شوق

عدو کو دیکھ کے محرم، لگے ہے ڈر مجھ کو
کہ جب تُو پہنچے سرِ منزلِ نہایتِ شوق

ق

ترا ز پرسشِ احباب بے نیاز کند
غرورِ یکدلی و نازشِ حمایتِ شوق

کرے نہ پُرسشِ یاراں سے بے نیاز تجھے
غرورِ یکدلی و نازشِ حمایتِ شوق

سرِ تو سبز تر از حرفِ غالبؔ است بدہر
خجستہ باد بفرقِ تو ظلِ رایتِ شوق

دعا ہے غالبؔ خستہ کی اے شہِ خوباں
رہے بلند زمانے میں تیرا رایتِ شوق

مرد آنکہ در ہجومِ تمنا شود ہلاک
از رشکِ تشنۂ کہ بدریا شود ہلاک

جو مرد در ہجومِ تمنا ہوا ہلاک
ہے تشنہ لب کہ اندرِ دریا ہوا ہلاک

گردم ہلاکِ فرۂ فرجامِ رہروے
کاندر تلاشِ منزلِ عنقا شود ہلاک

قربانِ عالی ہمتیِ راہرو ہوں میں
جو در تلاشِ منزلِ عنقا ہوا ہلاک

نازم بہ کُشتۂ کہ چو یابد دوبارہ عمر
در عذرِ التفاتِ مسیحا شود ہلاک

ہے وہ شہید، پا کے جو دوبارہ زندگی
در عذرِ التفاتِ مسیحا ہوا ہلاک

دارم بہ کُنجِ غم کدہ رشکِ کسے کہ او
در جلوہ گاہِ دوست بہ غوغا شود ہلاک

ہوں خلوتی، کروں میں مگر رشک اس پہ، جو
در جلوہ گاہِ دوست بہ غوغا ہوا ہلاک

منمائے رخ بما کہ بدعویٰ نشستہ ایم
در خلوتے کہ ذوقِ تماشا شود ہلاک

خلوت میں رہ کے پہنچا ہوں ایسے مقام پر
جلوہ تو ہے، پہ ذوقِ تماشا ہوا ہلاک

با عاشق امتیازِ تغافل نشاں دہد
تا خود ز شرمِ شکوۂ بے جا شود ہلاک

طرزِ تغافل ایسا کہ جس نے گلہ کیا
خود وہ بہ شرمِ شکوۂ بے جا ہوا ہلاک

با خضر گر نمی رویم از بیمِ ناکسی است
ترسم زننگِ ہمرہیِ ما شود ہلاک

نا اہلیت ہے ایسی ہماری کہ شرم سے
ہمراہ بن کے خضر ہمارا ہوا ہلاک

غالبؔ ستم نگر کہ چو ولیم فریزرے
زیں ساں بہ چیرہ دستیِ اعدا شود ہلاک

ولیم فریزر ایک جو غالبؔ کا دوست تھا
کیسا بہ چیرہ دستیِ اعدا ہوا ہلاک

بحر اگر موج زن است از خس و خاشاک چہ باک
باتو زاندیشہ چہ اندیشہ و از باک چہ باک

بحرِ الفت میں اگر ہیں خس و خاشاک تو کیا
ہے تلاطم، ہے اگر موجِ خطرناک تو کیا

فیضِ سرگرمیِ دورِ قدحِ مے دریاب
برگریز است بہ دے ماہ اگر تاک چہ باک

فیضِ سرگرمیِ دورِ مئے انگور تو ہے
نہ رہا موسمِ سرما میں اگر تاک تو کیا

وحشتے نیست اگر خانہ چراغے دارد
بادل از تیرگیِ زاویۂ خاک چہ باک

دل ہو روشن تو نہیں خطرۂ تاریکی کچھ
بیش تاریک ہے ظلمت کدۂ خاک تو کیا

حاش للہ کہ دریں معرکہ رسوا گردی
باچنیں خستگیم از جگرِ چاک چہ باک

خستگی سے مجھے دل کی، نہ کوئی رسوائی
معرکہ عشق کا کرتا ہے جگر چاک تو کیا

غافل ایں برق براجزائے وجودم زدہ است
مرترا از نفسِ گرمِ اثرناک چہ باک

رگ و ریشہ میں سمائی ہے مرے برقِ بلا
نفسِ گرم نہ ہو میرا اثرناک تو کیا

بارضائے تو زناسازیِ ایام چہ بیم
باوفائے تو ز بے مہریِ افلاک چہ باک

گر رضامند ہو تُو، تجھ میں وفاداری ہو
بیش ہوتی رہے بے مہریِ افلاک تو کیا

ہاں بگو تاخمِ زلفت بفشارد دل را
خونِ صید ار چکد از حلقۂ فتراک چہ باک

دل کو راحت تھی بہت دامِ خمِ گیسو میں
خون ٹپکا اگر از حلقۂ فتراک تو کیا

دردم از چارہ گری ہا نہ پذیرد تسکیں
باچنیں زہر زدم سردیِ تریاک چہ باک

درد کا تیرے مداوا نہیں کوئی اے دل
چارہ گر تیرا اگر رکھتا ہے تریاک تو کیا

اے ترا و مرا دریں نیرنگ
دہن و چشم و دست و دل ہمہ تنگ

تیرے میرے، در عالمِ نیرنگ
دہن و چشم و دست و دل ہیں تنگ

ہاں مغنی کہ در ہوائے شراب
می سرائی غزل بہ نالۂ چنگ

در ہوائے شراب اے مطرب
اک سنا دے غزل بہ نالۂ چنگ

زخمہ می ریز ہم بدیں انداز
نغمہ می سنج ہم بدیں آہنگ

نوکِ مضراب سے بصد خوبی
چھیڑ دے ایک تارِ خوش آہنگ

فرصتت باد ساقیِ چالاک
اے بہ دفعِ غم، ایزدی سرہنگ

بصد اندازِ دلبری، ساقی
دفعِ غم میں ہو ایزدی سرہنگ

شیشہ بشکن، قدح بہ خُم در زن
تا نہ گنجد دریں میانہ درنگ

توڑ ساغر، سبو سے پینے دے
کر خدارا ذرا نہ اس میں درنگ

شود انساں ادیم، کو آں فیض
گردد اندُہ نشاط کو آں رنگ

بوریا ہو ادیم، عکس سے جس کے
کر دے اندُہ نشاط جس کا رنگ

ق

پرتوِ خاص در نہادِ سہیل
بادۂ ناب در دیارِ فرنگ

در نہادِ سہیل وہ پرتو
وہ مئے ناب در دیارِ فرنگ

شکوہ و شکر، ہرزہ و باطل
غالب و دوست، آبگینہ و سنگ

شکوہ و شکر، ہرزہ و باطل
غالب و دوست، آبگینہ و سنگ

نہ مرا دولتِ دنیا، نہ مرا اجرِ جمیل
نہ چو نمرود توانا، نہ شکیبا چو خلیل

نہ مجھے دولتِ دنیا نہ مجھے اجرِ جمیل
نہ توانائیِ نمرود، نہ ایمانِ خلیل

با رقیباں کفِ ساقی بہ مئے ناب کریم
با عزیباں لبِ جیحوں بہ دمِ آب بخیل

با رقیباں کفِ ساقی بہ مے ناب سخی
با عزیباں لبِ جیحوں بہ دمِ آب بخیل

بنہ و بار بہ شبگیر در افگندہ براہ
آنکہ دانست سراسیمگیِ صبحِ رحیل

ساز و سامانِ سفر کرتا ہے رہزن کی نذر
جانتا جو ہے سراسیمگیِ صبحِ رحیل

ہاں وہاں اے گہریں یادہ و سیمیں ساعد
کز دمِ تیغ بہ لیسی بہ زباں خونِ قتیل

دیکھو کس جوش سے وہ قاتلِ سیمیں ساعد
چاٹتا اپنے دمِ تیغ سے ہے خونِ قتیل

بس کن از عربدہ، تا چند ربائی بفسوس
از گدایاں سر و از تارکِ شاہاں اکلیل

چھوڑ یہ عربدہ، لیتا یوں رہے گا کب تک
از گدایاں سر و از تارکِ شاہاں اکلیل

تو نباشی دگرے کوئے تو نبود چمنے
کے شد ستیم بہ دل تنگیِ جاوید کفیل

تُو رہے گا نہ شگفتہ، نہ ترا کوچہ چمن
ہم رہیں کیسے غمِ فرقتِ دائم کے کفیل

ترس موقوف، چہ شد رشک نہ بینی کہ دگر
دارم آہنگِ نیایشگریِ ربِ جلیل

ہے اگر یار کا شکوہ مجھے، دوراں کا گلہ
تجھ سے بھی کہنا ہے کچھ مجھ کو خداوندِ جلیل

اے بہ مسمارِ قضا دوختہ چشمِ ابلیس
بدمِ گرمِ رواں سوختہ بالِ جبریل

اے بہ مسمارِ قضا دوختہ چشمِ ابلیس
بہ دمِ گرمِ رواں سوختہ بالِ جبریل

با تو ام خرمیِ خاطرِ موسیٰ بر طور
با خودم خستگیِ لشکرِ فرعون بہ نیل

تجھ سے ہے خرمیِ خاطرِ موسیٰ بر طور
تُو نے کی خستگیِ لشکرِ فرعون بہ نیل

بر کمالِ تو در اندازہ کمالِ تو محیط
بر وجودِ تو در اندیشہ وجودِ تو دلیل

معجزے کا کرے اندازہ ترا معجزہ خود
تیری ہستی کے لئے ہستی ہی تیری ہے دلیل

نہ کنی چارہ لبِ خشکِ مسلمانے را
اے بہ ترسا بچگاں کردہ مئے ناب سبیل

دہنِ خشکِ مسلماں کا کیا چارہ نہ کچھ
مغ بچوں کے لئے پر مے کی لگائی ہے سبیل

غالبِ سوختہ جاں را چہ بگفتار آری
بہ دیارے کہ ندانند نظیری ز قتیل

کیا گفتار پہ مامور وہاں غالب کو
جانے کوئی نہ جہاں فرقِ نظیری و قتیل

گفتم زشادی نبودم گنجیدن آساں در بغل
تنگم کشید از سادگی در وصل جاناں در بغل

آنا خوشی سے پھول کر، گو ہے نہ آساں در بغل
باہوں میں اپنی بھینچ کر، لے مجھ کو جاناں در بغا

آہ از تنک پیراہنی کافزوں شدش تردامنی
تا خوے بروں داد از حیا، گردید عریاں در بغل

کرتی تنک پیراہنی افزون ہے تر دامنی
پھر بھی حیا کرتا ہے، جب آتا ہے عریاں در بغل

دانش بے مے درباختہ خود را ز من نشناختہ
رخ در کنارم ساختہ از شرم پنہاں در بغل

مستی میں کچھ رہتی نہیں اس کو تمیزِ تو و من
پہلو میں بھی میرے کرے رخ اپنا پنہاں در بغل

گاہم بہ پہلو خفتہ خوش بستے لب از حرف و سخن
گاہم بباز و ماندہ سر، سودے زنخداں در بغل

سونا خموشی سے کبھی پہلو میں میرے ہے، کبھی
گھستا ہے رکھ بازو پہ سر، اپنی زنخداں در بغل

مے خوردہ در بستاں سرا مستانہ گشتے سو بسو
خود سایۂ او را ز وصد باغ و لبستاں در بغل

صحنِ چمن میں پی کے وہ مستانہ گھومے سو بسو
پھر لے کے آئے ساتھ میں صد باغ و لبستاں در بغل

چوں غنچہ دیدے در چمن گفتے بہ گلبن کت زمن
چوں رفتہ ناوک از جگر چوں ماندہ پیکاں در بغل

گلبن پہ غنچہ دیکھ کر، لگتا ہے یہ صیاد نے
دل چیر کے اک تیر سے، چھوڑا ہے پیکاں در بغل

ہاں غالبِ خلوت نشیں، بیمے چناں، عیشے چنیں
جاسوسِ سلطاں در کمیں، مطلوبِ سلطاں در بغل

اے غالبِ خلوت نشیں، کچھ خوف ہے، کچھ عیش بھی
جاسوسِ سلطاں در کمیں، مطلوبِ سلطاں در بغل

داریم در ہوائے تو مستی ببوئے گل
مار است بادۂ کہ تو نوشی بروئے گل

ہوتے ہیں مست شوق میں تیرے، بہ بوئے گل
ہو سرخ، مست دیکھ کے جب تجھ کو، روئے گل

اندازہ سنج رشکم و نزسمم ز انتقام
پوشم ز شمع چشم و نہ بینم بسوئے گل

تیرے بغیر بزم میں جچتا نہیں کوئی
ڈالوں نظر نہ شمع پہ، دیکھوں نہ سوئے گل

ہر گوشۂ بساط عزیب است و آشنا
گلبن دیارِ گل بود و شاخ کوئے گل

ہے مجلسِ نشاط میں ہر پھُول اجنبی
گلبن دیارِ گل کا ہے اور شاخ کوئے گل

اندیشہ را بہ نیم ادا می تواں فریفت
خوں کن دلے کہ از تو کند آرزوئے گل

بڑھتا گلوں کو دیکھ کے ہے رنجِ عاشقاں
خوں ہووے دل، جو تجھ سے رکھے آرزوئے گل

تا گل بہ رنگ و بوئے کہ ماند کہ در چمن
گل در پیِ گل آمدہ در جستجوئے گل

آیا ہے گل بہار میں لے کس کے رنگ و بو
گل کرتا پیچھا گل کا ہے در جستجوئے گل

جوشِ بہارِ بسکہ مہارش گسستہ است
تازد بدشت ناقۂ بے راہہ پوئے گل

ہیں شترِ بے مہار یہ جوشِ بہار سے
صحرا میں کرتے گل ہیں بہت تاز و پوئے گل

ہی زُود گیر، زُود گسل، ہی جگی جگے
درخشم خوئے شعلہ و در مہر خوئے گل

ہے زُود رنج، زُود غضب، زُود مہر وہ
غصے میں خوئے شعلہ، محبّت میں خوئے گل

زانگہ کہ عندلیب لقب دادۂ مرا
افزودۂ امیدِ من و آبروئے گل

جب اس نے عندلیب کا مجھ کو لقب دیا
کی تیز آرزو مری اور آبروئے گل

در موسمِ تموز گلابے بہ تن بریز
تا آبِ رفتہ باز بیاید بجوئے گل

کر غسل گرمیوں میں تو آبِ گلاب سے
تا آبِ رفتہ پھر سے بھرے آکے جوئے گل

غالؔب ز وضعِ طالبم آید حیا کہ داشت
چشمے بہ سوئے بلبل و چشمے بہ سوئے گل

غالؔب رکھیں ہیں اہلِ ہوس دیکھ کس طرح
یک چشم سوئے بلبل و یک چشم سوئے گل

تن بر کرانہ ضائع ، دل درمیانہ غافل
چوں غرقہ، کہ ماند رختش بسوئے ساحل

تن بر کنارہ ضائع ، دل درمیانہ غافل
مردہ غریقِ دریا ، ساماں سپردِ ساحل

داغم بہ شعلہ زائی اندازِ برقِ خاطف
سعیم بہ نارسائی پروازِ مرغِ بسمل

انفاس شعلہ افشاں ، انداز برقِ سوزاں
کوشش بہ نارسائی پروازِ مرغِ بسمل

ذوقِ شہادتم را دستِ قضا بہ حنا
سیرِ سعادتم را پائے ستارہ در گِل

کیا ذوقِ مرگ ، جب ہو دستِ قضا پہ مہندی
خوش بختی کیسی ، جب ہو پائے ستارہ در گِل

فرسودہ گشت پایم از پویہ ہائے ہرزہ
آشفتہ شد دماغم ز اندیشہ ہائے باطل

فرسودہ پا کیا ہے بے ہودہ جستجو نے
آشفتہ سر کرے ہیں اندیشہ ہائے باطل

ہم در خمارِ دوشیں حالم تبہ بہ صحرا
ہم در بہائے صہبا رختم گرو بمنزل

شمعم ز روسیاہی داغِ جبینِ خلوت
چنگم ز بے نوائی ننگِ بساطِ محفل

صحرا نوردی میری اندر خمارِ دُردی
ساماں بہائے مے ہیں گروی درونِ منزل

شمع ز روسیاہی ، داغِ جبینِ خلوت
بربط ز بے نوائی ، ننگِ بساطِ محفل

راز تو در نہفتن تبخالہ ریخت بر لب
تیرِ تو در گزشتن پیکاں گداخت در دل

رکھنے میں راز پنہاں چھالے پڑے ہیں لب پر
گزرا ہے تیر دل سے، پیکاں رہا ہے در دل

نظارہ با ادایت موسیٰ و طورِ سینا
اندیشہ با بلایت ہاروت و چاہِ بابل

منظر تری ادا کا موسیٰ و طورِ سینا
خدشہ تری بلا کا ہاروت و چاہِ بابل

با من نمودہ مجنوں بیعت بہ فنِ سودا
بر تو فشاندہ لیلیٰ زیور ز طرفِ محمل

دیوانگی سے میری مجنوں مرید میرا
دیوے تجھے ہے لیلیٰ زیور ز طرفِ محمل

غالب بہ غصّہ شادم مرگم بخویش آساں
در چارہ نامرادم، کارم ز دوست مشکل

خوگر ہوں غم کا غالب مجھ پر ہے موت آساں
ہوں نامراد عاشق، ہے وصلِ یار مشکل

برلبِ یا علی سرا، بادہ روانہ کردہ ایم
مشربِ حق گزیدہ ایم، عیشِ مغانہ کردہ ایم

لب پہ، جو تھا علی سرا، بادہ روانہ کرلیا
کیش بنا کے ہم نے حق، عیشِ مغانہ کرلیا

در رہت از پگہ رواں بیشتر ایم یک قدم
حکمِ دوگانہ دادہ، سازِ سہ گانہ کردہ ایم

راہِ صلوٰۃ میں رہے شیخوں سے بڑھ کے اک قدم
فرض دوگانہ تھا ولے ہم نے سہ گانہ کرلیا

بو کہ بہ خشو بشنوی قصۂ ما و مدعی
تازہ ز روئدادِ شہر، طرح فسانہ کردہ ایم

فرق جو مجھ میں اس میں ہے، پوچھ لے جا کے خلق سے
تو نے عدو کا کیوں یقیں ایک فسانہ کرلیا

زعمِ رقیب یک طرف، کوریِ چشمِ خویشتن
ناوکِ غمزۂ ترا دیدہ نشانہ کردہ ایم

ناوکِ غمزہ کے ترے اہلِ نظر ہیں مستحق
دشمنِ بے بصر کو کیوں تُو نے نشانہ کرلیا

بادہ بوام خوردہ و زر بہ قمار باختہ
وہ کہ زہر چہ ناسزا است ہم بسزانہ کردہ ایم

ضائع کئے ہیں عمر و زر بے ہنری سے ہم نے سب
مے کدہ و قمارگہ اپنا ٹھکانہ کرلیا

نالہ بہ لب شکستہ ایم، داغ بدل نہفتہ ایم
دولتیانِ ممسکیم زر بہ خزانہ کردہ ایم

روکا لبوں پہ نالہ جب، داغ چھپایا دل میں جب
بن کے بخیل ہم نے اک، بند خزانہ کرلیا

تا بچہ مایہ سر کنیم نالہ، بہ عذرِ بے غمی
از نفس آنچہ داشتیم، صرفِ ترانہ کردہ ایم

کیسے ہو لب پہ نالہ اب، جب کہ بہ عذرِ بے غمی
سارا نفس جو ہم میں تھا صرفِ ترانہ کر لیا

خار زجادہ باز چیں، سنگ بہ گوشہ در فگن
از سرِ رہ گرفتنش ترکِ بہانہ کردہ ایم

خار چنو روش سے اب، سنگ ہٹاؤ راہ سے
ملنے کا ہم نے یار سے ترک بہانہ کر لیا

ناخنِ غصہ تیز شد، دل بہ ستیزہ خو گرفت
تا بخود اوفتادہ ایم، از تو کرانہ کردہ ایم

ناخنِ غصہ تیز ہے، خوگرِ غم ہوا ہے دل
اُلجھے ہیں خود سے ایسے ہم، اس سے کرانہ کر لیا

غالبؔ ازآنکہ خیر و شر جز بقضا نبودہ است
کارِ جہاں ز پُر دلی بے خبرانہ کردہ ایم

غالبؔا خیر و شر ہیں سب جبکہ خدا کے ہاتھ میں
کارِ زمانہ ہم نے سب بے خبرانہ کر لیا

نو گرفتارِ تو و دیرینہ آزادِ خودم
وہ چہ خوش بودے کہ بودے ذوقِ بہبادِ خودم

ہے گرفتاری تری اب، تھی جو آزادی مجھے
خوب ہوتا، جو نہ ہوتا، ذوقِ بربادی مجھے

معنیِ بیگانۂ خویشم، تکلف برطرف
چو مہِ نو مصرعِ تاریخِ ایجادِ خودم

معنیِ بے گانہ ہوں ایسا کہ دستِ خلق سے
داد کے بدلے ملی ہے ظلم ایجادی مجھے

جوہرِ اندیشہ، دل خوں گشتنی درکار داشت
غازۂ رخسارۂ حسنِ خدا دادِ خودم

جوہرِ اندیشہ ایسا، دبوے کر کے خونِ دل
غازۂ رخسارۂ حسنِ خدادادی مجھے

از بہارِ رفتہ درسِ رنگ و بو دارم ہنوز
در غمت خاطر فریبِ جانِ ناشادِ خودم

ہے بہارِ رفتہ درسِ رنگ و بو دیتی ابھی
دلربا ہے اس قدر، دیتا ہے غم شادی مجھے

گر فراموشی بفریادم رسد وقت است وقت
رفتہ ام از خویشتن چنداں کہ در یادِ خودم

محویت میں بھی ستاتی یاد ہے اس کی بہت
خود فراموشی بناتی یوں ہے فریادی مجھے

گرمِ استغنا است بامن گرچہ مہوش در دل است
تا نباشد دعویٔ تاثیرِ فریادِ خودم

ہے اسے پروا مگر کرتا تغافل بیش ہے
تا نہ ہو کچھ دعویٔ تاثیرِ فریادی مجھے

تا چہ خونہا خوردہ ام، شرمندہ از روئے دلم
غنچہ آسا پیچشِ طومارِ بیدادِ خودم

خونِ دل پی کر ہوا ہوں دل سے نادم اس قدر
رکھے پیچ و خم میں ہے احساسِ بیدادی مجھے

می دہم دل راز بیدادت فریبِ التفات
سادگی بنگر کہ در دامِ تو صیادِ خودم

دشمنی میں دل کو دیتا ہوں فریبِ دوستی
ہے اسیری میں بھی اتنا پاسِ صیادی مجھے

عالمِ توفیق را غالبؔ سوادِ اعظم
مہرِ حیدر پیشہ دارم، حیدر آبادِ خودم

شہریِ شہرِ خدا غالبؔ ہوں میں توفیق سے
عشقِ حیدر نے کیا ہے حیدر آبادی مجھے

غزلیات فارسی غالب

یاد باد آں روزگاراں کاعتبارے داشتم
آہِ آتش ناک وچشمِ اشکبارے داشتم

عاجزی میں عشق کی ایسا وقار اک ہے مجھے
آہِ آتشناک وچشمِ اشکبار اک ہے مجھے

آفتابِ روزِ رستاخیز یادم می دہد
کاندر آں عالم نظر بر تابسارے داشتم

آفتابِ روزِ محشر دیکھ کر میں نے کہا
یہ ملی کس کی جبینِ تابدار اک ہے مجھے

تاکدامیں جلوہ زآں کافر ادا می خواستم
کز ہجومِ شوق در وصل انتظارے داشتم

جلوۂ کافر ادا کس کا طلب ہے وصل میں
جو ہجومِ شوق میں بھی انتظار اک ہے مجھے

ترکتازِ صرصرِ شوقِ توام از جا ربود
ورنہ باخود پاسِ ناموسِ غبارے داشتم

شوق اس کالے کے جاتا ہے اڑا کے خاک کو
ورنہ اپنا پاسِ ناموسِ غبار اک ہے مجھے

چوں سر آمد پارۂ از عمر، قامت خم گرفت
ایں منم کز خویشتن بر خویش بارے داشتم

کچھ گزرنے بھی نہ پائی، خم ہوئی قامت مری
بن گئی یوں زندگانی اپنی بار اک ہے مجھے

آنم اندر کارِ دل کردم فراغت آں تست
برق پیما نالۂ الماس کارے داشتم

خوف مت کر، کر رہا ہوں صرفِ دل جو بھی ملا
برق پیما نالۂ الماس کار اک ہے مجھے

خوئے تو دانستم اکنوں، بہرِ من زحمت مکش
رام بودم تا دلِ امیدوارے داشتم

بے رخی جتنی بھی کرنی ہے وہ کرلے، کہ نہ اب
دولتِ الفت، دلِ امیدوار اک ہے مجھے

دیگر از خویشم خبر نبود، تکلف برطرف
ایں قدر دانم کہ غالب نام یارے داشتم

بے خودی ہے بیش لیکن جانتا ہوں اس قدر
دیدیا قدرت نے غالب جیسا یار اک ہے مجھے

دیدم آں ہنگامہ بے جا خوفِ محشر داشتم
خود ہماں شور است کاندر زیست درسر داشتم

ہے یہی گر شور تو کیوں خوفِ محشر ہے مجھے
ایسا ہنگامہ تو ہر دم سر کے اندر ہے مجھے

طولِ روزِ حشر و تابِ مہر ذوقے بود و بس
جلوۂ برقے در ابرِ دامنِ تر داشتم

طولِ روزِ حشر و تابِ مہر کیا میرے لئے
برقِ جلوہ جیب درونِ دامنِ تر ہے مجھے

تا چہ سنجم دوزخ و کوثر کہ من نیز ایں چنیں
آتشے در سینہ و آبے لبساغر داشتم

دوزخ و کوثر ہیں کیا، جب بیشتر ان سے کہیں
آتشے در سینہ و آبے لبساغر ہے مجھے

دوش برمن عرض کردند آنچہ در کونین بود
زآں ہمہ کالائے رنگا رنگ دل بر داشتم

دے دیئے سامانِ رنگا رنگِ دو عالم، ولے
سب یہ، ان کو کیا خبر، اک جو سے کمتر ہے مجھے

از خرابی شد فنا حاصل، خوشم زیں اتفاق
بود مقصودم محیط و سیل رہبر داشتم

تھی فنا مقصودِ ہستی، اتفاق ایسا ہوا
شوقِ غرقہ میں ملا اک سیل رہبر ہے مجھے

یاد ایامے کہ در کویش زبیمِ پاسباں
بستر از خاکِ رہ و بالش زبستر داشتم

خوف درباں کا کچھ ایسا ہے کہ کوئے یار میں
بستر از خاکِ رہ و بالش زبستر ہے مجھے

بر سرِ راہش نشستم، بر درش راہم نبود
خویش را از خویشتن لختے نکوتر داشتم

راہ در پر ہے نہ اس کے، راہ میں بیٹھا ہوں میں
اپنے رتبے سے کہیں یہ جگہ بہتر ہے مجھے

نامۂ شاہد دگر، عنوانِ شاہی دیگر است
آنچہ ناید از ہما، چشم از کبوتر داشتم

نامۂ شاہد دگر، پروانۂ شاہی دگر
جو نہیں دیتا ہما دیتا کبوتر ہے مجھے

کور بودم کز حرم راندند، رفتم سوئے دیر
از جمالِ بُت سخن می رفت، باور داشتم

نکلا کعبے سے ہوں میں، جاتا ہوں بت خانے کی سو
بت میں ہے نورِ خدا، یہ بات باور ہے مجھے

سوزم از حرمانِ مے با آنکہ آبم در سبوست
تا چہ می کردم اگر بختِ سکندر داشتم

آبِ حیوانِ لبِ ساقی سے ہوں محروم میں
تُو نے یارب کیا دیا بختِ سکندر ہے مجھے

ہیچ می دانی کہ غالب چوں بسر بردم بدیر
من کہ طبعِ بلبل و شغلِ سمندر داشتم

کس طرح گزرے گی غالب زندگی میری کہ جب
طبعِ بلبل مجھ میں ہے، شغلِ سمندر ہے مجھے

این چہ شورے است کہ از شوقِ تو در سر دارم
دلِ پروانہ و تمکینِ سمندر دارم

کیا قیامت ہے کہ ہے عشقِ ستمگر مجھ کو
دلِ پروانہ و تمکینِ سمندر مجھ کو

آہم از پردۂ دل بے تو شرر می بیزد
شیشہ لبریزِ مے و سینہ پُر آذر دارم

فرقت و عشق کی برکت سے تری، ہیں اے جاں
شیشہ لبریزِ مے و سینہ پُر آذر مجھ کو

اے متاعِ دو جہاں رنگ بہ عرض آوردہ
ہاں صلائے کہ ازیں جملہ دلے بردارم

رنگ و بو کا دیا سامانِ دو عالم لیکن
بخدا سارا یہ اک جو سے ہے کمتر مجھ کو

من و پشتے کہ بخورشیدِ قیامت گرم است
تکیہ بر داوریِ عرصۂ محشر دارم

گرمیِ حشر جہنم سے نہیں کم، پر ہے
تکیہ بر داوریِ عرصۂ محشر مجھ کو

آں چرا در طرب و ایں زچہ رہ در تعب است
خندہ بر غفلتِ درویش و توانگر دارم

دیکھ بے اصلیِ تکلیف و طرب، آتا ہے
خندہ بر غفلتِ درویش و توانگر مجھ کو

کیست تا خار و خس از رہگذرش برچیند
دگر امشب سرِ آرائشِ بستر دارم

خار و خاشاکِ رہِ یار چنو مت کہ ہوئی
آج اک خواہشِ آرائشِ بستر مجھ کو

پرتوِ مہر سیاہی ز گلیمم نبرد
سایہ ام سایہ، شب و روز برابر دارم

دُور ہوتی نہیں خورشید سے تاریکیِ جاں
وائے ظلمت، ہیں شب و روز برابر مجھ کو

سوختت دل بے تو ز وصلم چہ کشاید اکنوں
حسرتت بیشتر و ذوقِ تو کمتر دارم

دل جلا ہجر میں، کیوں وصل کی خواہش ہو، جب
بیشتر آرزو اور ذوق ہے کمتر مجھ کو

کہنہ تاریخیِ داغم، نفسم شعلہ وراست
شرحِ کشافِ صد آتش کدہ از بر دارم

ہم ز شادابیِ نازِ تو بخود می بالم
ریشہ در آبِ ز تارِ دمِ خنجر دارم

راز دارِ تو و بدنامِ کنِ گردشِ چرخ
ہم سپاس از تو و ہم شکوہ ز اختر دارم

مرحبا سوہنِ و جاں بخشیِ آبش غالبؔ
خندہ بر گمرہیِ خضر و سکندر دارم

داغِ الفت کا مورخ ہوں میں ایسا کہ ہوئی
شرحِ کشافِ صد آتش کدہ از بر مجھ کو

آرزو قتل کی ہے ایسی کہ قاتل تیرا
رکھتا شاداب ہے آبِ دمِ خنجر مجھ کو

پتّا ہلتا نہیں بن تیری رضا کے کوئی
رہتا پھر بھی ہے بہت شکوۂ اختر مجھ کو

چشمۂ عشق کی جاں بخشی سے غالبؔ آیا
خندہ بر گمرہیِ خضر و سکندر مجھ کو

شب ہائے غم کہ چہرہ بخوناب شستہ ایم
از دیدہ نقشِ وسوسۂ خواب شستہ ایم

شب ہائے غم کہ چہرہ بخوناب دھو لیا
آنکھوں سے نقشِ وسوسۂ خواب دھولیا

افسونِ گریہ برد ز خوبیت عتاب را
از شعلۂ تو دُود بہ ہفت آب شستہ ایم

رو رو کے کم کیا تری خوئے عتاب کو
شعلے کا تیرے دُود بہ ہفت آب دھو لیا

زاہد خوش است صحبت، از آلودگی مترس
کایں خرقہ بارہا ز مئے ناب شستہ ایم

دامن ہے اس لئے مرا تر شیخ کیوں کہ یہ
مکر و فریب سے بہ مئے ناب دھولیا

اے در عتاب رفتہ ز بیرنگیِ سرشک
غافل کہ امشب از مژہ خوناب شستہ ایم

بیرنگیِ سرشک ہوئی یوں کہ سن خبر
آمد کی تیری، آنکھ سے خوناب دھولیا

پیمانہ را ز بادہ بخوں پاک کردہ ایم
کاشانہ را ز رخت بہ سیلاب شستہ ایم

دیوانگی ہے ایسی کہ حسرت میں وصل کی
ساغر بہ خون، خانہ بہ سیلاب دھولیا

غرقِ محیطِ وحدتِ صرفیم و در نظر
از روئے بحر موجہ و گرداب شستہ ایم

غرقِ محیطِ وحدتِ موجود یوں ہوئے
قلزم کے رخ سے موجہ و گرداب دھولیا

بے دست و پا بہ بحرِ توکّل فتادہ ایم
از خویش گردِ زحمتِ اسباب شستہ ایم

بے پا و دست گر کے توکّل کے بحر میں
دل سے غبارِ زحمتِ اسباب دھولیا

غالب رسیدہ ایم بہ کلکتہ و بہ مے
از سینہ داغِ دُوریِ احباب شستہ ایم

غالب تھی ایسی غربتِ کلکتہ، پی کے مے
سینے سے داغِ دُوریِ احباب دھولیا

بے خویشتن عنانِ نگاہش گرفتہ ایم
از خود گذشتہ و سرِ راہش گرفتہ ایم

بے خود ہوئے تو نورِ نگاہ ایک مل گیا
جس کی طلب تھی وہ سرِ راہ ایک مل گیا

دل با حریف ساختہ و ما بہ سادگی
بر مدعائے خویش گواہش گرفتہ ایم

تھی سادگی، رقیب بنایا تھا رازداں
سوچا تھا ہم کو اچھا گواہ ایک مل گیا.

آوارگی سپردہ بما قہرمانِ شوق
ما ہمتے زگردِ سپاہش گرفتہ ایم

سالار اپنا جب سے بنا شوق عشق میں
ہمت فزا غبارِ سپاہ ایک مل گیا

از چشمِ ما خیالِ تو بیروں نمی رود
گوئی بدامِ تارِ نگاہش گرفتہ ایم

یوں ہے ترا خیال مرے دل میں جاگزیں
نخچیرِ دامِ تارِ نگاہ ایک مل گیا

در ہر نوردش از دلِ اغیار محضرے است
صد خردہ بر دو زلفِ سیاہش گرفتہ ایم

کی نکتہ چینیِ خمِ گیسو، دلِ عدو
جب بھی اسیرِ زلفِ سیاہ ایک مل گیا

در عرضِ شوق صرفہ نبردیم در وصال
در شکوہ ہائے خواہ مخواہش گرفتہ ایم

کی عرضِ شوق وصل میں تو ہجر کے لئے
اس کو بہانہ خواہ مخواہ ایک مل گیا

با حسنِ خویش را چہ قدر میتواں شکست
عبرت ز حالِ طرفِ کلاہش گرفتہ ایم

مانگے شکستِ حسن ہے، یہ مجھ کو دیکھ کر
نکتہ، بحالِ طرفِ کلاہ ایک مل گیا

دیگر ز دامِ ذوقِ تماشا نمی رود
در حلقۂ کشاکشِ آہش گرفتہ ایم

آیا ہے دامِ ذوقِ تماشا ہیں، گھر اسے
در حلقۂ کشاکشِ آہ ایک مل گیا

دل تنگیِ پری رخِ کنعاں ز رشکِ دوست
داتیم ماکہ دربنِ چاہش گرفتہ ایم

جب تابِ حسنِ یار کی یوسف نہ لا سکا
چھپنے کے واسطے اسے چاہ ایک مل گیا

حرفے مزن زغالب و رنجِ گرانِ او
کوہے معارضِ پرِ کاہش گرفتہ ایم

کنجِ قفس میں چین ہے غالب کو اس لئے
کہسارِ غم میں غارِ پناہ ایک مل گیا

تا فصلے از حقیقتِ اشیا نوشتہ ایم
آفاق را مرادفِ عنقا نوشتہ ایم

جب قصۂ حقیقتِ اشیا لکھا دیا
آفاق کو مرادفِ عنقا لکھا دیا

ایماں بہ غیب تفرقہ ہا رُفت از ضمیر
ز اسما گزشتہ ایم و مسمّیٰ نوشتہ ایم

تجھ بن نہیں کچھ اور، ورق پر وجود کے
کہنے کو تُو نے نام ہر اک کا لکھا دیا

عنوانِ راز نامۂ اندوہ سادہ بود
سطرِ شکستِ رنگ بہ سیما نوشتہ ایم

عنوانِ راز نامۂ غم دل میں تھا چھپا
جب رنگ اڑا تو اس کو بہ سیما لکھا دیا

خاکے بروئے نامہ نیفشاندہ ایم ما
رخصت بداں حریفِ خود آرا نوشتہ ایم

خط الٹا سیدھا اس کا پڑھا جب تو آخراً
استعفا اک بنامِ خود آرا لکھا دیا

در ہیچ نسخہ معنیِ لفظِ امید نیست
فرہنگ نامہ ہائے تمنّا نوشتہ ایم

لکھنا تھا اس کو حالِ دلِ ناامید، پر
بے معنی ایک حرفِ تمنّا لکھا دیا

آئندہ و گذشتہ تمنّا و حسرت است
یک "کاشکے" بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

دل میں رہیں ہمارے تمنّائیں، حسرتیں
اک لفظ "کاشکے" تھا جو ہر جا لکھا دیا

رنگِ شکستہ عرضِ سپاسِ بلائے تست
پنہاں سپردہ غم و پیدا نوشتہ ایم

پنہاں تھا غم، اڑایا مگر رنگ اس طرح
چہرے پہ کر کے اس کو ہویدا لکھا دیا

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بہ خونِ دل
قانونِ باغبانیِ صحرا نوشتہ ایم

کانٹوں کو خونِ دل کا دیا رنگ ہم نے جب
قانونِ باغبانیِ صحرا لکھا دیا

کویت ز نقشِ جبہۂ ما یک قلم پُر است
لختے سپاسِ ہمدمیِ پا نوشتہ ایم

رکھ ہر قدم پہ نقشِ جبیں کوئے یار میں
ہم نے سپاسِ ہمدمیِ پا لکھا دیا

غالب الف ہماں علَمِ وحدتِ خود است
بر لاچہ بر فزود گر الا نوشتہ ایم

غالب الف ہے خود علَمِ وحدتِ الہٰ
کیا فرق "لا" اگر لکھا، "الا" لکھا دیا

صبح است خیز تا نفسے در ہم افگنم
از نالہ لرزہ در فلکِ اعظم افگنم

جب سے ملا مجھے نفسِ گرم ایک ہے
لرزاتی آہِ دل فلکِ اعظم ایک ہے

بامن ز سرکشی نرود راست، لاجرم
دل را بہ طرہ ہائے خم اندر خم افگنم

دل ناز سرکشی پہ جو کرتا تھا اس قدر
وہ بھی اسیرِ زلفِ خم اندر خم ایک ہے

بہتر ہمی پرد ز ملک، بہر کسرِ نفس
خود را بہ بندِ سلسلۂ آدم افگنم

پرواز میری عرشِ بریں تک تھی، پر مجھے
لایا بہ خاکداں گنہِ آدم ایک ہے

پرسد بہ ذوقِ گرم روی ہا و خامشم
دوزخ کجاست تا برہِ ہمدم افگنم

پوچھے ہے گرم رَو ہوں میں کیوں، کس طرح کہوں
دوزخ ہے راہِ عشق، مرے ہمدم ایک ہے

خواہم ز شرحِ لذّتِ بیدادِ پردہ دار
خونابۂ حسد بہ دلِ محرم افگنم

تشریح سن کے لذّتِ بیدادِ یار کی
خونابۂ حسد بہ دلِ محرم ایک ہے

خوشنودم از تو وز پئے دُور باشِ خلق
آوازۂ جفائے تو در عالم افگنم

رکھنے کو دُور خلق، جفا کا تری کیا
ہم نے مبالغے سے بیاں عالم ایک ہے

دوزند گر بہ فرض زمیں را بہ آسماں
حاشاکزیں فشار در ابرو خم افگنم

ٹوٹا ہے آسمان مرے سر پہ گر کبھی
ابرو پہ کچھ ذرا بھی نہ آیا خم ایک ہے

سلطانیِ قلم روئے عنقا بمن رسید
کو نقشِ ناپدید کہ بر خاتم افگنم

سلطانیِ ولایتِ عنقا ملی مجھے
اور نقشِ ناپدید بھی بر خاتم ایک ہے

غالب ز کلکِ تست کہ یابم ہمی بہ دہر
مشکے کہ بر جراحتِ بندِ غم افگنم

غالب ترے قلم سے ٹپکتا ہے مشک جو
جا ہے اسے جراحتِ بندِ غم ایک ہے

گم گشتہ بکوئے تو نہ دل بلکہ خبر ہم
درلرزہ زخوئے تو نہ دم بلکہ اثر ہم

گم گشتہ بکوئے تو نہ دل بلکہ خبر بھی
درلرزہ زخوئے تو نہ دم بلکہ اثر بھی

یارب چہ بلائے کہ دمِ عرضِ تمنّا
اجزائے نفس می خزد از بیم تو در ہم

یہ کیسی بلا ہے کہ دمِ عرضِ تمنّا
منشور ہیں اجزائے نفس، لختِ جگر بھی

درآئینہ باخویش طرف گشتہ امروز
ہاں تیغ نگہدار بینداز سپر ہم

وہ دیکھ کے آئینہ یوں خود اپنے سے ہارا
بے کار ہے شمشیر، ہے بے سود سپر بھی

دیدیم کہ مئے مستیِ اسرار ندارد
رفتیم و بہ پیمانہ فشردیم جگر ہم

بادہ میں ملی جب نہ ہمیں مستیِ عرفاں
پیمانے میں دل اپنا نچوڑا ہے، جگر بھی

اے نالہ، نہ تنہا شبِ غم گردِ رہ تست
شبگیرِ ترا مشعلہ دار است سحر ہم

اے نالہ، نہ تنہا ہے شبِ غم میں سیاہی
ہے آخرِ شب مشعلِ شب ایک سحر بھی

باگرمیِ داغِ دلِ ما چارہ زبوں است
پروانہ این شمع بود پنبۂ مرہم

ہے گرمیِ داغِ دلِ عاشق کا نہ چارہ
مرہم بھی جلا، راکھ میں ملتا ہے اثر بھی

تا حسن بہ بے پردگیِ جلوہ صلا داد
دیدیم کہ تارے ز نقاب است نظر ہم

بے پردگیِ حسن سے جل جاتی ہیں آنکھیں
بن جاتی ہے اک تارِ نقاب اور نظر بھی

چون است کہ در عرصۂ دہر اہل دلے نیست
در بحر کف و موج و حباب است گہر ہم

دل والے نہ دنیا میں ہیں کیوں، بحر میں جب ہیں
با موج و کف و جوش بہت دُر و گہر بھی

اسکندر و سر چشمۂ آبے کہ زلال است
ما و لبِ لعلے کہ شراب است و شکر ہم

تھی جستجوئے آبِ خضر جانِ سکندر
ہم کو لبِ لعلیں ہیں شراب اور شکر بھی

تنہا نہ من از شوقِ تو در خاک تپانم
نشتر بہ رگِ سنگِ مزار است شرر ہم

میں ہی نہیں مضطر ہوں ترے شوق میں، ہے اور
نشتر بہ رگِ سنگِ مزار ایک شرر بھی

آں خانہ بر انداز بدل پردہ نشین است
اے دیدہ تو نامحرمی و حلقۂ در ہم

وہ خانہ برانداز بہ دل پردہ نشیں ہے
گو آنکھ مری اس کا ہے گھر، حلقۂ در بھی

تا بندِ نقابِ کہ کشود است کہ غالب
رخسارہ بہ ناخن صلہ دادیم و جگر ہم

ناخن سے ہے جس، بندِ نقاب اس کا کشودہ
غالب ہے مرا اس پہ فدا دل بھی، جگر بھی

جلوۂ معنی، بہ جیبِ وہم پنہاں کردہ ایم
یوسفے در چاہ سوئے دہر نقصاں کردہ ایم

جلوۂ معنی بہ جیبِ وہم پنہاں کر دیا
قید ہم نے چاہ میں یوسف بہ کنعاں کر دیا

پشت بر کوہ ہست طاقت، تکیہ تا بر رحمت است
کار دشوار است و ما بر خویش آساں کردہ ایم

لے کے رحمت کا سہارا، پشت پناہی بہ حق
کام جو دشوار تھا اک، ہم نے آساں کر دیا

رنگ ہا چوں شد فراہم مصرفے دیگر نداشت
خُلد را نقش و نگارِ طاقِ نسیاں کردہ ایم

رنگ تھے گرچہ بہت، مصرف نہ آیا جب نظر
خُلد کو نقش و نگارِ طاقِ نسیاں کر دیا

نالہ را از شعلہ آئینِ چراغاں بستہ ایم
گریہ را از جوشِ خوں تسبیحِ مرجاں کردہ ایم

چشمِ شعلہ بار سے شب میں چراغاں ہو گیا
گریہ جوشِ خوں سے اپنا سبحۂ مرجاں کر دیا

از شررِ گل در گریبانِ نشاط افگندہ اند
خندہ ہا بر فرصتِ عشرت پرستاں کردہ ایم

غم کے پھولوں سے سجایا جب گریبانِ نشاط
خندہ ہا بر فرصتِ عشرت پرستاں کر دیا

مے گساراں قحط و ما بے صبر، عشرت مفتِ کیست
بادۂ ما تا کہن گر دید ارزاں کردہ ایم

مے گساروں کا ہوا تھا قحط، ہم بے صبر تھے
بادہ جتنا تھا کہن، اتنا ہی ارزاں کر دیا

زاہد از ما خوشۂ تا کے بچشمِ کم مبیں
ہے، نمیدانی کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم

خوشۂ انگور زاہد اتنا بے مایہ نہیں
دیکھ اک ساغر کا کیسا ہم نے نقصاں کر دیا

رازِ ما از پردۂ چاکِ گریباں باز جوی
نامۂ شوقِ تو باز از طرفِ عنواں کردہ ایم

رازِ عاشق جس طرح چاکِ گریباں سے کھلے
نامۂ الفت کا یوں عنواں پریشاں کر دیا

حیف باشد خارہا در راہِ مہماں ریختن
باخیالش شکوہ از بیدادِ مژگاں کردہ ایم

راہ میں کانٹے بچھائے عشق کی ہم نے بہت
جب بیاں وہ قصۂ بیدادِ مژگاں کر دیا

حق شناسِ صحبتِ بے تابیٔ پروانہ ایم
گرچہ مشقِ نالہ با مرغِ سحر خواں کردہ ایم

شب میں تھی بے تابیٔ پروانہ ہم کو صبحدم
گریہ اپنا نالۂ مرغِ سحر خواں کر دیا

می دہد چشمش بیک پیمانہ ہر مے خوار را
عشوۂ ساقی بہ کارِ کفر و ایماں کردہ ایم

دے کے چشمِ مست کا پیمانہ ہر مے خوار کو
ہیچ سب ساقی نے فرقِ کفر و ایماں کر دیا

غالب از جوشِ دمِ ما تربتش گل پوش باد
پردۂ سازِ ظہوری را گل افشاں کردہ ایم

کہہ کے دو اک شعر غالب تو نے اس کی طرز میں
پردۂ سازِ ظہوری کو گل افشاں کر دیا

بودِ بدگو سادہ باخود ہمزبانش کردہ ام
از وفا آزردنت خاطرنشانش کردہ ام

نفرتِ الفت کا تیری جب بیاں ہم نے کیا
دشمنِ بدگو کو تجھ سے بدگماں ہم نے کیا

برامیدِ آں کہ اختر درگذر باشد مگر
ہرزہ می گویم کہ باخود مہربانش کردہ ام

سب سے کہہ کہہ کر کہ تو اب ہوگیا ہے مہرباں
اپنی قسمت کا ستارہ مہرباں ہم نے کیا

گوشۂ چشمش بہ بزمِ دلربایاں بامن است
وقتِ من خوش باد، باخود بدگمانش کردہ ام

ظاہری بے التفاتی سے ہوا وہ ملتفت
اپنا مسکن جب بھی بزمِ دلبراں ہم نے کیا

دل بجوشِ گریہ گربرخویشتن بالد رواست
قطرۂ بود است و بحرِ بیکرانش کردہ ام

جوشِ گریہ پر ہمیں دل کے نہیں کیوں ناز ہو
ایک قطرہ تھا جو بحرِ بیکراں، ہم نے کیا

درحقیقت نالۂ از مغزِ جاں روئیدہ است
کز برائے عذرِ بے تابی زبانش کردہ ام

نالہ جو ابھرا تھا مغزِ جان سے اپنے، اسے
اک، برائے عذرِ بے تابی، زباں ہم نے کیا

بدگمان و نکتہ چین و عیب جویش دیدہ ام
امتحانے چند صرفِ امتحانش کردہ ام

بدگمان و نکتہ چین و عیب جو پایا اسے
امتحاں کا جب بھی اس کے امتحاں ہم نے کیا

درتلاشِ منصبِ گل چینی ام دارد ہنوز
آنکہ ساقی را بہ مستی باغبانش کردہ ام

مست ہوگا وہ تو گل چینی کریں گے حسن کی
اس لئے ساقی کو اس کا باغباں ہم نے کیا

جوہرِ ہر ذرّہ از خاکم شہیدِ شیوہ ایست
وائے من کز خود شمارِ کُشتگانش کردہ ام

ہیں شہیدِ ناز ہم لیکن نہ مانا وہ کبھی
خود کو جب اندر شمارِ کُشتگاں ہم نے کیا

تا نیارد خوردہَ بدمستیِ دوشم گرفت
بوسہ را در گفتگو مُہرِ دہانش کردہ ام

نکتہ چینی کر سکے تا وہ نہ مستی پر مری
بوسہ لب کو دے کے اک مُہرِ دہاں ہم نے کیا

در طلب دارم تقاضائے کہ گوئیَ در خیال
بوسہ تحویلِ لبِ شکر فشانش کردہ ام

دل کو تھی ایسی طلب کر کے تصوّر یار کا
بوسہ تحویلِ لبِ شکر فشاں ہم نے کیا

غالؔب از من شیوہَ نطقِ ظہوؔری زندہ گشت
از نوا جاں در تنِ سازِ بیانش کردہ ام

شیوہَ نطقِ ظہوؔری ہم سے پھر زندہ ہوا
اس کا غالؔب خوش نوا سازِ بیاں ہم نے کیا

می ربایم بوسہ و عرضِ ندامت میکنم
اختراعے چند در آدابِ صحبت میکنم

بوسہ لیں چپکے سے اور عرضِ ندامت ہم کریں
اختراع یوں ایک در آدابِ صحبت ہم کریں

ناتوانم بر نتابم صدمہ لیک از فرطِ آز
تا در آویزد بمن اظہارِ طاقت میکنم

تابِ غم ہے کچھ نہ، پر تجھ سے اُلجھنے کے لئے
باوجودِ لاغری اظہارِ طاقت ہم کریں

گوئی از دشواریِ غم اندکے دانستہ است
می کُشد بے جرم و می داند مروت میکنم

غم میں لاغر دیکھ کر کرتا تقاضا ہے کہ ہم
قتل ہو جائیں خموشی سے، مروت ہم کریں

در تپش ہر ذرہ از خاکم سویدائے دل است
ہر چہ از من رفت، ہم بر خویش قسمت میکنم

ہے دلِ مضطر ہر اک ذرہ ہماری خاک کا
خاک میں مل کر بھی ہر دم تیری حاجت ہم کریں

غافلم زاں پیچ و تابِ غصّہ کز غم در دل است
دل شگاف آہے بامیدِ فراغت میکنم

پیچ و تابِ رنج سے غافل ہیں ایسے روز و شب
گریہ و زاری بہ اُمیدِ فراغت ہم کریں

سنگ و خشت از مسجدِ ویرانہ می آرم بہ شہر
خانہ در کوئے ترسایاں عمارت میکنم

سنگ و خشتِ مسجدِ ویرانہ آتے ہیں لئے
کوئے ترسایاں میں تا اک گھر عمارت ہم کریں

کردہ ام ایمانِ خود را دست مزدِ خویشتن
می تراشم پیکر از سنگ و عبادت میکنم

دست مزدوری ہماری بن گئی ہے اصلِ دیں
بت بنائیں ہاتھ سے، دل سے عبادت ہم کریں

چشمِ بد دُور، التفاتے در خیال آوردہ ام
ہر چہ دشمن می کند با دوست نسبت میکنم

التفاتِ یار کا دل میں تصوّر ہے نیا
کرتا جو کچھ ہے عدو، با یار نسبت ہم کریں

دست گاہِ گل فشانی ہائے رحمت دیدہ ام
خندہ بر بے برگیِ توفیقِ طاعت میکنم

دست گاہِ گل فشانی ہائے رحمت دیکھ کر
خندہ بر بے برگیِ توفیقِ طاعت ہم کریں

زنگِ غم ز آئینۂ دل جز بہ مے نتواں زدود
دردم از دہر است و با ساقی شکایت میکنم

زنگِ غم آئینۂ دل سے نہ جز مے چھٹ سکے
دیتا غم ہے چرخ، ساقی سے شکایت ہم کریں

غالبم غالبؔ، ہم آئیں برنتابم در سخن
بزم برہم می زنم چنداں کہ خلوت میکنم

نادرہ گفتار غالبؔ ہو گیا خلوت نشیں
اس بِن اب رنگین کیسے بزمِ عشرت ہم کریں

صبح شد، خیز که رُودادِ اثر بنمایم
چهرہ آغشتہ بہ خونابِ جگر بنمایم

اُٹھ کہ تجھ کو شبِ ہجراں کا اثر دکھلاؤں
چہرہ آلودۂ خونابِ جگر دکھلاؤں

پنبہ یک سو نہم از داغ کہ رخشد چوں روز
آخرے نیست شبم را کہ سحر بنمایم

پنبہ مرہم کا ہٹاؤں میں رخِ داغ سے جب
شب کی ظلمت میں تجھے ایک سحر دکھلاؤں

خویشتن را دگر از گریہ نگہداشت بہ زور
جگرِ خستہ خود آں بہ کہ دگر بنمایم

خوُن کے آنسو بہانے کی اجازت نہیں جب
داغِ دل کو میں بہ اندازِ دگر دکھلاؤں

حدِ من نیست کہ بنمانمش آرے از دُور
بامن آ تا سرِ آں راہگذر بنمایم

کہنا رُودادِ رہِ عشق ہے مشکل لیکن
آ، تجھے دُور سے یہ راہگزر دکھلاؤں

می کند ناز، گماں کردہ کہ خط دیر دمد
خیز تا شعبدۂ جذبِ نظر بنمایم

ناز ہے تجھ کو کہ چہرے پہ نہیں خط نیرے
آ تجھے شعبدۂ جذبِ نظر دکھلاؤں

آتشِ افروختہ و خلق بہ حیرت نگراں
رخصتے دہ کہ بہ ہنگامہ ہنر بنمایم

آتشِ حسن تری دُور سے دیکھیں ہیں جو
بن کے پروانہ انہیں اپنا ہنر دکھلاؤں

چوں بہ محشر اثرِ سجدہ ز سیما جویند
داغِ سودائے تو ناچار ز سر بنمایم

مانگتے ہیں اثرِ سجدہ جبیں پر جو، انہیں
داغِ سودائے ہوس اندرِ سر دکھلاؤں

دلربایانہ بہ زنداں ہمہ روزم گزرد
بسکہ خود را بتو از روزنِ در بنمایم

دلربایانہ میں زنداں میں ہوں رہتا کہ کبھی
حال اپنا تجھے از روزنِ در دکھلاؤں

غالبؔ ایں لعب بہ گِل مُہرہ رضاجوئِ تست
تو خریدارِ گہر باش گہر بنمایم

جیب خر مہروں سے ہی پُر نہیں غالبؔ میری
تو خریدار اگر ہو تو گہر دکھلاؤں

تا بہ کے صرفِ رضا جوئیِ دلہا باشم
فرصتم باد کزیں پس ہمہ خود را باشم

کیوں مرا کام رضا جوئیِ دنیا ہووے
کیوں نہ تھوڑا سا مجھے فکر بھی اپنا ہووے

گاہ گاہ از نظرم مست و غزل خواں بگذر
ورنہ بر عہدۂ من نیست کہ رسوا باشم

تُو بھی سرمست ہو، رقصاں ہو، غزل خواں ہو کبھی
تیرا شیدا ہی کیوں ہو ایک، جو رسوا ہووے

سخت جانانِ تو در پاسِ غمِ استادِ خود اند
شرر از من نہ جہد گر رگِ خارا باشم

سخت جاں گر ترے ہیں چپ، ہے انہیں پاسِ وفا
خوں فشاں ورنہ تو غم میں رگِ خارا ہووے

با دلِ چوں تو ستم پیشۂ داور نشناس
چہ کنم گر ہمہ اندیشۂ فردا باشم

کیا کہیں ایسے ستم پیشہ صنم سے کہ جسے
فکرِ پاداش نہ اندیشۂ فردا ہووے

حسرتِ روئے ترا حور تلافی نہ کند
از تو آخر بہ چہ امید شکیبا باشم

کر سکے حور تلافی نہ ترے حُسن کی جب
کون امید پہ پھر دل کو شکیبا ہووے

ہوش بر کارکشائے ورقِ بے خبری است
گم شوم از خود و در نقشِ تو پیدا باشم

ہوش ہے نقش و نگارِ ورقِ بے خبری
حق میں جو غرق نہ ہووے، وہ نہ پیدا ہووے

باچنیں طاقتم آیا کہ بریں داشت کہ من	تابِ غم جس میں نہ ہو وہ دلِ لاغر کیسے
طرفِ فتنۂ دلہائے توانا باشم	قابلِ فتنۂ دلہائے توانا ہووے
در کنارم خزو ز آلائشِ دامن مہراس	پاس آجا، مری آلائشِ دامن سے نہ ڈر
تابِ آں کو کہ ترا با ہم و خود را باشم	قرب جس کو ہو ترا، پاک وہ تجھ سا ہووے
ہم چو آں قطرہ کہ بر خاک فشاند ساقی	وقعت اس کی نہیں ہوتی ہے دلِ رند میں کچھ
دُورم از کنجِ لبت گر ہمہ صہبا باشم	دُور کنجِ لبِ ساقی سے جو صہبا ہووے
قبلۂ گم شدگانِ رہِ شوقم غالب	رہبرِ گم شدگانِ رہِ الفت جب ہے
لاجرم منصبِ من نیست کہ یکجا باشم	تیرا منصب نہیں غالب کہ تو یکجا ہووے

دگر نگاہِ ترا مستِ ناز می خواہم
حسابِ فتنہ ز ایام باز می خواہم

گر ہم پہ اک نگہِ مستِ ناز ہو جائے
تو کم غمِ فلکِ فتنہ ساز ہو جائے

گذشتم از گلہ در وصل، فرصتم بادا
زبانِ کوتہ و دستِ دراز می خواہم

گلہ کو چھوڑ، ہے خواہش کہ وصل میں اب کے
زبانِ کوتہ و دستِ دراز ہو جائے

گرفتہ خاطر از اسباب و سرخوشی باقی است
ترانہٴ کہ نگنجد بہ ساز می خواہم

ہیں دل گرفتہٴ اسباب، چاہیئے ہم کو
ترانہ، ساز سے جو بے نیاز ہو جائے

دوئی نہ ماندہ و من شکوہ سنج، اینت شگفت
میانہٴ تو و خویش امتیاز می خواہم

یگانگی کی ہوس ہے تو فکر یہ بھی ہے
کہ ہم میں تم میں نہ کم امتیاز ہو جائے

بروں میا، کہ ہم از منظرِ کنارہٴ بام
نظارہٴ ز درِ نیم باز می خواہم

نہ دل پذیر کوئی اس سے بیش ہے منظر
نظارہ جو بہ درِ نیم باز ہو جائے

چو نیست گوشِ حریفاں سزائے آویزہ
ہماں نہ سُفتہ گہر ہائے راز می خواہم

ہزار شوق سے لوگوں کو دیں اگر اُن کو
ذرا تمیزِ گہر ہائے راز ہو جائے

زمانہ خاکِ مرا در نظر نمی آرد
ز نقشِ پائے تو اش سرفراز می خواہم

جو لوگ روندتے ہیں خاک پاؤں سے میری
پڑے جو پاؤں ترا، سرفراز ہو جائے

ہمیں بس است کہ میرم ز رشکِ خواہشِ غیر
ز عرضِ نازِ ترا بے نیاز می خواہم

مروں ہوں دیکھ کے میں ناز پروریِ عدو
تُو کاش ناز سے بھی بے نیاز ہو جائے

وکیلِ غالبِ خونیں دلم، سفارشش نیست
بہ شکوہٴ تو زباں را مجاز می خواہم

وکیلِ غالبِ خونیں جگر ہوں، خواہش ہے
کہ بہرِ شکوہ زباں کو جواز ہو جائے

زمن حذر نہ کنی گر لباسِ دیں دارم
نہفتہ کافرم و بت در آستیں دارم

عمامہ سر پہ ہے، تن پر لباسِ دین بھی ہے
بت ایک رکھا چھپا اندر آستین بھی ہے

زمردیں نبود خاتمِ گدا، دریاب
کہ خود چہ زہر بود کاں تہِ نگیں دارم

نہ صرف ایک زمرد ہے میری خاتم میں
چھپا کے زہر رکھا کچھ تہِ نگین بھی ہے

اگر بہ طالعِ من سوخت خرمنم چہ عجب
عجب زقسمتِ یک شہر خوشہ چیں دارم

جلا دیا مرا خرمن اگر مقدّر نے
تو شہر سارا بنا میرا خوشہ چین بھی ہے

نشستہ ام بگدائی بہ شاہراہ ہنوز
ہزار دُزد بہر گوشہ در کمیں دارم

چلا ہوں راہ پہ ایسی، قدم قدم پہ جہاں
قفس بھی، دام بھی، صیاد بھی، کمین بھی ہے

زوعدہ دوزخیاں را فزوں نیاز ارند
توقعے عجب از آہِ آتشیں دارم

لے اس کو میری سزا کے حساب میں یا رب
جلاتی کچھ نہیں کم آہِ آتشین بھی ہے

ترا نگفتم اگر جان و عمر معذورم
کہ من وفائے تو با خویشتن یقیں دارم

اُمید کرتا وفا کی ہے جب کبھی اس سے
کرے ہے شک بھی مرا دل، کرے یقین بھی ہے

بہ مطلعم بود آہنگِ زلہ بندیِ مدح
ز قحطِ ذوقِ غزل خویش را بریں دارم

میں شہ کی مدح میں کہتا ہوں اک غزل ایسی
نکلتی دل سے بھی ہے، ہوتی دل نشین بھی ہے

علیِ عالیِ اعلیٰ کہ در طوافِ درش
خرام بر فلک و پائے بر زمیں دارم

علیِ عالیِ اعلیٰ طواف میں تیرے
لگاتا دَور فلک، گھومتی زمین بھی ہے

از آنچہ برلبِ او رفتہ در شفاعتِ من
فسانۂ بہ لبِ جوئے انگبیں دارم

بہ دشمناں بہ خلاف و بہ دوستاں ز حسد
بحکمِ مہرِ تو با روزگار کیں دارم

بہ کوثر از تو کرا ظرف بیش، قسمت بیش
بہ بادہ خوئے کنم عقلِ دُور بیں دارم

جوابِ خواجہ نظیریؔ نوشتہ ام غالبؔ
"خطا نمودہ ام و چشمِ آفریں دارم"

یوں آتا حرفِ شفاعت لبوں پہ ہے تیرے
کہ ہوتی اس سے خجل جوئے انگبین بھی ہے

ہجومِ عشق ترا دیکھ کر مرے دل میں
حسد کرے ہے عدو، کرتا دوست کین بھی ہے

بنا ہوں رند اگر میں، تو ساقیِ کوثر
کچھ اس میں شائبۂ عقلِ دُور بین بھی ہے

یہ کیا جوابِ نظیریؔ ہے، جو تجھے غالبؔ
"خطا کا شوق بھی، اُمیدِ آفرین بھی ہے"

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بہ گردشِ رطلِ گراں بگردانیم

تو آ کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بہ گردشِ رطلِ گراں بگردانیم

بہ گوشۂ بنشینیم و در فراز کنیم
بہ کوچہ برسرِ رہ پاسباں بگردانیم

لگیں گلے سے، مقفل کریں شبستاں کو
بہ کوچۂ برسرِ رہ پاسباں بگردانیم

اگر ز شحنہ بود گیر و دار ننیشیم
وگر ز شاہ رسد ارمغاں بگردانیم

جو شحنہ آئے پکڑنے کو، ڈر نہ ہم کو ہو
وہ لائے شہ کا بھی گر ارمغاں بگردانیم

اگر کلیم شود ہمزباں، سخن نہ کنیم
وگر خلیل شود میہماں بگردانیم

اگر کلیم بھی ہو ہمزباں، نہ بات کریں
وگر خلیل بھی ہو میہماں بگردانیم

گل افگنیم و گلابے بہ رہگذر پاشیم
مے آوریم و قدح درمیاں بگردانیم

گلاب چھڑکیں، بکھیریں گُل و سمن ہر سُو
شراب لا کے قدح درمیاں بگردانیم

ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم
بہ کاروبار زنِ کارداں بگردانیم

ندیم و مطرب و ساقی کو خیرباد کہیں
بہ کاروبار زنِ کارداں بگردانیم

گہے بہ لابہ سخن با ادا بیامیزیم
گہے بہ بوسہ زباں در دہاں بگردانیم

گہے بہ لابہ، سخن با ادا ملا دیویں
گہے بہ بوسہ، زباں در دہاں بگردانیم

نہیم شرم بہ یکسو و باہم آویزیم
بہ شوخیٔ کہ رخِ اختراں بگردانیم

لپٹ کے بایک و دیگر، الٹ پلٹ کے ہم
کریں وہ شوخی، رخِ اختراں بگردانیم

زجوشِ سینہ سحر را نفس فرو بندیم
بلائے گرمیِ روز از جہاں بگردانیم

بہ جنگ باج ستانانِ شاخساری را
تہی سبد ز درِ گلستاں بگردانیم

بہ صلح بال فشانانِ صبحگاہی را
ز شاخسار سوئے آشیاں بگردانیم

ز حیدریم من و تو، زما عجب نبود
گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

بمن وصالِ تو باور نمی کند غالب
بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

زجوشِ سینہ سحر کے نفس کو روکیں ہم
بلائے گرمیِ روز از جہاں بگردانیم

بہ جنگ، باج ستانانِ شاخساری کو
تہی سبد ز درِ گلستاں بگردانیم

بہ صلح، بال فشانانِ صبحگاہی کو
زشاخسار سوئے آشیاں بگردانیم

ہیں عاشقانِ علی، ہم سے کچھ بعید نہیں
گر آفتاب سوئے خاوراں بگردانیم

ترے وصال سے مایوس ہے بہت غالب
تو آ کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم

رفت بر ما آنچہ خود ما خواستیم
وا بہ از سلطاں بہ غوغا خواستیم

وہ ہی ملنا ہے جو ملنا چاہیے
چاہیں جتنا بھی کہ ہونا چاہیے

دیگراں شستند رختِ خویش و ما
تریِ دامن ز دریا خواستیم

دھوتے جاکر لوگ ہیں لیکن ہمیں
تریِ دامن ز دریا چاہیے

دانش و گنجینہ پنداری یکے است
حق نہاں داد آنچہ پیدا خواستیم

دولت و دانش خدا کی دین ہیں
عقل مل جائے تو پھر کیا چاہیے

چوں بہ خواہش کارہا کردند راست
خویش را سرمست و رسوا خواستیم

ملتا سب کو حسبِ خواہش ہے اگر
ہم کو سرمستی و سودا چاہیے

غافل از توفیقِ طاعت کاں عطا است
مزدِ کار از کار فرما خواستیم

بندگی کرتے ہیں گر، ہم کو نہ کچھ
مزدِ کار اے کار فرما چاہیے

گر گنہگاریم واعظ گو مرنج
خواجہ را در روضہ تنہا خواستیم

خواہشِ جنت ہے گر واعظ، ہمیں
صرف اک دیدار اس کا چاہیے

سینہ چوں تنگ است پُر خوں بود دل
دیدۂ خونابہ پالا خواستیم

تنگ دل میں جب نہ گنجائش رہی
خون آنکھوں سے بہانا چاہیے

رفت و باز آمد ہما در دامِ ما
باز سر دادیم و عنقا خواستیم

ہاتھ گر آیا ہما، چھوڑا اسے
دام میں اک ہم کو عنقا چاہیے

ہم بخواہش قطعِ خواہش خواستند
عذرِ خواہش ہائے بے جا خواستیم

قطعِ خواہش کی ہے گر خواہش اسے
عذر اب کچھ اور کرنا چاہیے

قطعِ خواہش ہا زما صورت نہ داشت
ہمت از غالبؔ ہمانا خواستیم

ترکِ خواہش کس طرح غالبؔ کریں
کچھ تو ارماں دل میں ہونا چاہیے

اگر برخود نمی بالد ز غارت کردنِ ہوشم
مرا و را از چہ دشوار است گنجیدن در آغوشم

اگر دیدار سے دیتا نہیں تُو ہم کو مدہوشی
سما دل میں ہمارے، ہم سے کر آکے ہم آغوشی

نیم در بندِ آزادی، ملامت شیوہ ہا دارد
شنیدم جامۂ رنداں ترا عیب است می پوشم

ہیں ہم آزاد طبع و جامۂ رندی پہنتے ہیں
ہمیں آتی نہیں زاہد ریا کوشی، عبا پوشی

خدایا زندگی تلخ است گر خود نُقل و مے نبود
دلے وہ کز گدازِ خویش گردد چشمۂ نوشم

دل ایسا دے کہ بن جائے پگھل کر چشمۂ نوشیں
کہ جینا تلخ ہے یارب نہ ہو جو نوش و مے نوشی

مرنج از وعدۂ وصلے کہ با من در میاں آری
کہ خواہد شد بہ ذوقِ وعدۂ دیگر فراموشم

ہے ایسا ذوقِ وعدہ، سن کے تیرا دوسرا وعدہ
ہم اک دم بھول جاتے ہیں تری وعدہ فراموشی

گر امشب میرم و در ہفت دوزخ سرنگوں غلتم
ہماں دانم کہ غرقِ لذتِ بے تابیِ دوشم

نہیں کرتے ہیں وہ کچھ خوف دوزخ میں تڑپنے کا
جنہیں بے تابیِ فرقت میں رہتی ہے طرب کوشی

بخندم بر بہار و روستائی شیوہ شمشادش
زگل چینانِ طرزِ جلوۂ سروِ قبا پوشم

کریں شمشاد پر اپنے چمن والے نہ ناز اتنا
ہمارے سروِ کی آکر وہ دیکھیں گر قبا پوشی

بہارِ گلشنِ کوئے توام، مسپار در خاکم
چراغِ بزمِ نیرنگِ توام، مپسند خاموشم

بہارِ کوچۂ جاناں ہیں، مٹ کیوں خاک میں جائیں
چراغِ محفلِ نیرنگ ہیں، کیسے ہو خاموشی

ادائے مے بہ ساغر کردنت نازم، زہے ساقی
بیفشاں جرعہ بر خاک و زمن بگذر کہ مدہوشم

نہیں دیتا نہ دے ساقی، زمیں پر پھینک دے بادہ
ہمیں تو دیکھ کر تیری ادا ہوتی ہے مدہوشی

مرنج از من اگر نبود کلامم را صفا غالبؔ
خمستانِ غبارم، سر بسر دُردے است سر جوشم

صفائی ہو سخن میں کس طرح غالبؔ ہمارے جب
غبار اک ہے سبو میں، ہے ہماری دُرد سرجوشی

وحشتے در سفر از برگِ سفر داشتہ ایم
توشۂ راہ دلے بود کہ برداشتہ ایم

کم بہت عمر کا سامانِ سفر کرتے ہیں
دل ہے اک توشۂ رہ، اس پہ گزر کرتے ہیں

لغزد از تابِ بُنا گوشِ تو مستانہ و ما
تکیہ بر پاکیِ دامانِ گہر داشتہ ایم

جھومتا دیکھ کے جب تابِ بُنا گوش ہے وہ
رشک ہم بر دلِ شیدائے گہر کرتے ہیں

زخمِ ناخوردۂ ما روزیِ اغیار مکن
کاں بہ آرائشِ دامانِ نظر داشتہ ایم

زخمِ ناخوردہ ہمارے جو ہیں، رکھ پاس کہ ہم
ان سے آرائشِ دامانِ نظر کرتے ہیں

نالہ تا گُم نکند راہِ لب از ظلمتِ غم
جاں چراغے است کہ بر راہگذر داشتہ ایم

ظلمتِ غم میں کرے گم نہ رہِ لب نالہ
جاں کو ہم شمعِ سرِ راہگذر کرتے ہیں

تو دماغ از مۓ پُر زور رسانیدہ و ما
بر درِ مے کدہ خشتے تہِ سر داشتہ ایم

مۓ پُر زور سے مسرور عدو ہیں اور ہم
درِ مے خانہ پہ اک عمر بسر کرتے ہیں

جا گرفتن بہ دلِ دوست نہ اندازۂ ماست
تو ہماں گیر کہ آہیم و اثر داشتہ ایم

جگہ اس میں نہ میسر ہوئی ہم کو لیکن
آہ سے دل پہ ترے کچھ تو اثر کرتے ہیں

مژہ تا خونِ دل افشاند ز ریزش استاد
ماتمِ طالعِ اجزائے جگر داشتہ ایم

تھک گئیں آنکھیں، بہانے سے جو خونناب تو ہم
ماتمِ طالعِ اجزائے جگر کرتے ہیں

داغِ احسانِ قبولی زلیئمانش نیست
ناز بر خرمیِ بختِ ہنر داشتہ ایم

داغِ احساں نہیں نا اہلوں کا ہم پر اور ہم
ناز بر خرمیِ بختِ ہنر کرتے ہیں

پیش ازیں مشربِ ما نیز سخن سازی بود
لختے از خوشدلیِ غیر خبر داشتہ ایم

ملتفت غیر پہ ہوتے ہیں وہ اور ہم خوش ہیں
دیکھیے اس کا بھی کیا حشر وہ اب کرتے ہیں

وا رسیدیم کہ غالبؔ بمیاں بود نقاب
کاش دانیم کہ از روئے کہ برداشتہ ایم

درمیاں پردہ ہے غالبؔ، نہیں پر علم کہ وہ
چھپتے خود ہیں یا مری بند نظر کرتے ہیں

خود را ہمی بہ نقش طرازی علم کنم
تا با تو خوش نشینم و نظارہ ہم کنم

سیکھی ہے بت گری کہ تراش اک صنم کریں
تجھ کو بٹھا کے سامنے نظارہ ہم کریں

خواہی فراغِ خویش بیفزائے بر ستم
تا در عوض ہماں قدر از شکوہ کم کنم

گر چاہیے سکون، ستم اور کر کہ ہم
غم کھائیں بیش، تیری شکایات کم کریں

قاتل بہانہ جوی و دعا بے اثر، بیا
کز گریہ آبگیریِ تیغِ ستم کنم

قاتل بہانہ جو ہے، دعا بے اثر ہے، آ
اشکوں سے آبیاریِ تیغِ ستم کریں

طفل است تندخوئے، بہ بینم چہ می کند
رامم، ولے بہ عربدہ دانستہ رم کنم

کم سن ہے، تندخو ہے، خدا جانے کیا کرے
بہتر ہے اس سے عربدہ ہم کم سے کم کریں

یارب بہ شہوت و غضبم اختیار بخش
چندانکہ دفعِ لذت و جذبِ الم کنم

یارب ذرا سا دل پہ ہمیں اختیار دے
تا اس سے دفعِ لذتِ دردِ الم کریں

تا دخلِ من بہ عشق فزوں تر بود ز خرج
خواہم کہ از تو بیش کشم ناز و کم کنم

ہے نازِ یار آمدنی، خرچ بے رخی
لازم ہے اس کی نازکشی دم بہ دم کریں

غلطد دلم بہ مشک ز فیضِ ہوائے زلف
قانونِ فنِ غالیہ سائیٔ رقم کنم

فیضِ ہوائے زلف سے مشکین دل ہے، آ
قانونِ فنِ غالیہ سائیٔ رقم کریں

خشک است کشتِ شیوۂ تحریرِ رفتگاں
سیرابش از نمِ رگِ ابرِ قلم کنم

تحریرِ رفتگاں کا چمن خشک ہے، اسے
سیراب از نمِ رگِ ابرِ قلم کریں

غالبؔ بہ اختیار سیاحت ز من مخواہ
کوفتنہ کہ سیرِ بلادِ عجم کنم

غالبؔ کٹی ہے عمر جو ہندوستاں میں سب
پیری میں کیسے عزمِ بلادِ عجم کریں

در وصل دل آزاریِ اغیار ندانم
دانند کہ من دیدہ ز دیدار ندانم

ہے وصل میں اندیشۂ اغیار نہ مجھ کو
کچھ ہے فرقِ دیدہ و دیدار نہ مجھ کو

طعنم نہ سزد، مرگ ز ہجراں نشنانم
رشکم نہ گزد، خویشتن از یار ندانم

ہیں مرگ و فراق ایک مرے واسطے دونوں
کچھ جاں سے الگ رابطۂ یار نہ مجھ کو

پرسد سببِ بے خودی از مہر و من از بیم
در عذر بخوں غلطم و گفتار ندانم

پوچھے سببِ بے خودی مجھ سے ہے، میں کیسے
بتلاؤں کہ ہے طاقتِ گفتار نہ مجھ کو

بوسم بخیالش لب و چوں تازہ کند جوَر
از سادگی اش بے سبب آزار ندانم

لب چوم کے میں خواب میں ہوتا ہوں یوں مجرم
کہ ظلم بھی ہے بے سبب آزار نہ مجھ کو

ہر خوں کہ فشاند مژہ در دل فتدم باز
خود را بہ غمِ دوست زیاں کار ندانم

خوں گرتا ہے دل میں مری آنکھوں سے ٹپک کر
سمجھو غمِ جاناں میں زیاں کار نہ مجھ کو

بوئے جگرم می دہد از خوں سرِ ہر خار
شد پائے کہ در راہِ دے افگار ندانم

آتی ہے بوئے خونِ جگر خار سے ہر اک
معلوم ہے، پا کس کا ہے افگار نہ مجھ کو

زخمِ جگرم، بخیہ و مرہم نہ پسندم
موجِ گہرم، جنبش و رفتار ندانم

ہوں زخمِ جگر، بخیہ و مرہم سے مجھے کیا
ہوں موجِ گہر، جنبش و رفتار نہ مجھ کو

نقدِ خردم، سکۂ سلطاں نپذیرم
جنسِ ہنرم، گرمیٔ بازار ندانم

ہوں نقدِ خرد، ہیچ ہے سب دولتِ سلطاں
ہوں جنسِ ہنر، حاجتِ بازار نہ مجھ کو

غالبؔ نبود کوتہی از دوست ہمانا
زاں ساں دہدم کام کہ بسیار ندانم

غالبؔ کرے کوتاہی ذرا سی وہ نہ لیکن
جو دیوے ہے لگتا ہے وہ بسیار نہ مجھ کو

اے زسازِ زنجیرم در جنوں نواگر کن
بند گر بدیں ذوق است پارهٔ گراں تر کن

قابو میں یہ بندش کے دیوانگی کیونکر ہو
شوق اور بڑھے جتنی زنجیر گراں تر ہو

فیضِ عیشِ نوروزی جاودانہ خوش باشد
روزِ من ز تاریکی با شبم برابر کن

شب گزرے، سحر آئے، کچھ فرق نہیں پڑتا
جب کہ غمِ ہجراں میں دن شب کے برابر ہو

زانچہ دل زہم پاشد لب چہ طرف بربندد
یا مجالِ گفتن دہ یا نہ گفتہ باور کن

دل سے جو نکلتا ہے، جاتا ہے سوئے لب وہ
یا کہنے کی طاقت ہو، ناگفتہ یا باور ہو

اے کہ از تو می آید خس شرر فشاں کردن
زخم را ز خونابش بخیہ را پُر آذر کن

یک لخت جلا دیوے زخموں کا مرے بخیہ
خوں میرا خداوندا کچھ ایسا پُر آذر ہو

خوئے سرکشم دادی عجزِ رشک نہ پسندم
سینۂ من از گرمی تابۂ سمندر کن

آتش غمِ ہجراں کی جب رشکِ جہنم ہے
دل بھی مجھے دے ایسا جو رشکِ سمندر ہو

زیں درونہ کاویہا گوہرم بہ کف نامد
خدمتے معین شد، اجرتے مقرر کن

کی میں نے بہت کاوش، گوہر نہ ملا لیکن
خدمت ہے معین گر، اجرت بھی مقرر ہو

از دروں روانم را در سپاسِ خوش آور
وز بروں زبانم را شکوہ سنجِ اختر کن

توفیق مجھے یارب دے شکر گزاری کی
گر ہو بھی کبھی شکوہ تو شکوۂ اختر ہو

بخششِ خداوندی گر فرا خورِ ظرف است
ہم بہ ہوش بیشی دہ، ہم بہ مے تونگر کن

دے اپنے خزانے سے ظرف ایسا مجھے یارب
ہو ہوش فزوں اتنا، مے جتنی میسر ہو

بہرِ خویشتن غالبؔ ہستی تراشید است
قہرمانِ وحدت را درمیانہ داور کن

توحید ہے لازم، پر ہے ٹھیک کسی حد تک
ہستی کا گماں اپنی غالبؔ کو کبھی گر ہو

ہا پری شیوہ غزالان و ز مردم رمِ شاں
دلِ مردم بہ خمِ طرۂ خم در خمِ شاں

وہ پری چہرہ غزال، ایسے جو کرتا رم ہے
باندھتا دل بہ خمِ زلفِ خم اندر خم ہے

کافران اند جہاں جوئے کہ ہرگز نبود
طرۂ حور دل آویز تر از پرچمِ شاں

زلفِ کافر ادا ایسی جو دل آویزی میں
گیسوئے حورِ بہشتی سے نہ ہرگز کم ہے

آشکارا کُشں و بدنام و نکو نامی جو
آہ ازیں طائفہ و آنکس کہ بود محرمِ شاں

ایک قاتل جسے بدنامی نکو نامی ہو
آہ وہ شخص جو ایسے کا بنا محرم ہے

رشک بر تشنۂ تنہا روِ وادی دارم
نہ بر آسودہ دلانِ حرم و زمزمِ شاں

رشک میں کرتا ہوں اس تشنۂ تنہا رَو پر
ہوتا جس کو نہ میسر حرم و زمزم ہے

بگذر از خستہ دلانے کہ ندانی، ہشدار
خستگانند کہ دانی و نداری غمِ شاں

خستہ دل یوں تو بہت ہیں، نہیں ملتے لیکن
آشنا خستہ ہیں جو، جن کا نہ تجھ کو غم ہے

داغِ خوں گرمیِ ایں چارہ گرانم، دانی
آتش است آتش اگر پنبہ و گر مرہمِ شاں

گرمیِ چارہ جلاتی ہے مجھے چارہ گراں
آگ ہے آگ جسے کہتے ہو تم مرہم ہے

اے کہ راندی سخن از نکتہ سرایانِ عجم
چہ بما منتِ بسیار نہی از کمِ شاں

کیوں سناتا ہے مجھے باغِ عجم کے قصے
ہند کیا نغمہ سرائی میں کسی سے کم ہے

مومنؔ و نیرؔ و صہبائیؔ و علوی وانگاہ
حسرتیؔ اشرف و آزردہؔ بود اعظمِ شاں

مومنؔ و نیرؔ و صہبائیؔ و علوی ہیں یہاں
حسرتیؔ اشرف و آزردہؔ یہاں اعظم ہے

غالبؔ سوختہ جاں گرچہ نیرزد بشمار
ہست در بزمِ سخن ہم نفس و ہمدمِ شاں

آتا گنتی میں نہیں غالبؔ خستہ، لیکن
وہ بھی ان طوطیوں کا ہم نفس و ہمدم ہے

طاق شد طاقت ز عشقت بر گراں خواہم شدن
مہرباں شو ورنہ بر خود مہرباں خواہم شدن

دردِ اُلفت سے بہت جب ناتواں ہوتا ہوں میں
ترک کر کے عشق، خود پر مہرباں ہوتا ہوں میں

خار و خس ہر گہ در آتش سوخت، آتش می شود
مُردم از ذوقِ لبت چنداں کہ جاں خواہم شدن

آگ بن جاتا ہے خود ہی جل کے تنکا آگ میں
جاں فزا بنتا ہوں، جب بھی جاں فشاں ہوتا ہوں میں

محو گشتم از تغافل، بر نتابم التفات
گر بہ چشم جادہی خوابِ گراں خواہم شدن

محو ایسا ہوں ترے طرزِ تغافل میں کہ جب
ہو توجہ بھی تو در خوابِ گراں ہوتا ہوں میں

آبم از شرمِ وفا و از خودم پا در گِل است
تا نہ پنداری کہ از کویت رواں خواہم شدن

میں ہوا شرمِ وفا سے پانی پانی اور تجھے
یہ گماں ہے تیرے کوچے سے رواں ہوتا ہوں میں

پیشِ خود بسیارم و بسیار مشتاقِ توام
تا کجا صرفِ گدازِ امتحاں خواہم شدن

ہوں ترا مشتاق لیکن شوق کی گرمی سے کیوں
اس قدر صرفِ گدازِ امتحاں ہوتا ہوں میں

گرم باد از نغمہ بزمِ دعوتِ بالِ ہما
سازِ آوازِ شکستِ استخواں خواہم شدن

گرم نغمے سے ہے بزمِ دعوتِ بالِ ہما
سازِ آوازِ شکستِ استخواں ہوتا ہوں میں

با ہوس خویش است حسن و از وفا بیگانہ است
مہر کم کن ورنہ بر خود بدگماں خواہم شدن

حسن بے گانہ وفا سے ہے، ہوس کا آشنا
ملتفت ہوتا ہے تُو جب، بدگماں ہوتا ہوں میں

بسکہ فکرِ معنیِ نازک ہمی کاہد مرا
شاہدِ اندیشہ را موئے میاں خواہم شدن

ہو کے فکرِ معنیِ نازک سے لاغر اس قدر
شاہدِ اندیشہ کا موئے میاں ہوتا ہوں میں

لذتِ زخم چوں خوں غالبؔ در اعضا می دَوَد
رنج اگر این است راحت را ضماں خواہم شدن

لذتِ غم شکلِ خوں دوڑے ہے غالبؔ تن میں جب
رنج سے غمگیں نہ ہرگز یک زماں ہوتا ہوں میں

دل زاں مژۂ تیز بیک بار کشیدن
دامن بہ درشتی بود از خار کشیدن

دل کو مژۂ تیز سے یک بار چھڑانا
ہے جیسے کہ دامن کو بصد خار چھڑانا

دارم سرِ ایں رشتہ بد انساں کہ زدیرم
تا کعبہ تواں برد بہ زنار کشیدن

جب دیر و حرم میں نہیں کچھ فاصلہ زاہد
کیوں چاہتا مجھ سے ہے تو زنار چھڑانا

حق گویم و ناداں بہ زبانم دہد آزار
یارب چہ شد آں فتویٰ بردار کشیدن

حق گوئی و حق بینی ہے ناداں کو بدعت
آساں نہیں منصور سرِ دار پہ چھڑانا

گنجینۂ حسن است طلسمے کہ کس از وے
چوں عقدہ نیارد گہر از تار کشیدن

پہچاننا اس حُسن پُر افسوں کی حقیقت
ہے موتیوں سے اُلجھا ہوا تار چھڑانا

ز آسائشِ دل گرچہ مرادے دگرم نیست
بارے نفسے چند بہ ہنجار کشیدن

مقصود ہے آسائشِ دل سے مجھے ہمدم
جاں کو الم و درد سے اک بار چھڑانا

از بسکہ دل آویز بود جادۂ راہش
زحمت دہدم پائے ز رفتار کشیدن

اتنی ہے دل آویز رہِ عشق کہ اس سے
مشکل ہے بہت پائے گرفتار چھڑانا

از مطلعِ تابندہ نہم پارۂ لعلے
در رشتہ دمِ گوہرِ شہوار کشیدن

پہچانا گفتہ مرا اوروں کے بیاں سے
ہے دانوں سے اِک گوہرِ شہوار چھڑانا

دریاب کہ با ایں ہمہ آزار کشیدن
لب می گزم از کار بہ زنہار کشیدن

خوگر ہوا ایسا ہے یہ کچھ جور وستم کا
دُکھ دیوے ہے، دُکھڑے سے دلِ زار چھڑانا

جاں دادم و داغم کہ پس از من زکہ خواہی
خجلت زگراں جانیِ اغیار کشیدن

میں مر کے چھٹا، پر وہ گراں جان ہیں ایسے
آساں نہیں معشوق سے اغیار چھڑانا

فرجامِ سخن گوئیِ غالبؔ بتو گویم
خونِ جگر است از رگِ گفتار کشیدن

پُر درد ہے یوں گفتۂ غالبؔ، نہیں ممکن
خونِ جگر از ریشۂ گفتار چھڑانا

رشکِ سخنم چیست، نہ شہدِ ہوس است ایں
تلخابۂ سرجوشِ گدازِ نفس است ایں

رکھتا نہیں گفتہ مرا شہدِ ہوسی ہے
اس میں مری تلخیِ گدازِ نفسی ہے

اے نالۂ جگر در شکنِ دام میفشاں
سرمایۂ آرائشِ چاکِ قفس است ایں

کر خرچ نہ سب دام میں خوناب کہ تجھ کو
کرنی ابھی آرائشِ چاکِ قفسی ہے

مستم، بکنارم خزد و تن زن کہ دریں وقت
ہرگز نشناسم کہ چہ بود و چہ کس است ایں

اے واہ یہ مستی، نہیں پہچان ذرا بھی
ریشم ہے کہ ہے زُلف جو پہلو میں بسی ہے

واعظ سخن از توبہ مگو، ایں کہ پس از مے
دست و دہنے آب کشیدیم بس است ایں

کیوں توبہ کروں بادہ سے واعظ کہ جو مجھ کو
مقصود طرب ہے، نہ کوئی بوالہوسی ہے

تقویٰ اثرے چند بہ عمرِ دگر استش
نازم مۓ بے غش چہ بلا زود رس است ایں

اس دنیا میں بیتا ہوں میں زاہد، کہ یہاں مے
ملتی ہے بہ افراط، اے زُود رسی ہے

لب بر لبِ دلبر نہم و جاں بسپارم
ترکیبِ یکے کردنِ صد ملتمس است ایں

جاں دیدوں میں لب کو لبِ دلبر سے ملا کر
اب یہ ہی تمنا ہے، یہی ملتمسی ہے

داغِ دلِ غالبؔ بہ دوا چارہ پذیر است
ایں را چہ کنم چارہ کہ مشکیں نفس است ایں

داغِ دلِ غالبؔ کا مداوا نہیں مشکل
ہاں سہل نہیں چارۂ آتش نفسی ہے

بسکہ لبریز است ز اندوہِ تو سرتا پائے من
نالہ می روید چو خارِ ماہی از اعضائے من

ہے غمِ جاناں سے یوں لبریز سرتا پائے من
خارِ ماہی سے بھرے ہوں جیسے سب اعضائے من

مستِ دردم ، ساز و برگِ انتعاشم نالہ است
بے شکستن بر نیاید بادہ از مینائے من

مستِ دردِ عشق ہوں، لاتا ہے نالہ ہوش میں
آتا باہر یوں ہے بادہ توڑ کے مینائے من

فصلے از بابِ شکستِ رنگِ انشا کردہ ام
میتواں رازِ درونم خواند از سیمائے من

رنگ اڑتا ہے مرا، احوالِ دل کو دیکھ کر
فاش یوں کرتا ہے رازِ اندروں سیمائے من

رفتم از کار و ہماں در فکرِ صحرا گردی ام
جوہرِ آئینۂ زانوست خارِ پائے من

میں ہوا بے بس ہوں، اکساتی ہیں لیکن یہ بہت
صحرا گردی پر مجھے لذاتِ خارِ پائے من

دانمش در انتظارِ غیر و نالم زار زار
وائے من گر رفتہ باشد خوابش از غوغائے من

انتظارِ غیر میں سویا ہے وہ ، روتا ہوں میں
نہ اسے یارب جگائے نیند سے غوغائے من

بس کہ ہاموں از تب و تابم سراسر آتش است
بر ہوا چوں دُود لرزد سایہ در صحرائے من

گرمیِ الفت سے میری آتشیں ہے دشت بھی
دُود دِن کے ہے لرزتا سایہ در صحرائے من

زلف می آراید و از ناز یادم می کند
درخمِ آں طرہ خالی دیدہ باشد جائے من

یاد کرتا ناز سے ہے وہ سنوارے زلف جب
دیکھ کے پیچ و خمِ گیسو میں خالی جائے من

مدتے ضبطِ شرر کردم بہ پاسِ غم، ولے
خوں چکیدن دارد اکنوں از رگِ خارائے من

مدتوں پاسِ غمِ جاناں سے تھا ضبطِ شرر
کیا کروں جب خون ٹپکائے رگِ خارائے من

در ہجومِ ظلمت از بس خویش را گم می کند
قطرہ در دریاست گوئی سایہ در شب ہائے من

ہو گیا غائب ہجومِ تیرگی میں اک مرے
قطرہ در دریا ہے گویا سایہ در شب ہائے من

حسنِ لفظ و معنیم غالبؔ گواہِ ناطق است
بر عیارِ کاملِ نفسِ من و آبائے من

حسنِ معنی لفظ کا غالبؔ نسب پر ہے گواہ
رکھتے عالی مرتبہ ہیں کس قدر آبائے من

خوش بود فارغ ز بندِ کفر و ایماں زیستن
حیف کافر مُردن و آوخ مسلماں زیستن

خوب ہے آزادِ بندِ کفر و ایماں زندگی
حیف کافر مُردنی، آوخ مسلماں زندگی

شیوۂ رندانِ بے پروا خرام، از من مپرس
ایں قدر دانم کہ دشوار است آساں زیستن

شیوۂ رندانِ بے پروا نہ پوچھو ہم سے کچھ
جانتے ہیں یہ مگر، مشکل ہے آساں زندگی

برد گوئے خرمی از ہر دو عالم ہر کہ یافت
در بیاباں مُردن و در قصر و ایواں زیستن

جو ہو قانع بے سر و ساماں رہ کر دشت میں
اس کی گزرے ہے درونِ قصر و ایواں زندگی

راحتِ جاوید ترکِ اختلاطِ مردم است
چوں خضر، باید ز چشمِ خلق پنہاں زیستن

راحتِ دل خضر کی مانند ہو دائم اسے
چشمِ مردم سے رکھے جو اپنی پنہاں زندگی

تا چہ راز اندر تہِ این پردہ پنہاں کردہ اند
مرگ مکتوبی بود کو راست عنواں زیستن

راز ہیں کیسے نہاں پردے کی تہ میں، اے خدا
موت ہے مکتوب تو ہے اس کا عنواں زندگی

روزِ وصلِ یار جاں دہ، ورنہ عمرے بعد ازیں
ہمچو ما از زیستن خواہی پشیماں زیستن

جاں فدا کر روزِ وصلِ یار تو، ورنہ تری
ساری گزرے گی، بہت ہو کے پشیماں زندگی

با رقیباں ہم فنیم اما بدعویٰ گاہِ شوق
مُردن است از ما و زیں مشتے گراں جاں زیستن

عشق کا دعویٰ تو کرتے سب ہیں قدموں پر ترے
مرتے ہم ہیں، چاہتے پر ہیں گراں جاں زندگی

بر نویدِ مقدمت صد بار جاں باید فشاند	بر نویدِ مقدمِ جاناں ہے مرنا زندگی
برامیدِ وعدہ ات زنہار نتواں زیستن	اور امیدِ وعدہ پر جینا ہے بے جاں زندگی
دیدہ گر روشن سوادِ ظلمت و نور است، چیست	گر تمیز نور و ظلمت ہے تجھے، گزرے ہے کیوں
فارغ از اہریمن و غافل زیزداں زیستن	فارغ از اہریمن و غافل زیزداں زندگی
ابتذالے دارد ایں مضموں، توارد عیب نیست	سخت جانوں کے لیے مشکل ہے جاں دینی مگر
نگزرد در خاطرِ نازک خیالاں زیستن	ہیچ ہے در خاطرِ نازک خیالاں زندگی
غالبؔ از ہندوستاں بگریز، فرصت مفت تست	جاؤ غالبؔ کشورِ ہندوستاں کو چھوڑ کر
در نجف مُردن خوش است و در صفاہاں زیستن	در نجف مرنا ہے بہتر، در صفاہاں زندگی

خیرہ کند مرد را مہرِ درم داشتن
حیف ز ہمچو خودے چشمِ کرم داشتن

مال و دولت سے محبت کرنی کم کم چاہیئے
مانگنی نظرِ کرم یزداں سے ہر دم چاہیئے

وائے ز دل مُردگی خوئے بدانگیختن
آہ ز افسردگی روئے دژم داشتن

ہے نہ دل تنگی میں جائز کرنا بدخوئی کبھی
ہووے جب افسردگی، ہونا نہ برہم چاہیئے

راز برانداختن از روشِ ساختن
دیدہ و دل باختن، پشت و شکم داشتن

بے تحمل رازِ الفت چھپ کے رہ سکتا نہیں
عشق کی بازی میں دل کو طاقت و دم چاہیئے

تازگیِ شوق چیست، رنگِ طرب ریختن
چہرہ ز خونابِ چشم، رشکِ ارم داشتن

رنگا رنگ آرائیوں میں تازگیِ شوق ہے
چہرہ خوں آلود ہو تو دیدہ پُرنم چاہیے

با ہمہ اشکستگی دم ز درستی زدن
با ہمہ دل خستگی تابِ ستم داشتن

گر ملے آشفتگی، دعویٰ درستی کا کرو
ہو اگر دل خستگی، کرنا نہ ماتم چاہیئے

در خمِ دامِ بلا، بال فشاں زیستن
با سرِ زلفِ دوتا عربدہ ہم داشتن

در خمِ دامِ بلا آزاد رہنا فرض ہے
قید میں رہنا مگر در زلفِ پُرخم چاہیے

دل چو بجوش آیدے، عذرِ بلا خواستن
جاں چو بیاسایدے، شکوہ ز غم داشتن

دل میں جوش آئے اگر، غم کی بلاؤں سے بچو
جاں ہو بے آرام جب، شکوہ نہ از غم چاہیئے

بہرِ فریب از ریا، دامِ تواضع مچیں
دل نہ ربایدہمے، تیغ زخم داشتن

مت بچھا دامِ تواضع، مکر و چالاکی نہ کر
بہر دل جوئی نہ کوئی تیغ میں خم چاہیئے

نقشِ پۓ رفتگاں جادہ بود درجہاں
ہرکہ رَوَد بایدش پاسِ قدم داشتن

اشک چناں بے اثر، نالہ چناں نارسا
دیدہ و دل را سزد ماتمِ ہم داشتن

خجلتِ کردارِ زشت گشتہ بہ عاصی بہشت
باج زکوثر گرفت، جبہہ زنم داشتن

غالبؔ آوارہ نیست گرچہ بہ بخشش سزا
خوش بود از چوں توئے چشمِ کرم داشتن

نقشِ پائے رفتگاں ہے جادۂ نووارداں
راہ داں رہبر، قدم لیکن مقدم چاہیئے

اشک ایسا بے اثر، نالہ ہے ایسا نارسا
دیدہ و دل کو ہمارے کرنا ماتم چاہیئے

خجلتِ کردار عاصی کی ہے وجہِ مغفرت
ہونا کوثر کو خجل از رُوئے پُرنم چاہیئے

دوزخی غالبؔ ہے گو، رو رو کے کہتا ہے، اسے
اک تری نظرِ کرم روحِ مکرم چاہیئے

چه غم ار به جِد گرفتی ز من احتراز کردن
نتواں گرفت از من بگزشتہ ناز کردن

ہو درست چاہے جتنا تجھے احتراز کرنا
نہ بھلا سکوں گا پر میں کبھی تیرا ناز کرنا

نگہت بموشگافی ز فریبِ رم نخوردن
نفسم بدام بافی ز سخن دراز کردن

وہ زماں کہ تھی نگہ میں تیری ناز آفرینی
تھا مجھے سہل بھی زلفوں کا سخن دراز کرنا

تو و در کنارِ شوقم گرہ از جبیں کشودن
من و بر رخِ دو عالم درِ دل فراز کردن

گرہ کھولنا جبیں سے وہ ترا، مری بغل میں
مرا بر رخِ دو عالم، درِ دل فراز کرنا

مژہ را ز خونفشانی بدل است ہمزبانی
کہ شمار دم بدامن ستمِ گداز کردن

دل و مژہ ہم زباں ہیں، بشمارِ خونِ دامن
انہیں آگیا قیاسِ ستمِ گداز کرنا

ز غمِ تو بادشرمم کہ چہ مایہ شوخ چشمے است
ز شکستِ رنگ بر رخ درِ خلد باز کردن

ترا معجزہ تھا دے کر غم و سوزِ عشق، میرے
ز شکستِ رنگ، رُخ پر درِ خلد باز کرنا

نفسم گداخت شوقت ستم است گر تو دانی
کہ ز تابِ نالہ خوں شد، نہ زپاسِ راز کردن

تو یہ سمجھا تابِ نالہ سے ہوا ہے، لیکن اے جاں
کرے دل گداز میرا ہے یہ پاسِ راز کرنا

بفشارِ رشکِ بزمت نچناں گداخت گلشن
کہ میانۂ گل و مل رسد امتیاز کردن

ہوا رشکِ بزم سے ہے یوں گدازِ باغ، اس کو
نہ میانۂ گل و مل رہا امتیاز کرنا

رخِ گل ز غازہ کاری بہ نگاہ بندد آئیں
نرسد بہ خس شکایت ز چمن طراز کردن

رخِ گل کی غازہ کاری بنے جیب ہے گلشن آرا
نہ روا ہے خس کو شکوہ بہ چمن طراز کرنا

ہمہ تن ز شوقِ چشمم کہ چو دل فشاندہ گردد
بسرشکِ مایہ بخشم ز جگر گداز کردن

ہے یہ کیسی خوں فشانی مری آنکھ کی کہ مجھ کو
نہ رہا جو خون دل میں، ہے جگر گداز کرنا

ہلہ تازہ گشتہ غالبؔ روشِ نظیریؔ از تو
سزد ایں چنیں غزل را بہ سفینہ ناز کردن

ہیں تری غزل میں غالبؔ گہر اس قدر کہ مشکل
ہوا تجھ میں اور نظیریؔ میں کچھ امتیاز کرنا

چوں شمع رَوَد شب ہمہ شب دُود ز سرماں
زیں گونہ کرا روز بسر رفت مگر ماں

نکلے ہمہ شب شمع بساں دُود ز سر ہے
جز میرے کوئی کرتا نہ یوں عمر بسر ہے

آذر بپرستیم و درخ از شعلہ نتابیم
لے خواندہ بسوئے خود ازیں راہگزر ماں

کرتا ہوں میں گر آگ کی پوجا تو ہوا کیا
یہ بھی تو خدایابی کی اک راہگزر ہے

در عشقِ تو ضرب المثلِ راہروانیم
بگزار برہ خفتہ و از بیشہ مبر ماں

مانا ہے مجھے راہنما راہرووں نے
جس دن سے بنا عشق مرا رختِ سفر ہے

از بے خردی کوئے ترا خُلد شمردیم
چون است کہ در کوئے تو رہ نیست دگرماں

جب خُلد سے نکلا ہوا جا سکتا ہے واں پھر
کیوں رہ نہ مجھے کُوئیں تیری بارِ دگر ہے

مستیم، بیا تن زن و لب بر لب ما نہ
حاشا کہ بود تفرقۂ لب ز شکرماں

ہے تلخیٔ ایام بہت، دے مجھے بوسہ
اس کی تو دوا صرف ترے لب کی شکر ہے

طولِ شبِ ہجراں بود اندر حقِ ما خاص
از ہمنفساں کس نہ شناسد بہ سحرماں

طولِ شبِ ہجراں نے کیا ایسا ہے لاغر
پہچانتا کوئی نہ مجھے وقتِ سحر ہے

بے وجہِ مے آشفتہ و خواریم بدا ما
درِ مے کدہ از ما نستانند اگر ماں

آشفتہ و رسوا ہوا اس بار ہوں ایسا
کہ بند مرے واسطے مے خانے کا در ہے

از ارزشِ ما بے ہنراں ماندہ شگفتے
در بندِ غم انداختہ گردوں بہ ہنر ماں

یہ راز نہیں کھلتا کبھی بے ہنروں پر
کہ ہووے غمِ عشق سے افزون ہنر ہے

چوں تازگیِ حوصلۂ خویش نداند
داند کہ بود نالہ بامیدِ اثر ماں

وہ جانتا اپنے دلِ سنگیں کو نہیں کچھ
کہتا ہے مجھے نالہ بہ امیدِ اثر ہے

غالبؔ چہ زیاں، نالہ اگر گرم روی کرد
سوزے بدل اندر، نہ و داغے بہ جگر ماں

ہے گرم روی نالے میں غالبؔ تو برا کیا
کہ اس سے ملے سوزِ دل و داغِ جگر ہے

خجل ز راستیِ خویش می تواں کردن
ستم بجانِ کج اندیش می تواں کردن

خجل ز راستیِ خویش کر رہے ہیں ہم
ستم بہ جانِ کج اندیش کر رہے ہیں ہم

چو مزدِ سعی دہم، مژدۂ سکوں خواہد
ز بوسہ پا بدرت ریش می تواں کردن

نہ تاکہ لوٹ سکیں آستانِ جاناں سے
بہ بوسہ پاؤں وہاں ریش کر رہے ہیں ہم

دگر بہ پیشِ وے اے دل چہ ہدیہ خواہی برد
مگر بہ گدیہ کفے بیش می تواں کردن

گلوں سے بزم سجا کر ترے لئے اے جاں
خجل گلاب و سمن بیش کر رہے ہیں ہم

تو جمع باش کہ مارا دریں پریشانی
شکایتے است کہ با خویش می تواں کردن

تو سن کے اس کو پریشان ہو نہ اے ظالم
کریں گلہ ہیں تو با خویش کر رہے ہیں ہم

سراز حجابِ تعین اگر بروں آید
چہ جلوہ ہا کہ بہ ہر کیش می تواں کردن

حجابِ نفس سے نکلے ہیں، دیر و کعبہ میں
خدا کی دید بہ ہر کیش کر رہے ہیں ہم

خرامِ نازِ تو با صحنِ گلستاں دارد
رعایتے کہ بدرویش می تواں کردن

خرامِ ناز ترا دیکھ کے گلستاں میں
نظارۂ روئے درویش کر رہے ہیں ہم

اگر بقدرِ وفا می کنی جفا حیف است
بمرگِ من کہ ازیں بیش می تواں کردن

جفا بقدرِ وفا مل رہی ہے گر ہم کو
ضرور تجھ سے وفا بیش کر رہے ہیں ہم

کسے بجو کہ مراو را دریں سفر غالب
گواہِ بے کسیِ خویش می تواں کردن

ہر اک کیساتھ، دو اک گام چل کے اے غالب
ظہورِ بے کسیِ خویش کر رہے ہیں ہم

حیف است قتل گہ ز گلستاں شناختن
شاخ از خدنگ و غنچہ ز پیکاں شناختن

کچھ فرقِ قتل گاہ و گلستاں نہیں اسے
کچھ امتیازِ غنچہ و پیکاں نہیں اسے

لب دوختم ز شکوہ ز خود فارغم شمرد
نشناخت قدرِ پرسشِ پنہاں شناختن

شکوہ نہ ہو تو سمجھے ہے آرام سے ہوں میں
آتی ہے کرنی پرسشِ پنہاں نہیں اسے

از شیوہ ہائے خاطرِ مشکل پسند کیست
کُشتن بجرم و درد ز درماں شناختن

اس کے لئے ہے قتل سزا، جرم عشق کی
تفریق در عقوبت و درماں نہیں اسے

از پیکرت بساط صفائے خیال یافت
وصلِ تو از فراقِ تو نتواں شناختن

کہتا ہے جب بغل میں نہیں، دل میں ہوں ترے
کچھ بھی وصال و ہجر کی پہچاں نہیں اسے

نازم دماغِ ناز، ندانی ز سادگی است
کُشتن بہ ظلم و کُشتۂ احساں شناختن

اے واہ سادگی کہ بہ ہنگام کُشتنی
کوئی شعورِ سختی و احساں نہیں اسے

مائیم و ذوقِ سجدہ، چہ مسجد، چہ بتکدہ
در عشق نیست کفر ز ایماں شناختن

دل کو ہے ذوقِ سجدہ، ہو مسجد کہ بتکدہ
کچھ فکرِ کفر و مذہب و ایماں نہیں اسے

مینا شکستہ و مئے گل فام ریختہ
محوم ہنوز در گل و ریحاں شناختن

مینا شکستہ و مئے گل فام ریختہ
دل ہے کہ حاجتِ گل و ریحاں نہیں اسے

لختِ دلم بدامن و چاہِ غمم بجیب
اینک سزائے جیب ز داماں شناختن

لختِ جگر بدامن و چاہِ الم بجیب
یہ عشق، قدرِ جامہ و داماں نہیں اسے

غالب بقدرِ حوصلہ باشد کلامِ مرد
باید ز حرفِ نبضِ حریفاں شناختن

غالب شعورِ ہمت و ذلت نہ ہو جسے
لگتی ہی ہاتھ نبضِ رقیباں نہیں اسے

❖

بخونم دست و تیغ آلودِ جاناں
بدآموزاں وکیلِ بے زباناں

ہیں خوں سے تیغ و کف آلود جاناں
بنے ہیں یہ وکیلِ بے زباناں

چہ گویم در سپاسِ بےکسی ہا
زہے نامہرباناں، مہرباناں

مری لاچاریاں دیکھو ہیں کیسی
کہ ہیں نامہرباناں، مہرباناں

گر از خود خوشترے سنجیدہ باشند
نوازش ہاست با ایں بدگماناں

کسی کو گر سمجھتے ہیں وہ اچھا
کریں ہیں مہربانی، بدگماناں

فغانا میگساراں دجلہ نوشاں
دریغا ساقیاں اندازہ داناں

فغانا میگساراں دریا نوشاں
دریغا ساقیاں اندازہ داناں

دمِ مُردن برشکم رنگ گیرد
فراخی ہائے عیشِ سخت جاناں

دلائیں رشک مرتے وقت مجھ کو
فراخی ہائے عیشِ سخت جاناں

گلے ہر گوشۂ دستار داری
خوشا بختِ بلندِ باغباناں

لگا گل گوشۂ دستار میں ہے
خوشا بختِ بلندِ باغباناں

غمت خونخوار و دلہا بے بضاعت
دریغا آبروئے میزباناں

ہے غم خونخوار، دل ہے خوں سے خالی
دریغا آبروئے میزباناں

گزشت از دل ولے نگزشت از دل
خدنگِ غمزۂ زوریں کماناں

رہا دل میں ہے، ہو کر پار دل کے
خدنگِ غمزۂ زوریں کماناں

نوائے شوق خواہ از بے نوایاں
نشانِ دوست جو از بے نشاناں

نوائے شوق دیتے بے نوا ہیں
نشانِ یار دیویں بے نشاناں

بہ رغمم تا فرود آرد بہ من سر
بخواری بنگرم در ناتواناں

اٹھاتے ہیں ہزاروں بار غم کے
توانا کس قدر ہیں ناتواناں

سبک برخیز زیں ہنگامہ غالبؔ
چہ آویزی بدیں مشتے گراناں

سبک رفتار جا دنیا سے غالبؔ
گراں سر ہیں بہت یاں سرگراناں

تا ز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن ایں مے از قحطِ خریداری کہن خواہد شدن	فرطِ بد ذوقی سے فقدانِ سخن ہو جائے گا بادہ از قحطِ خریداری کہن ہو جائے گا
کوکبم را در عدم اوجِ قبولی بودہ است شہرتِ شعرم بہ گیتی بعدِ من خواہد شدن	اوج پر کوکب عدم میں تھا مرا، دنیا میں بھی بعد مرنے کے، مرا شہرہ بہ فن ہو جائے گا
ہم سوادِ صفحہ، مشکِ سودہ خواہد بیختن ہم دواتم نافِ آہوئے ختن خواہد شدن	عطر پاشی حرف میں ہوگی ہر اک دیوان کے روشنائیِ قلم، مشکِ ختن ہو جائے گا
مطرب از شعرم بہ ہر بزمے کہ خواہد زد نوا چاک ہا ایثارِ جیبِ پیرہن خواہد شدن	کوئی مطرب چھیڑ دے گا گر غزل میری کبھی پارہ پارہ بزم میں ہر پیرہن ہو جائے گا
حرفِ حرفم در مذاقِ فتنہ جا خواہد گرفت دستگاہِ نازِ شیخ و برہمن خواہد شدن	شعر میں ہوگا مرے ہنگامہ رنگا رنگ یوں دستگاہِ نازِ شیخ و برہمن ہو جائے گا
ہے، چہ می گویم اگر این است وضعِ روزگار دفترِ اشعار بابِ سوختن خواہد شدن	گر رہی یہ ہی کوئی دن اور وضعِ آسمان میرا دیوان سارا بہرِ سوختن ہو جائے گا
آنکہ صورِ نالہ از شورِ نفس موزوں دمید کاش دیدے کایں نشیدِ شوق فن خواہد شدن	شاعروں کی گر یونہی ہوتی رہی بے حرمتی صنعت و کاری گری، اک نیک فن ہو جائے گا
کاش سنجیدے کہ بہرِ قتلِ معنی یک قلم جلوۂ کلک و رقم، دار و رسن خواہد شدن	جلوۂ کلک و رقم بن جائے گا دار و رسن انہدامِ معنی و قتلِ سخن ہو جائے گا

مہِ نو کردہ کاہش پیکرش را
بہ چشمِ کم ہماں مہ پیکرش بیں

بنایا غم نے ہے اس کو مہِ نو
وہ لاغر اس طرح مہ پیکر اب ہے

چکد در سجدہ خوں از چشمِ مستش
گدازش ہائے نفسِ کافرش بیں

ٹپکتا آنکھ سے سجدے میں ہے خوں
گداز ایسا ہوا وہ کافر اب ہے

گراز غم بر لبش جا کرد، غم نیست
ز جاں تن زن، لبِ جاں پرورش بیں

غمِ الفت سے ہے جاں لب پہ اس کی
ہوائے جاں، لبِ جاں پرور اب ہے

خداوندش بخونِ ما مگیراد
بہ بے تابی نگہ بر خنجرش بیں

معاف اس پر خدایا خوں مرا کر
وہ بے تابی سے دیکھے خنجر اب ہے

بہ رسمِ چارہ جوئی پیشِ غالبؔ
شکایت سنجِ چرخ و اخترش بیں

برائے چارہ جوئی، پیشِ غالبؔ
وہ شکوہ سنجِ چرخ و اختر اب ہے

حق کہ حق است سمیعے ست، فلانی بشنو
بشنو گر توئی خداوندِ جہانی بشنو

آہ و فریاد مری، میری زبانی سن لے
سن لے، گر تو ہے خداوندِ جہانی، سن لے

لن ترانی بجوابِ ارنی چند و چرا
من نہ ایئم بشناس و تو نہ آنی بشنو

لن ترانی بجوابِ ارنی دے نہ مجھے
میں نہ موسیٰ، نہ خدا تو، اے فلانی سن لے

سوئے خود خوان و بخلوت گہِ خاصم جادہ
آنچہ دانی بشمار آنچہ ندانی بشنو

مجھ کو بلوا کے، بٹھا کے کبھی خلوت گہ میں
ٹھیک سے اس دلِ خستہ کی کہانی سن لے

پردۂ چند بہ آہنگِ نکیسا بسرائے
غزلے چند بہ ہنجارِ فغانی بشنو

پردۂ چند بہ آہنگِ نکیسا بسرا
غزلے چند بہ ہنجارِ فغانی سن لے

لختے، آئینہ برابر نہ و صورت بنگر
پارۂ گوش بہ من دار و معانی بشنو

کھول کر آنکھ، نظر صورتِ الفاظ پہ کر
کھول کر کان کبھی کچھ ان کے معانی سن لے

ہرچہ سنجم بہ تو ز اندیشۂ پیری بپذیر
ہرچہ گویم بہ تو از عیشِ جوانی بشنو

دیکھ اندیشۂ پیری لے، دکھاؤں میں اگر
میں بتاؤں جو تجھے عیشِ جوانی، سن لے

چارہ جو نیستم و نیز فضولی نکنم
من و اندوہِ تو، چندانکہ توانی، بشنو

ہو نہ چارہ تو نہ ہو، بیٹھ کے لیکن مجھ سے
کلفتِ الفت و اندوہِ زمانی سن لے

زینکہ دیدی بہ جحیم، طلبِ رحم خطا است
سخنے چند ز غم ہائے نہانی بشنو

میں جہنم میں ہوں، ناقابلِ بخشش ہوں، مگر
اے ستمگر مرے غم ہائے نہانی سن لے

نامہ در نیمہ رہ بود کہ غالب جاں داد
ورق از ہم درو ایں مژدہ زبانی بشنو

غالبِ خستہ مرا، دیر سے پہنچا قاصد
خط نہ پڑھ، مژدہ اک اب اس زبانی سن لے

❖

بالم بخویش بسکہ بہ بندِ کمندِ تو
مردم گماں کنند کہ تنگم بہ بندِ تو

پھولا خوشی سے ہوں میں جو اندر کمندِ تو
سمجھیں ہیں لوگ تنگ ہوں اندر میں بندِ تو

آزادی ام نخواہی و ترسم کز ہیں نشاط
بالم بخود چنانکہ نگنجم بہ بندِ تو

آزادی چاہیئے کسے، ڈر ہے، نشاط سے
میں پھول کر سما نہ سکوں در کمندِ تو

رنجِ قضا است ہمتِ آساں گدازِ ما
قہرِ خدا است خاطرِ مشکل پسندِ تو

رنجِ قضا ہے، ہمتِ آساں گدازِ ما
قہرِ خدا ہے خاطرِ مشکل پسندِ تو

از ما چہ دیدۂ کہ بما از گدازِ دل
ہمچو شکر در آب بود نوش خندِ تو

دل ہے گداز ایسا کہ آیا لبوں پہ جب
پانی میں قند بن گیا، شیریں خندِ تو

اے مرگ مرحبا چہ گرانمایہ دلبری
چشمِ بد از تو دور، نکویاں سپندِ تو

اے موت آفریں کہ تجھ سے بُری نظر
کرتے ہیں دُور بن کے نکویاں سپندِ تو

اے کعبہ چوں من از دلِ یار اوفتادہ است
ایں بت کہ اوفتادہ ز طاقِ بلندِ تو

اے کعبہ دل سے اس کے گرا ہوں میں اس طرح
بت جیسے گر گیا ہو ز طاقِ بلندِ تو

در رہگذر بپرسشِ ما گرکشی، چہ باک
آخر شراب نیست عنانِ سمندِ تو

احوال پوچھنے کو مرے، راہ میں کبھی
کھنچ جائے گر، ہو خوب، عنانِ سمندِ تو

آں کز تو دل ربودہ ندانم کہ بودہ است
یارب کہ دُور باش زجانش گزندِ تو

تجھ کو خدا بچائے تکالیفِ عشق سے
سنتے ہیں بن گیا ہے عدو دل پسندِ تو

ہرگونہ رنج کز تو در اندیشہ داشتم
ہم با تو در مباحثہ گفتم بہ پندِ تو

تُو تاکہ دل دُکھائے کسی کا نہ اس طرح
بن جائے حالِ زار مرا کاش پندِ تو

غالب سپاس گوئے کہ ما از زبانِ دوست
می بشنویم شکوۂ بختِ نژندِ تو

بد قسمتی پہ آتا جو تیری ہے اس کو ترس
غالب ہمیں ہے رشک بہ بختِ بلندِ تو

گستاخ گشتہ ایم غرورِ جمال کو
پیچیدہ ایم سر ز وفا، گوشمال کو

گستاخیاں ہیں کیوں، کہاں قہرِ جمال ہے
ہے سرکشی وفا سے، کدھر گوشمال ہے

تا کے فریبِ حلم خدا را، خدا نہ
آں خوئے خشمگین و ادائے ملال کو

یہ حلم و بردباری ہے اب کیسی، اور کہاں
وہ خوئے خشمگین و ادائے ملال ہے

برگشتہ ام ز مہر و نمی گیری ام بہ قہر
دارم دو صد جواب ولے یک سوال کو

ترکِ وفا پہ میرے، ترا کیوں نہیں ہے قہر
ہیں سو جواب، کیوں نہ تُو کرتا سوال ہے

یا می گسست صحبت و یا می فزود ربط
لیکن مرا ملال و ترا انفعال کو

ہو ختم واسطہ کہ ہو کچھ رابطہ شروع
یاں ہے نہ کچھ ملال، نہ واں انفعال ہے

خواہی کہ بر فروزی و سوزی، درنگ چیست
خواہم کہ تیز سوئے تو بینم، مجال کو

چاہے جلانا حسن سے، قدرت ہے سب تجھے
چاہوں میں جلوہ، دید کی پر کب مجال ہے

گر گفتہ ایم کشتن و بستن، بما مخند
ما را تدارکے بہ سزا در خیال کو

کہتا ہوں جب کہ باندھ کے گیسو میں قتل کر
مجھ کو نہ کچھ سزا و جزا کا خیال ہے

من بوسہ جو و تو بہ سخن داریم نگاہ
لب تشنہ باگہر چہ شکیبد، زلال کو

میں مانگتا ہوں بوسہ تو ہنستا ہے سن کے تُو
آبِ گہر نہیں، مرا مقصد زلال ہے

دل فتنہ جو و فرصتِ تکمیلِ عشق نیست
ہنگامہ سازیِ ہوسِ زُود بال کو

تکمیلِ عشق کی نہیں فرصت مجھے، کہاں
ہنگامہ سازیِ ہوسِ زُود بال ہے

لب تا جگر ز تشنگیم سوخت در تموز
صافِ شرابِ غورہ و جامِ سفال کو

لب تا جگر جلا دے ہے گرمی، ولے نہ کچھ
شیشے میں ہے شراب نہ جامِ سفال ہے

در بادۂ طہورِ غمِ محتسب کجا
در عیشِ خُلد آفتِ بیمِ زوال کو

ہے بادۂ طہور میں کیوں محتسب کا غم
کیوں خُلد میں یہ آفتِ خوفِ زوال ہے

غالبؔ بہ شعر کم ز ظہوریؔ نیم ولے
عادل شہِ سخن رسِ دریا نوال کو

غالبؔ کو مرتبہ ہے ظہوریؔ کا، پر نہ اب
عادل شہِ سخن رسِ صاحب کمال ہے

دولت بہ غلط نبود، از سعی پشیماں شو
کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شو

ناکام رہی کوشش جو، تو نہ پشیماں ہو
گر ہو نہ سکا کافر، ناچار مسلماں ہو

از ہرزہ رواں گشتن، قلزم نتواں گشتن
جوئے بہ خیاباں رو، سیلے بہ بیاباں شو

ہمت کے مطابق ہی ہر قطرے کی منزل ہے
یا جوئے گلستان بن، یا سیلِ بیاباں ہو

ہم خانہ بہ ساماں بر، ہم جلوہ فراواں بہ
در کعبہ اقامت کن، در بتکدہ مہماں شو

ساماں بھی بہت واں ہے، جلوہ بھی فراواں ہے
ہے دید کی طاقت گر، بت خانے کا مہماں ہو

آوازۂ معنی را بر سازِ دبستاں زن
ہنگامۂ صورت را بازیچۂ طفلاں شو

ہنگامۂ صورت اک بازیچۂ طفلاں ہے
معنی کا ہے گر نغمہ، بر سازِ دبستاں ہو

افسانۂ شادی را یکسر خطِ بطلاں کش
غم نامۂ ماتم را آرائشِ عنواں شو

افسانۂ شادی سے ہووے نہ خوشی گر کچھ
غم نامۂ ماتم سے آرائشِ عنواں ہو

گر چرخِ فلک گردی، سر بر خطِ فرماں نہ
در گوئے زمیں باشی، وقفِ خمِ چوگاں شو

سیارہ اگر ہے تو، تسلیم کا سر خم کر
گر گیند ہے گیتی کی، وقفِ خمِ چوگاں ہو

آوردہ غمِ عشقم در بندگیِ ایزد
اے داغ بدل در رو، وز جبہہ نمایاں شو

لایا ہے غمِ الفت دربندگیِ ایزد
اے داغِ محبّت اب از جبہہ نمایاں ہو

در بندِ شکیبائیٔ مُردم بہ جگرخائیٔ
اے حوصلہ تنگی کن، اے غصہ فراواں شو

خوں ہوتا جگر کا ہے، دربندِ شکیبائی
اے حوصلہ کم ہو کچھ، اے غصہ فراواں ہو

سرمایہ کرامت کن وانگاہ لغارت بر
برخرمنِ ما برقے، بر مزرعہ باراں شو

لٹنے کے لئے ملتا سرمایہ ہے جس صورت
خرمن پہ گرے بجلی، جب کھیت پہ باراں ہو

جاں داد بہ غم غالبؔ خوشنودیِ روحش را
در بزمِ عزا مے کش، در نوحہ غزل خواں شو

غالبؔ ہے مرا غم سے، خوش کرنے کو دل اس کا
در برمِ عزا مے کش، در نوحہ غزل خواں ہو

میرود خندہ بسامانِ بہاراں زدۂ
خونِ گل ریختہ دمے بہ گلستاں زدۂ

روندتا پاؤں سے سامانِ بہاراں آیا
مست ہو کے جو وہ گل رخ بہ گلستاں آیا

شورِ سودائے تو نازم کہ بہ گل می بخشد
چاکے از پردۂ دل سر بہ گریباں زدۂ

شور انگیزیاں الفت کی ہیں تیری ایسی
چاک داماں ہوا گل، سر بہ گریباں آیا

آہ از بزمِ وصالِ تو کہ ہر سو دارد
نشتر از ریزۂ مینا بہ رگِ جاں زدۂ

واہ کیا بزم ہے تیری کہ یہاں مستوں کی
نشترِ ریزۂ مینا بہ رگِ جاں آیا

شورِ اشکے بفشارِ بنِ مژگاں دارم
طعنہ بر بے سروسامانیِ طوفاں زدۂ

اشک سے اتنا طلاطم ہے بپا مژگاں میں
شور اس جیسا نہ لے کر کوئی طوفاں آیا

اندریں تیرہ شب از پردہ بروں تاختہ است
مئے روشن بہ طرب گاہِ حریفاں زدۂ

شبِ تاریک میں لے کر مئے روشن ساقی
مست و خرم بہ طرب گاہِ حریفاں آیا

فرصتم باد کہ مرہم نہ زخمِ جگر است
خندہ بر بے اثری ہائے نمکداں زدۂ

کام زخموں پہ نمک نے کیا یوں مرہم کا
خندہ بر بے اثری ہائے نمکداں آیا

خوش نوا بلبلِ پروانہ نژادے دارم
شعلہ در خویش زگلبانگِ پریشاں زدۂ

خوش نوا بلبلِ پروانہ نسب میرا اک
لے کے شعلہ زدہ گلبانگِ پریشاں آیا

آہ ازاں نالہ کہ تا شب اثرے باز نداد
بہ ہم آہنگیِ مرغانِ سحر خواں زدہ ٔ

بے اثر نالہ رہا سارا مرا گرچہ وہ
بہ ہم آہنگیِ مرغانِ سحر خواں آیا

چمن از حسرتیانِ اثرِ جلوهٔ تست
گلِ شبنم زدہ باشد لبِ دنداں زدۂ

گلِ شبنم زدہ حسرت میں ترے جلوے کی
کاٹ کے اپنے لبوں کو ہے بہ دنداں آیا

خاک در چشمِ ہوس ریز، چہ جوئی از دہر
بارگاہے بہ فرازِ سرِ کیواں زدہ ٔ

ہے مقام اتنا ترا اونچا، بلند اتنا در
چومنے جھک کے فلک خود ترا ایواں آیا

بہ نگر موجِ غبارے و ز غالبؔ بگزر
اینک آندم نہ ہواداریِ خوباں زدۂ

صورتِ موجِ غبار ایک ہے غالبؔ جو یہاں
یک نفس بہرِ ہواداریِ خوباں آیا

بتے دارم از اہلِ دل رم گرفتہ
بشوخی دل از خویشتن ہم گرفتہ

صنم جو اہلِ دل سے رم ہوا ہے
نہ خود سے بھی گریزاں کم ہوا ہے

ز سفاک گفتن چو گل بر شگفتہ
دریں شیوہ خود را مسلّم گرفتہ

کہا ظالم، ہوا سُن کر شگفتہ
کہا دلبر تو وہ برہم ہوا ہے

رگِ غمزہ از نیشِ مژگاں کشودہ
سرِ فتنہ در زلفِ پُر خم گرفتہ

رگِ غمزہ کا نشتر نیشِ مژگاں
ستمگر گیسوئے پُر خم ہوا ہے

بہ رخسارہ عرضِ گلستاں ربودہ
بہ ہنگامہ عرضِ جہنّم گرفتہ

گلِ رخسار سے گلشن ہے دُنیا
معطّر زلف سے عالم ہوا ہے

فسوں خواندہ و کارِ عیسیٰ نمودہ
پری بودہ و خاتم از جم گرفتہ

وہ جادوگر کرے ہے کارِ عیسیٰ
پری وش مالکِ خاتم ہوا ہے

بہ ناز و ادا تن بہ معجز ندادہ
بہ شرم و حیا رخ ز محرم گرفتہ

فسوں گر بن گیا ناز و ادا سے
حیا سے غیر و نامحرم ہوا ہے

دمش رخنہ در زہدِ یوسف فگندہ
غمش گندم از دستِ آدم گرفتہ

جمال و حسن سے وسواسِ یوسف
کشش سے گندمِ آدم ہوا ہے

گہے طعنہ بر لحنِ مطرب سرودہ
گہے خردہ بر نطقِ ہمدم گرفتہ

کبھی طعنہ زنِ الحانِ مطرب
کبھی خردہ گرِ ہمدم ہوا ہے

بہ بیداد صد کشتہ برہم نہادہ
بہ بازیچہ صد گونہ ماتم گرفتہ

وہ کر کے عاشقوں کو قتل ظالم
خوشی سے شاملِ ماتم ہوا ہے

بہ رویش زگرمی نگہ تاب خوردہ
بہ کوشش برفتن صبا دم گرفتہ

نگہ از گرمیِ رخ تاب خوردہ
گھُٹا کُو میں صبا کا دم ہوا ہے

نیارد ز من ہیچ گہ یاد ہرگز
مگر خوئے خاقانِ اعظم گرفتہ

ہوا کیا گر نہ ہم ہیں یاد، اس نے
بھلایا اکبرِ اعظم ہوا ہے

ظفر کز دمِ اوست در نکتہ سنجی
کہ غالب بآوازہ عالم گرفتہ

ہے تو مشہور گر دنیا میں غالب
کرم فرماشۂ عالم ہوا ہے

گاہے بچشمِ دشمن و گاہے در آئینہ
پُرکارِ عیب جوئیِ خویشم ہر آئینہ

گاہے بچشمِ دشمن و گاہے در آئینہ
میں عیب بینِ خویش ہوں اندر ہر آئینہ

حیرت نصیب دیدہ زبے تابیِ دل است
سیماب را حقے است ہمانا بر آئینہ

حیران و بے قرار دل و چشمِ عاشقاں
سیماب جیسے مضطر و حیراں در آئینہ

تا خود دلِ کہ جلوہ گہِ روئے یار شد
خنجر بخویش می کشد از جوہر آئینہ

دل جلوہ گاہ کیسے ہو، جب دیکھ کر اسے
گھونپے ہے اپنے قلب میں اک خنجر آئینہ

باشد کہ خاکساریِ ما بر دہد فروغ
گوئی سپردہ ایم بہ روشن گر آئینہ

ہوں خاکسار تا ہو صفا دل کہ خاک سے
کرتا ہے صاف مانجھ کے روشنگر آئینہ

محوِ خودی و دادِ رقیباں نمی دہی
اے بر رخت زچشم تو حیراں تر آئینہ

یوں محوِ عکسِ خود نہ ہو، دے داد کچھ اسے
ہے جب کہ آنکھ سے تری حیراں تر آئینہ

دُورت ربودہ ناز بخود ہم نمی رسی
تا چند بر ہوائے تو ریزد پر آئینہ

بے گانہ ناز ہیں جو ہوا سب سے، تو بتا
تا چند بر ہوائے تو ریزد پر آئینہ

درد اکہ دیدہ را نمِ اشکے نماندہ است
کاندر وداعِ دل زند آبے بر آئینہ

جب اشک آنکھ میں نہ رہے، کیسے لے خدا
وقتِ وداع چھڑکوں میں پانی بر آئینہ

درہر نظر برنگِ دگر جلوہ می کنی
حسنت طلسم و فتنہ و افسوں گر آئینہ

ہر آنکھ میں برنگِ دگر جلوہ گر ہے تُو
جادو ہے تیرا حسن تو افسوں گر آئینہ

ہر یک گدائے بوسہ و نظارۂ کسے است
از جم پیالہ بیں و ز اسکندر آئینہ

ہر اک فقیرِ بوسہ و نظارہ ہے یہاں
رکھتا پیالہ جم ہے تو اسکندر آئینہ

آہن چہ دادِ غمزۂ سحر آفریں دہد
غالب بجز دلش بنود در خور آئینہ

دے سکتا دادِ عشوہ نہ آئینہ ہے اگر
غالب تُو دل کا، عکس کے قابل کر، آئینہ

شاہا بہ بزمِ جشن چو شاہاں شراب خواہ
زرِ بے حساب بخش و قدح بے حساب خواہ

اے شہ بہ بزمِ جشن، فراواں شراب خواہ
زرِ بے شمار بخش و قدح بے حساب خواہ

بزمت بہشت و بادہ حلال است در بہشت
گر باز پُرس رُو دہد، از من جواب خواہ

جنت ہے بزم تیری، ہے جنت میں مے روا
ہو باز پُرس گر کوئی، مجھ سے جواب خواہ

تو بادشاہِ عہدی و بختِ تو نوجواں
برخور ز عمر و باجِ نشاط از شباب خواہ

تو بادشاہِ وقت ہے، قسمت جواں تری
ہاں عیشِ عمر، عشرتِ عہدِ شباب خواہ

در روز ہائے فرخ و شب ہائے دلفروز
صہبا بروزِ ابر و شبِ ماہتاب خواہ

در روز ہائے فرخ و شب ہائے دلفزا
صہبا بروزِ ابر و شبِ ماہتاب خواہ

در خور نباشدار مئے گلگوں بہ ہیچ رُو
شربت بجامِ لعل ز قند و گلاب خواہ

گر ذوق و شوقِ بادۂ گلگوں تجھے نہیں
اک جامِ لعلِ شربتِ قند و گلاب خواہ

خونِ حسود در دمِ شادی شراب گیر
چوں بادہ ایں بود دلِ دشمن کباب خواہ

وقتِ خوشی شراب پی خونِ حسود کی
کھا کوفتے دلوں کے، جگر کے کباب خواہ

گل بوی و شعر گوی و گہر پاش و شاد باش
مستی ز بانگِ بربط و چنگ و رباب خواہ

شعر و گل و گہر سے منا جشن بزم میں
مستی ز بانگِ بربط و چنگ و رباب خواہ

خونِ سیاہِ نافۂ آہو چہ بو دہد
از حلقہ ہائے زلفِ بتاں مشکِ ناب خواہ

خونِ سیاہِ نافۂ آہو کی بو ہے کیا
از حلقہ ہائے زلفِ بتاں مشکِ ناب خواہ

خواہش ازیں گروہِ پری چہرہ ننگ نیست
از چشمِ غمزہ و ز شکنِ طرہ تاب خواہ

نقصان آرزوئے حسیناں میں کچھ نہیں
غمزہ نگہ سے، گیسوئے پُرخم سے تاب خواہ

از رازہا حکایتِ ذوقِ نگاہ گو
از کارہا کشایشِ بندِ نقاب خواہ

ہو ذوق تو حکایتِ تیرِ نگاہ سن
ہو شوق تو کشایشِ بندِ نقاب خواہ

ہرچند خواستن نہ سزاوارِ شانِ تست
قوت ز طالع و نظر از آفتاب خواہ

ارمان و آرزو ترے شایانِ شاں نہیں
قوت ز طالع و نظر از آفتاب خواہ

در تنگنائے غنچہ کشایش ز باد جو
در جویبارِ باغ روانی ز آب خواہ

کر خواہشِ کشایشِ غنچہ نسیم سے
از جوئے بارِ باغ روانیِ آب خواہ

در برگ و ساز گوئے نشاط از بہار بر
در بذل وجود بیعتِ خویش از سحاب خواہ

شرمندہ برگ و ساز سے عیشِ بہار کر
بارانِ التفات سے ننگِ سحاب خواہ

از شمعِ طُور خلوتِ خود را چراغ نہ
از زلفِ حور خیمۂ خود را طناب خواہ

خلوت کدے میں روشنی کر شمع طُور سے
خیمے کی زلفِ حور سے مشکیں طناب خواہ

از آسماں نشیمنِ خود را بساط ساز
از ماہِ نو جنیبتِ خود را رکاب خواہ

فرش اپنے آشیاں کا بنا آسماں کو
از ماہِ نو سمند کی اپنے رکاب خواہ

غالب قصیدہ را بہ شمارِ غزل درآر
وز شہ بریں غزل رقمِ انتخاب خواہ

غالب قصیدہ بھی نہ غزل سے ہے کم یہ جب
تُو بادشاہ سے رقمِ انتخاب خواہ

چوں زبانہا لال و جانہا پُر زغوغا کردۂ
بایدت از خویش پرسید آنچہ با ما کردۂ

گنگ کر کے، جاں میں پیدا شور و غوغا کر دیا
بے بس و بے کس خدایا ہم کو کیسا کر دیا

گر نہ مشتاقِ عرضِ دستگاہِ حسنِ خویش
جاں فدایت، دیدہ را بہرِ چہ بینا کردۂ

رکھنا بندوں کو اگر محروم جلوہ تھا تجھے
تیرے قرباں، پھر بتا کیوں دیدہ بینا کر دیا

صد کشاد آں را کہ ہم امروز رخ بنمودۂ
مژدہ باد آں را کہ محوِ ذوقِ فردا کردۂ

ہے وہ خوش قسمت دکھایا جس کو تُو نے آج رخ
کامراں وہ بھی ہے جس کو محوِ فردا کر دیا

خوبرویاں چہ مذاقِ خوئے ترکاں داشتند
آفرینش را بر ایشاں خوانِ یغما کردۂ

خوبروؤں کو مذاقِ خوئے تاراجی دیا
واسطے ان کے سب عالم خوانِ یغما کر دیا

خستگاں را دل بہ پرسش ہائے پنہاں بردۂ
با دُرستاں گر نوازش ہائے پیدا کردۂ

عاصیوں پر بھی خدایا پرسشِ پنہاں کبھی
نیک بندوں پر جو لطفِ آشکارا کر دیا

چشمۂ نوش است از زہرِ عتابت کامِ جاں
تلخیِ مے در مذاقِ ما گوارا کردۂ

کامِ جاں کو زہرِ تندی ہو گیا شیر و شکر
تلخ بادہ تُو نے جب ہم کو گوارا کر دیا

ذرۂ را روشناسِ صد بیاباں گفتۂ
قطرۂ را آشنائے ہفت دریا کردۂ

ایک ذرہ روشناسِ صد بیاباں ہو گیا
ایک قطرہ آشنائے ہفت دریا کر دیا

دجلہ می جوشد، ہمانا دیدہ ہا جویائے تست
شعلہ می بالد مگر در سینہ ہا جا کردہٗ

دل میں جب اترا، کیا سینہ مرا آتش فشاں
کر کے جویا، آنکھ میں اک جوشِ دریا کر دیا

جلوہ و نظارہ پنداری کہ از یک گوہراست
خویش را در پردۂ خلقے تماشا کردہٗ

پردہ و نظارہ حلقے دو ہیں اک زنجیر کے
پردہ داری کو بھی تو نے اک تماشا کر دیا

چارہ در سنگ و گیاہ و رنج با جاندار بود
پیش ازاں کایں در رسد آں را مہیا کردہٗ

کر کے جانداروں سے پہلے پیدا تو نے برگ و خس
پیشِ بیماری مہیّا اک مداوا کر دیا

دیدہ می گرید، زباں می نالد و دل می تپد
عقدہ ہا از کارِ غالب سر بسر وا کردہٗ

آنکھ میں گریہ، زباں پر نالہ، آتش قلب میں
عقدہ ہا از کارِ غالب سر بسر وا کر دیا

در زمہریرِ سینۂ آسودگاں نۂ
اے دل بدیں کہ غمزدۂ، شادماں نۂ

دل زمہریرِ سینۂ آسودگاں نہیں
ہے شکر، غمزدہ ہے یہ اور شادماں نہیں

اے دیدہ اشک ریختن آئینِ تازہ نیست
خود راز ما مگیر اگر خوں فشاں نۂ

آتے بہانے اشک ہیں ہر آنکھ کو، ولے
وہ آنکھ کچھ نہیں ہے اگر خوں فشاں نہیں

بلبل بگوشۂ قفس از خستگی منال
چوں من بہ بندِ خار و خسِ آشیاں نۂ

بلبل نہ رو قفس میں، ہو خوش، شکر کر ادا
کہ تجھ کو بندِ خار و خسِ آشیاں نہیں

گوئی یکے است پیشِ تو بود و نبودِ من
با من نشستۂ و زمن سرگراں نۂ

لگتا ہے، میرا ہونا، نہ ہونا ہے ایک سا
بیٹھا ہے پاس تُو مرے اور سرگراں نہیں

داغم ز ناکسی کہ بہ تمہیدِ آشتی
رنجیدۂ ز غیر و بمن مہرباں نۂ

دی عاشقی نے مجھ کو کچھ ایسی ہے ناکسی
جو سرگراں بھی آج تُو نامہرباں نہیں

آخر نبودہ ایم ز اول خدا پرست
با ما ز سادگی است اگر بدگماں نۂ

کہتا ہوں اس سے، تھا نہ کبھی میں خدا پرست
کرتا وہ اعتبار مگر بدگماں نہیں

دانستۂ کہ عاشقِ زارم، گدا نیم
دانم کہ شاہدی، شہِ گیتی ستاں نۂ

عاشق ہوں، خستہ حال ہوں، پر میں نہیں گدا
معشوق تُو ہے، پر شہِ گیتی ستاں نہیں

با دیدہ چیست کارِ تو، لختِ جگر نۂ
در دل چراست جائے تو، سوزِ نہاں نۂ

وہ آنکھ میں ہو کیسے جو لختِ جگر نہیں
دل میں سمائے کیسے جو سوزِ نہاں نہیں

غالب ز بودِ تست کہ تنگ است بر تو دہر
بر خویشتن ببال اگر درمیاں نۂ

غالب وجود سے ہے ترے تنگیِ جہاں
ہے کائنات تیری جو یہ درمیاں نہیں

ہر ز فنا فراغ را مژدۂ برگ و ساز دہ
سایہ بہ مہر واگذار، قطرہ بہ بحر باز دہ

طرۂ جیب راز چاک شانۂ التفات کش
عارضِ خویش را ز اشک غازۂ امتیاز دہ

داغ بہ سینہ زیوراست، دل بہ جفا حوالہ کن
مے ز شرر گراں تراست، سنگ بہ شیشہ ساز دہ

از نم دیدہ، دیدہ را رونقِ جوئے بار بخش
و ز تفِ نالہ، نالہ را چاشنیِ گداز دہ

شرم کن آخر اے حیا، ایں ہمہ گیر و دار چیست
خاطرِ غمزہ باز جو، رخصتِ ترکتاز دہ

اے گلِ تر برنگ و بو، ایں ہمہ نازش از چہ رُو
منتِ ابر یک طرف، مزدِ چمن طراز دہ

عالمِ ناثبات کو مژدۂ برگ و ساز دے
سایہ بہ آفتاب دے، قطرہ بہ بحر باز دے

شانۂ چاک پر سجا طرۂ جیب ہر نفس
زردیِ رخ کو اشک سے غازۂ امتیاز دے

سینے کو داغ سے سجا، دل کو جفا شناس کر
مے ہے شرر سے قیمتی، سنگ بہ شیشہ ساز دے

رونقِ جوئے بار دے اشکِ رواں سے آنکھ کو
حدتِ غم سے قلب کو چاشنیِ گداز دے

شرم کر آخر اے حیا، کیسی یہ گیر و دار ہے
غمزہ و نازِ یار کو رخصتِ ترکتاز دے

اے گلِ تر برنگ و بو، ناز کر اس قدر نہ تُو
منتِ ابر یک طرف، مزدِ چمن طراز دے

یا بہ بساطِ دلبری عام مکن ادائے لطف
یا ز نگاہِ خشمگیں مژدۂ امتیاز دہ

اے تو کہ غنچہ را بحثِ شگفتن از براست
سروِ کرشمہ باز را درسِ خرامِ ناز دہ

گر بہ غمے کہ خوردہ ام، رخصتِ اشک و آہ نیست
ہم بہ دلے کہ بردہ ای، طاقتِ ضبطِ راز دہ

اے کہ بحکمِ ناکسی تیرہ ز عیشِ غالبی
خیز و ز راہِ داوری بالِ ہما بہ گاز دہ

یا بہ بساطِ دلبری عام نہ مہر و لطف کر
یا ز نگاہِ خشمگیں مژدۂ امتیاز دے

غنچہ دہن کو تو ترے آتا ہے کھِلنا ہر ادا
سروِ رواں کو بھی کبھی درسِ خرامِ ناز دے

رخصتِ اشک و آہ گر، ہے غمِ عشق کو نہیں
دل کو، جو لے گیا ہے تُو، طاقتِ ضبطِ راز دے

غالبِ خستہ کو ملے جتنے بھی دُکھ ہیں، ٹھیک ہیں
اس کا، تُو شاہِ دلبراں، دل بھی کبھی نواز دے

کیستم دست بہ مشاطگیِ جاں زدہ
گوہر آمائے نفس از دلِ دنداں زدۂ

کیسا اک ہاتھ بہ مشاطگیِ جاں آیا
پارۂ دل کے پروتا ہوا مرجاں آیا

پاسِ رسوائیِ معشوق ہمین است اگر
وائے ناکامیِ دستے بگریباں زدہ

پاسِ رسوائیِ معشوق کرے ضبط طلب
ہائے وہ ہاتھ جو در کرنے گریباں آیا

شوق را عربدہ با حسنِ دل آرا باقی است
من و صد پارہ دلے برصفِ مژگاں زدہ

شوق کو عربدہ با حسنِ دل آرا ہے ابھی
دلِ صد پارہ مرا بر صفِ مژگاں آیا

دلِ صد چاک نگہدار، بجائش بفرست
شانۂ درخمِ آں زلفِ پریشاں زدہ

دلِ صد چاک کو میرے ملی اک امن کی جا
جب وہ اندر خمِ گیسوئے پریشاں آیا

بو کہ در خواب بخود آئی و سحر برخیزی
ساغر از بادۂ نظارۂ پنہاں زدہ

خواب میں دیکھیں اگر مست نگاہیں اپنی
پی کے وہ بادۂ نظارۂ پنہاں آیا

بہرِ سرگرمیِ ما خانہ خرابان باید
حسنے از تابِ خود آتش بہ شبستاں زدہ

ہوئی سرگرمیِ دلِ زار میں پیدا، وہ جب
آتشِ رخ سے جلانے کو شبستاں آیا

فارغ از کشمکشِ عشوہ جنونے دارم
پشتِ پائے بسرِ کوہ و بیاباں زدہ

فارغِ کشمکشِ عشوہ ہوا جب بھی جنوں
شکوہ ویرانی کا کرنے کو بیاباں آیا

حسن در جلوہ گری ہا نکشد منتِ غیر
ہر گل از خویشتن است آتشِ داماں زدہ

حسن کی جلوہ گری دیکھو کہ کیسے ہر گل
آگ بھڑکاتا ہوا اپنی بداماں آیا

تا چہ ما مژدۂ خوں گرمیِ قاتل دارد
ناوکے در رہِ دل قطرہ زپیکاں زدہٴ

ساتھ وہ مژدۂ خوں گرمیِ قاتل لایا
اُڑ کے تیزی سے سوئے سینہ جو پیکاں آیا

خواستم شکوۂ بیدادِ تو انشا کردن
قلم از جوشِ رقم شد خسِ طوفاں زدہٴ

چاہا گر لکھنا کبھی شکوۂ بیداد، تو وہ
نکلا بیرونِ قلم، صُورتِ طوفاں آیا

وائے بر من کہ رقیب از تو بمن بنماید
نامہٴ واشدہٴ، مُہر بہ عنواں زدہٴ

کتنا کم ظرف عدو ہے جو ملا اس کو ترا
کھول کے خط کو، دکھاتا ہوا عنواں آیا

ہدیہ آوردۂ از بزمِ حریفاں ما را
رخِ خوے کردہ زشرم و لبِ دنداں زدہٴ

لبِ دنداں زدہ، عارض عرق آلودہ، وہ
لے کے کیا تحفہ یہ از بزمِ حریفاں آیا

برد در انجمنِ شعلہ رخانم غالبؔ
ذوقِ پروانہٴ بر روئے چراغاں زدہٴ

دیکھ کیا انجمنِ شعلہ رخاں میں غالبؔ
ذوقِ پروانہ لیے سوئے چراغاں آیا

بر دست و پائے بندِ گرانے نہادۂ
نازم بہ بندگی کہ نشانے نہادۂ

بر پا و دست بندِ گراں ایک دے دیا
بندہ بنا کے دل پہ نشاں ایک دے دیا

ایمن نیم ز مرگ اگر رُستہ ام ز بند
دلدوز ناوکے و کمانے نہادۂ

آزاد کر کے صید کو، صیاد تُو نے کیوں
اندیشۂ خدنگ و کماں ایک دے دیا

گوہر ز بحر خیزد و معنی ز فکرِ ژرف
بر ما خراجِ طبعِ روانے نہادۂ

دے کر زباں کو نطق، معانی خیال کو
بارِ خراجِ طبعِ رواں ایک دے دیا

تا در امیدِ عمر بہ پندار بگزرد
از لطف در حیات نشانے نہادۂ

تا پھر اسی خیال میں گزرے یہ زندگی
لطفِ کرم کا اس کو نشاں ایک دے دیا

تا خستۂ بلا نبود بے گریز گاہ
در مرگ احتمالِ امانے نہادۂ

تا خستۂ بلا کو ہو اُمیدِ عافیت
مرنے میں احتمالِ اماں ایک دے دیا

راز است گر دلے بجفائے شکستۂ
داد است گر سرے بہ سنانے نہادۂ

کی شاہدی، جو توڑ کے دل رکھ دیا کوئی
کی داوری، جو سر بہ سناں ایک دے دیا

دوزخ بداغِ سینہ گدازے نہفتہ	دوزخ چھپا کے رکھ دیا سینے کے داغ ہیں
قلزم بہ چشمِ اشک فشانے نہادہ	قلزم بہ چشمِ اشک فشاں ایک دے دیا
بر ہر دلے فسونِ نشاطے دمیدہ	ہر دل فسونِ شوق و تمنّا سے پُر کیا
بر ہر تنے سپاسِ روانے نہادہ	ہر جسم کو سپاسِ رواں ایک دے دیا
ہر دیدہ را درے بخیالے کشودہ	ہر آنکھ کو خیال و تصوّر سے بھر دیا
ہر فرق را دلے بہ گمانے نہادہ	ہر دل کو راستی کا گماں ایک دے دیا
غالبؔ زغصہ مُرد، ہمانا خبر نداشت	غالبؔ کو بعدِ قتل، کیا دفن اس نے جب
کاندر خرابہ گنجِ نہانے نہادہ	گورِ زمیں کو گنجِ نہاں ایک دے دیا

نفس را بر درِ ایں خانہ صد غوغاست پنداری
دلے دارم کہ سرکارِ تمنّا ہاست پنداری

نفس کو آستانِ دل پہ صد غوغا ہے اے ہمدم
مگر دل ہے کہ خود مارا تمنّا کا ہے اے ہمدم

حباب از فرقِ عشاق است و موج از تیغِ خوبانش
شہادت گاہِ اربابِ وفا دریاست پنداری

حباب از فرقِ عشاق اور موجیں تیغِ خوباں ہیں
شہادت گاہِ اربابِ وفا دریا ہے اے ہمدم

بگوشم میرسد از دُور آوازِ درا امشب
دلِ گم گشتۂ دارم کہ در صحراست پنداری

سنائی دُور سے دیتی ہے آوازِ درا شب میں
دلِ گم گشتہ، لگتا ہے کہ در صحرا ہے اے ہمدم

از و باور ندارد دعوئِ ذوقِ شہادت را
نگاہش با رقیب و خاطرش با ماست پنداری

بظاہر مانتا دشمن کا ہے دعویٰ شہادت کا
درونِ پردہ کرتا پر یقیں میرا ہے اے ہمدم

در و دیوار را در زر گرفت آہِ شرر بارم
شبِ آتش نوایاں آفتاب اندا ست پنداری

مری آہِ شرر افشاں سے ہیں دیوار و در روشن
شبِ آتش نوا میں مہر اک نکلا ہے اے ہمدم

گریستم آں قدر کز خوں بیاباں لالہ زارے شد
خزانِ ما بہارِ دامنِ صحراست پنداری

بنایا دیدۂ خونبار نے ہے دشت کو گلشن
خزاں میری بہارِ دامنِ صحرا ہے اے ہمدم

جنونِ الفتِ ہمچو خودے دارد، تماشا کن
شکستِ صد دل از رنگِ رُخش پیداست پنداری

شکستہ دل ہوا ہے اس کا میری طرح، جو اس کے
جنوں کو دیکھ کر، چہرے کا رنگ اڑتا ہے اے ہمدم

نویدِ وعدۂ قتلے بگوشم می رسد غالبؔ
لبِ لعلش بکامِ بیدلاں گویاست پنداری

نوید وعدۂ قتل ایک آئی کان میں غالبؔ
سنا ہے اس کا لب پھر قصدِ جاں کرتا ہے اے ہمدم

بدیں خوبی خرد گوید کہ کامِ دل مخواہ از وے
نکو رُوی و نکوکار و نکو نام است آہ از وے

نکو روئی، نکوکاری، نکونامی و جاہ اس سے
تُو سب کچھ چاہ لیکن کامِ دل ہرگز نہ خواہ اس سے

نگارم سادہ و من رندِ رنگ آمیزِ رسوائیم
چہ نقشِ مدعا بندم بدیں روئے سیاہ از وے

وہ سادہ دل ہے، میں اک رندِ رنگارنگِ رسوا ہوں
کہوں کس طرح اپنا مدعا میں رُوسیاہ اس سے

بموجِ نالہ می روبم غبار از دامنِ زنیش
کمیں ہا دیدہ ام، غافل نیم در صیدگاہ از وے

کمین و دام و دانہ سے ہوں واقف خوب میں، پھر بھی
طلب مہر و وفا کرتا ہوں اندر صیدگاہ اس سے

جنونِ رشک را نازم کہ چوں قاصد رواں گردد
دوم بے خویش و گیرم نامہ اندر نیمہ راہ از وے

جنونِ رشک تو دیکھو کہ قاصد کو رواں کر کے
میں جا کر چھینتا ہوں نامہ اندر نیم راہ اس سے

چہ سنجم داوری با سامری سرمایہ محبوبے
کہ باشد چو دلِ داور زبانِ داد خواہ از وے

امیدِ داوری کیوں کر ہو، ایسا ہے فسوں گر وہ
کہ بنتا ہے دلِ داور، زبانِ داد خواہ اس سے

زہم دُوریم با ایں مایہ نسبت، نامرادی بیں
شبِ تاریک از ما باشد و روئے چو ماہ از وے

ہے کیسی نامرادی، فرق دیکھو اس میں اور مجھ میں
کہ دن تاریک مجھ سے، رات کو ہیں نجم و ماہ اس سے

شکستن را خدایا ہم بدیں اندازہ قسمت کن
دلے از ما و عہد و طرہ و طرفِ کلاہ از وے

ہے عادل گر تُو یا رب کیوں شکستہ لے کے کرتا ہے
دل ہم سے اور عہد و کاکل و طرفِ کلاہ اس سے

بتاں را جلوۂ نازش بوجد آرد، شگرفے ہیں
برہمن باشد اما دیر گردد خانقاہ ازوے

شدم غرقِ نشاطِ نظارہ و باغیر در تابم
کہ دانم می تراود دعویٰ ذوقِ نگاہ ازوے

نگاہش سرمگیں باشد چو مژگاں سرکش است آرے
فرو ماند سپہ دارے کہ برگردد سپاہ ازوے

بہ غالب آشتی کردیم دیگر داوری نبود
گزافِ دائمی ازما، شرابِ گاہ گاہ ازوے

بتوں کو وجد میں لاتا ہے، جب کرتا ہے وہ جلوہ
ہے گو کافر، مگر بنتا ہے مندر خانقاہ اس سے

ہوں خود تو غرقِ جلوہ، دیکھ کر جلتا ہوں میں لیکن
کرے ہے جب بھی دشمن دعویٰ ذوقِ نگاہ اس سے

نگہ ہوتی ہے اس کی سرمگیں مژگانِ سرکش سے
کرے کیا بادشہ، ہووے اگر باغی سپاہ اس سے

ہو صلح و آشتی ساقی سے آخر کیسے، جب غالب
ہے عرضِ دائمی ہم کو، شرابِ گاہ گاہ اس سے

نخواہم از صفِ حوراں ز صد ہزار یکے
مرا بس است ز خوبانِ روزگار یکے

طلب نہ مجھ کو بہ حورانِ صد ہزار ہے اک
مرا نگار ز خوبانِ روزگار ہے اک

سراغِ وحدتِ ذاتش تواں ز کثرت جست
کہ سائر است در اعدادِ بے شمار یکے

سراغِ وحدتِ ذاتِ خدا ہے کثرت میں
کہ سارا حاصلِ اعدادِ بے شمار ہے اک

کسے کہ مدعیِ سستیِ اساسِ وفاست
نشاں دہد ز بناہائے استوار یکے

ہے وہ جو مدعیِ سستیِ اساسِ وفا
کم از کم اس کو عقیدۂ استوار ہے اک

چگویم از دل و جانے کہ در بساطِ من است
ستم رسیدہ یکے، نامیدوار یکے

خدا نے ایسے دل و جاں دئے مجھے، جن میں
ستم رسیدہ ہے اک، نا امیدوار ہے اک

دو برقِ فتنہ نہفتند در کفِ خاکے
بلائے جبر یکے، رنجِ اختیار یکے

چھپا کے فتنے رکھے ایک مشتِ خاک میں دو
بلائے جبر ہے اک، رنجِ اختیار ہے اک

دلا منال کہ گویند در صفِ عشاق
ستوہ آمدہ از جورِ خوئے یار یکے

دل اے تُو اتنا نہ رو، عاشقوں میں ہے چرچا
کہ آج ان میں سے 'بے زارِ جورِ یار' ہے اک

ز نالہ ام بدلت می رسد ہزار آسیب
نشد کہ سنگِ تو بیروں دہد شرار یکے

سنا ہے رکھتی ہے فریاد اک اثر لیکن
کبھی نہ سنگ سے نکلا ترے شرار ہے اک

مرو ز آئینہ خانہ کہ خوش تماشائے است
یکے تو محوِ خودی و چو تو ہزار یکے

یہ کیسا آئینہ خانے میں اک تماشا ہے
نمایاں تُو ہی دروں عکسِ صد ہزار ہے اک

زہے نگاہِ سبک سیر و شرمِ دُور اندیش
یکے بہ دُزدیِ دل رفت و پردہ دار یکے

زہے نگاہِ سبک سیر و شرمِ دُور اندیش
کہ ایک دل کو چراتی ہے، پردہ دار ہے اک

قماشِ ہستیِ من یکسر آتش است آتش
مرا چو شعلہ بود پشت و روئے کار یکے

قماشِ ہستی میں میری ہے آتش و آتش
وجود سارا مرا برقِ شعلہ بار ہے اک

چہ شد کہ ریخت زباں رنگِ صد ہزار سخن
بخوں سرشتہ نوائے ز دل برآر یکے

تری زبان پہ ہے رنگِ صد ہزار سخن
نکال گر کوئی آوازِ دل فگار ہے اک

دم از ریاستِ دہلی نمی زنم غالبؔ
منم ز خاک نشینانِ آں دیار یکے

لگے ریاست دہلی میں دل نہ غالبؔ کا
دے اس کو، خاک نشینوں کا جو دیار ہے اک

اندوہِ پُر افشانی از چہرہ عیان استے
خوں ناشدہ رنگ اکنوں از دیدہ روان استے

اندوہ جدائی کا چہرے پہ عیاں ہووے
خوں بن کے دلِ عاشق آنکھوں سے رواں ہووے

صدرہ بہ ہوس خود را با وصلِ تو سنجیدم
یک مرحلہ تن وانگہ صد قافلہ جان استے

اے جانِ ہوس تیری مل جائے اگر وصلت
اک لذّتِ تن ہووے، صد حظِ رواں ہووے

ذوقِ دل خود کامش، دریاب ز فرِ جامش
ہر حلقۂ گلدامش، چشمے نگران استے

ذوقِ دلِ صیادی کیسے رہے چھپ کے جب
ہر حلقۂ دام اس کا چشمِ نگراں ہووے

رَو، تن بہ خرابی دہ، تا کارِ رواں گردد
طوفان زدہ زورق را ہر موج عنان استے

دے جسم خرابی کو، تا کار رواں ہو اور
طوفاں زدہ کشتی کو، ہر موج عناں ہووے

چشمے کہ بما دارد، ہم رُو بہ قفا دارد
خود نیز رخِ خود را، از حیرتیان استے

حسن اپنے نظارے میں مشغول رہے ہر دم
فرصت اسے کرنے کی جلوے کی کہاں ہووے

جاں باغ و بہار، اما در پیشِ تو خاک استے
تن مشتِ غبار، اما در کوئے تو جان استے

جاں باغ و بہار، اما آگے ترے خاکستر
تنِ مشتِ غبار، اما کُوئیں ہو تو جاں ہووے

رازِ تو شہیداں را در سینہ نمی گنجد
ہر سبزہ دریں مشہد مانا بہ زبان استے

سینے میں شہیدوں کے ہوں راز نہاں کیسے
مشہد کا جو ہر خوشہ مانندِ زباں ہووے

ساقی بہ زر افشانی، دانم ز کریمانی
پیمانہ گراں تر دہ، گر بادہ گران استے

دولت کے لٹانے میں فیاض ہے تو ساقی
پیمانہ گراں تر دے گر بادہ گراں ہووے

فیضِ ازلی نبود مخصوص گروہے را
حرفے است کہ مے خوردن آئینِ مغان استے

فیضِ ازلی کو ہے مخصوص نہ اک فرقہ
لازم نہیں مے خواری آئینِ مغاں ہووے

ہم جلوۂ دیدارش در دیدہ نگاہ استے
ہم لذّتِ آزارش در سینہ روان استے

جلوہ جو نظر آئے، ہو آنکھ کی بینائی
آزار ملے ایسا کہ لذّتِ جاں ہووے

غالب سرِ خُم بکشا، پیمانہ بہ مے درزن
آخر نہ شبِ ماہ ست، گیرم رمضان استے

غالب کہو ساقی سے، پُر لطف شبِ مہ میں
وہ جام بھرے، چاہے ماہِ رمضاں ہووے

بدل ز عربدہ جائے کہ داشتی داری
شمارِ عہدِ وفائے کہ داشتی داری

دل ایک عربدہ جا ہے وہی جو پہلے تھا
کہ بغض اس میں بھرا ہے وہی جو پہلے تھا

بہ لب چہ خیزد از انگیز وعدہ ہائے وفا
بدل نشستِ جفائے کہ داشتی داری

لبوں پہ وعدے وفا کے ہیں تیرے گر تو کیا
دل اک نشستِ جفا ہے وہی جو پہلے تھا

تو کے ز جور پشیماں شدی، چہ میگوئی
دروغِ راست نمائے کہ داشتی داری

تُو اور تیری پشیمانیِ جفا، اللہ
دروغِ راست نما ہے وہی جو پہلے تھا

بہ سینہ چوں دل و در دل چوں جاں خزیدی و باز
نگاہِ مہر فزائے کہ داشتی داری

سمایا تُو ہے مرے جان و دل میں جو پھر سے
فسونِ جان فزا ہے وہی جو پہلے تھا

عتاب و مہرِ تو از ہم شناختن نتواں
خرد فریب ادائے کہ داشتی داری

عتاب و مہر میں کرنی تمیز مشکل ہے
ترا فریبِ ادا ہے وہی جو پہلے تھا

خرابِ بادۂ دوشینہ، سرت گردم
ادائے لغزشِ پائے کہ داشتی داری

خمارِ بادہ ہے یا مستیِ شباب تری
بہک کے چلنا ترا ہے وہی جو پہلے تھا

بہ کردگار نگردیدی و ہماں بہ فسوس
حدیثِ روزِ جزائے کہ داشتی داری

نہ دل میں خوفِ خدا ہے، نہ فکرِ روزِ جزا
طریقِ مکر و ریا ہے وہی جو پہلے تھا

کرشمہ باز نہالے کہ بودۂ ہستی
بسر زفتنہ ہوائے کہ داشتی داری

کرشمہ باز طبیعت وہی جو پہلے تھی
دماغ فتنہ بھرا ہے وہی جو پہلے تھا

ہنوز ناز پئے غمزہ گم نداند کرد
ادائے پردہ کشائے کہ داشتی داری

ہے نازِ حسن ترا دم بدم پئے غمزہ
کرشمہ پردہ کشا ہے وہی جو پہلے تھا

جہانیاں ز تو برگشتہ اند گر غالب
ترا چہ باک خدائے کہ داشتی داری

ہوئے ہیں لوگ اگر تجھ سے منحرف غالب
نہ ڈر کہ تیرا خدا ہے وہی جو پہلے تھا

اگر بہ شرع سخن درمیاں بگردانی
زسوئے کعبہ رخِ کارواں بگردانی

جو تجھ پہ حسنِ حقیقت عیان ہوجائے
مکان شیخ ترا لا مکان ہوجائے

بہ نیم ناز کہ طرحِ جہانِ نو فگنی
زمیں بگستری و آسماں بگردانی

اک آشیانہ بنا ایسا آدمِ خاکی
زمین فرش ہو، چھت آسمان ہوجائے

بیک کرشمہ کہ بر گلبنِ خزاں ریزی
بہار را بدرِ بوستاں بگردانی

کرشمہ تیرا اگر گلبنِ خزاں دیکھے
بہارِ حسنِ گل و گلستان ہوجائے

بخاطرے کہ درآئی، بجلوہ آرائی
بلائے ظلمتِ مرگ از رواں بگردانی

کبھی تُو دل میں اگر آ کے جلوہ آرا ہو
بلائے مرگ سے آزاد جان ہوجائے

بہ گلشنے کہ خرامی، ببادہ آشامی
قدح بہ جوشِ گل و ارغواں بگردانی

خراماں باغ میں آئے تو دیکھ کر تجھ کو
قدح بدستِ گل و ارغوان ہوجائے

بہ بیم خوئے خودم در عدم بخوابانی
بہ ذوقِ روئے خودم درجہاں بگردانی

کرے جو بے رخی، جاں لیوے عاشقوں کی وہ
دکھائے جلوہ تو جانِ جہان ہوجائے

بہ بذلہ خاطرِ اسلامیاں بیازاری
بجلوہ قبلۂ زردشتیاں بگردانی

بہ پردہ خاطرِ اسلامیاں کرے غمگیں
بہ جلوہ قبلۂ زردشتیان ہوجائے

اجازتے کہ کنم نالہ تا کجا غالبؔ
زلب بہ سینۂ تنگم فغاں بگردانی

چھپا کے سینے میں رکھے گا کب تلک غالبؔ
ہے وقت اب کہ زباں پر فغان ہوجائے

اے موجِ گل نویدِ تماشائے کیستی
انگارۂ مثالِ سراپائے کیستی

اے رنگِ گل نویدِ تماشا ہے کس کا تو
انگارۂ جمال دکھاتا ہے کس کا تو

بے ہودہ نیست سعیِ صبا در دیارِ ما
اے بوئے گل پیامِ تمنّائے کیستی

لائی صبا جو ساتھ ہے تجھ کو بہار میں
اے عطرِ گل پیامِ تمنّا ہے کس کا تو

خوں گشتم از تو باغ و بہارِ کہ بودۂ
کُشتی مرا بہ غمزہ، مسیحائے کیستی

کرتا ہے خونِ دل جو مرا ناز سے، بتا
باغ و بہار کس کا، مسیحا ہے کس کا تو

یادش بخیر، تا چہ قدر سبز بودۂ
اے طرفِ جوئبارِ چمن، جائے کیستی

شاداب و سبز اتنا جو ہے، اے کنارِ جُو
خود کو مقامِ سیر بناتا ہے کس کا تو

از خاک غرقۂ کفِ خونے دمیدۂ
اے داغِ لالہ نقشِ سویدائے کیستی

نکلا ہے تو جو غرقۂ خوں خاک سے، بتا
اے داغِ لالہ نقشِ سویدا ہے کس کا تو

نشنیدہ لذّتِ تو فرو می رود بدل
اے حرف محوِ لعلِ شکرخائے کیستی

لذّت ہوئی ہے دل نشیں تیری بِنا سنے
اے حرف محوِ لعلِ شکرخا ہے کس کا تو

با تو بہار ایں ہمہ سامانِ ناز نیست
نہرستِ کارخانۂ یغمائے کیستی

ہوتا نہیں بہار میں بھی اس قدر متاع
سامانِ کارخانۂ یغما ہے کس کا تو

در شوخیِ تو چاشنیِ پَر فشانی است
بے پردہ صیدِ دامِ تپش ہائے کیستی

شوخی میں تیری چاشنیِ اضطراب ہے
بے پردہ صیدِ دامِ تپش ہا ہے کس کا تو

از ہیچ نقشِ غیر نکوئیٔ ندیدۂ
اے دیدہ محوِ چہرۂ زیبائے کیستی

آتا سوائے حسن نہیں کچھ نظر جو اب
اے دیدہ محوِ چہرۂ زیبا ہے کس کا تو

غالب نوائے کلکِ تو دل می برد بدست
تا پردہ سنجِ شیوۂ انشائے کیستی

غالب نوائے کلک جو ایسی ہے دلربا
نغمہ سرائے شیوۂ انشا ہے کس کا تو

وقت آنکہ کسبِ بوئے تو از باد کردمے
گل دیدمے و روئے ترا یاد کردمے

دل میرا بوئے زلف سے آباد تھا بہت
آتا گلوں کو دیکھ کے تُو یاد تھا بہت

وقت آنکہ گر براہِ تو جاں دادمے بذوق
از موجِ گردِ رہ نفس ایجاد کردمے

جاں دیتا تیری رہ میں جو تنہا، دیکھ کر مجھے
ہوتا غبارِ رہ نفس ایجاد تھا بہت

وقت آنکہ گر لبت نہ بہ نفریں نواختنے
رنجیدمے و عربدہ بنیاد کردمے

دشنام سے نوازتے گر لب نہ تھے ترے
کرتا میں تجھ سے داد تھا فریاد تھا بہت

وقت آنکہ قیس را بستگی ستودمے
درچابکی ستائشِ فرہاد کردمے

اک وقت تھا کہ قیس کی کرتا تھا پیروی
کرتا بھی میں ستائشِ فرہاد تھا بہت

وقت آنکہ جانبِ رخ و قدت گرفتمے
در جلوہ بحث باگل و شمشاد کردمے

ہوتا تھا ذکرِ صورت و قامت کا جب تری
کرتا میں بحث باگل و شمشاد تھا بہت

وقت آنکہ در ادائے سپاسِ پیامِ تو
ہر گونہ مُرغِ صد قفس آزاد کردمے

آتا اگر پیام تھا تیرا تو شکر میں
کرتا قفس سے مُرغ میں آزاد تھا بہت

اکنوں خود از وفائے تو آزار می کشم
وقت آنکہ از جفائے تو فریاد کردمے

ناخوش ہوں اب وفا سے بھی، اک وقت تھا کہ جب
ہوتا جفا سے مائلِ فریاد تھا بہت

بندم منہ زطرہ کہ تابم نماندہ است
وقت آنکہ خویش را بہ بلا شاد کردمے

کر اب اسیرِ زلف نہ مجھ کو، گئے وہ دن
دل رہتا رہ کے قید میں بھی شاد تھا بہت

آخر بہ دادگاہِ دگر اوفتادہ کار
وقت آنکہ از تو شکوۂ بیداد کردمے

اب غم ہیں مجھ کو فرصتِ فریاد تک نہیں
وہ دن گئے کہ شکوۂ بیداد تھا بہت

غالب ہوائے کعبہ بسر جا گرفتہ است
وقت آنکہ عزم خلّخ و نوشاد کردمے

غالب خیالِ کعبہ ہے اب سر میں رات دن
تھا وقت اک کہ دل عجم آباد تھا بہت

اے کہ گفتم ندہی دادِ دل، آرے ندہی
تا چوں من دل بہ مغاں شیوہ نگارے ندہی

اطمناں روح میں اسے، جاں میں قرار ایک نہیں
قلب میں جس کے مغاں شیوہ نگار ایک نہیں

چشمۂ نوش ہمانا نتراود ز دلے
کش نگیری و در اندیشہ فشارے ندہی

چشمۂ نوش اُبھرتا نہیں اس کے دل سے
جس کے سینے میں غمِ الفت یار ایک نہیں

ماہ و خورشید دریں دائرہ بے کار تیند
تو کہ باشی کہ بخود زحمتِ کارے ندہی

ماہ و خورشید کریں کام ہیں اپنے اپنے
ایک تو ہے کہ جسے زحمتِ کار ایک نہیں

پائے را خضر قدم سنجیِ کوئے نشوی
دوش را قدرِ گراں سنگیِ بارے ندہی

پاؤں کو تیرے قدم سنجی خضر کی نہ ملی
تیرے شانے پہ گراں سنگیِ بار ایک نہیں

سر براہِ دمِ شمشیرِ جوانے نہ نہی
تن بہ بندِ خمِ فتراکِ سوارے ندہی

سر کوئی بر دمِ شمشیرِ جواں سال نہیں
تن بہ بندِ خمِ فتراکِ سوار ایک نہیں

سینہ را خستۂ اندازِ فغانے نکنی
دیدہ را مالشِ بیدادِ غبارے ندہی

رکھتا اندازِ فغاں اک دلِ افگار نہیں
سرمہ سا چشم بہ بیدادِ غبار ایک نہیں

خوں بذوقِ غمِ یزداں نشناسے نخوری
دیں بہ مہرِ حقِ الفت نگزارے ندہی

کھاتا کوئی غمِ یزداں نشناس آج نہیں
کرتا عشقِ حقِ الفت نگزار ایک نہیں

آخر کار نہ پیداست کہ در تنِ افسرد
کفِ خونی کہ بداں زینتِ دارے ندہی

پڑھتا اب کلمۂ منصور نہیں ہے کوئی
جسمِ خونیں یہاں اب زینتِ دار ایک نہیں

حیف گر تن بہ سگانِ سرکوئے نہ رسد
وائے گر جاں بسرِ راہگذارے ندہی

کرتا اک ہے نہ سگ کوئے بتاں کی خدمت
جاں فدا کرتا سرِ راہگزار ایک نہیں

رہزنانِ اجل از دستِ تو ناگاہ برند
نقدِ ہوشے کہ بہ سودائے بہارے ندہی

کوئی اک دیتا نہ رہزن کو متاع اپنی ہے
نقدِ دل دیتا بہ سودائے نگار ایک نہیں

بہ خمِ طرۂ حورانِ بہشت آویزند
نازپرورده دلے راکہ بہ یارے ندہی

زلفِ حوری میں بندھے شیخ جو ہیں ان میں سے
رکھتا دل کو بہ خمِ گیسوئے یار ایک نہیں

گر تنزل نبود، ابرِ بہاری غالب
کہ دُر افشانی ز افشاندہ شمارے ندہی

کرتا محفل میں ہے غالب گہرافشانی جب
رہتا بالکل اسے گوہر کا شمار ایک نہیں

ہمنشیں جانِ من و جانِ تو ایں انگیز ، ہے
سینہٴ از ذوقِ آزارِ منش لبریز ، ہے

دوستو دیکھو وہ دلبر کیسا فتنہ خیز ہے
ذوقِ جاں سوزی سے کتنا اس کا دل لبریز ہے

غیر دانم لذّتِ ذوقِ نگہ دانستہ است
کز پئے قتلم بدستش دادِ تیغِ تیز ، ہے

لذّتِ نظارہ میری دیکھ کر، اس کو عدو
قتل کرنے کے لئے اک تیغ دیتا تیز ہے

می چکد خونم، رگِ ابر است آں فتراک، ہائے
می تپد خاکم، دمِ باد است آں شب دیز، ہے

خون ٹپکاتا مرا ہے گرد میں فتراک اک
خاک کو میری اڑاتا ایک اسپِ تیز ہے

بر سر کوئے تو بے خود گشتنم از ضعف نیست
گشتہٴ رشکم نیارم دیدِ خود را نیز، ہے

رشک نے بے خود کیا ہے، ناتوانی نے نہیں
دیکھنا خود کو ترے کوچے میں رشک انگیز ہے

ننگ باشد چشم بر ساطور و خنجر دوختن
غنچہ آسا سینہٴ خواہم جراحت خیز، ہے

حاجتِ شمشیر و خنجر بات رسوائی کی ہے
صورتِ غنچہ، مرا سینہ جراحت خیز ہے

تیشہ را نازم کہ بر فرہاد آساں کرد مرگ
خنجرِ شیرویہ و جاں دادنِ پرویز، ہے

کوہکن کی موت تیشے سے ہوئی آساں مگر
مرنا مشکل تیغِ قاتل سے تجھے پرویز ہے

غمزہ را آں گوشہٴ ابرو کشادِ دیگر است
آں خرامِ توسن و ایں جنبش مہمیز، ہے

جنبش ابرو سے ہوتا ہے سبک غمزہ بہت
غمزہ توسن ہے ترا، ابرو اگر مہمیز ہے

گفتم آرے رونقِ بازارِ کسریٰ بشکنی
گرم کردی در جہاں ہنگامہٴ چنگیز، ہے

کیا ہوئی نوشیرواں کی رونق بازار اب
کیسا دنیا میں یہ اک ہنگامہٴ چنگیز ہے

غالب از خاکِ کدورت خیزِ ہندم دل گرفت
اصفہاں، ہے یزد، ہے شیراز، ہے تبریز، ہے

چھوڑ یہ غالب کدورت ہند کی اور چل جہاں
اصفہاں ہے، یزد ہے، شیراز ہے، تبریز ہے

خوشنود شوی چوں دلِ خوشنود نیابی
ترسم کہ زیاں کارِ کسے، سود نیابی

خوش تُو ہے اگر، دل مرا خوشنود نہیں ہے
یوں ملتا، زیاں کار کبھی سود نہیں ہے

از قافلۂ گرم روانِ تو نباشد
رخنے کہ بہ سیلش شرر اندود نیابی

وہ کب ہے ترے قافلۂ گرم رواں کا
جو سیل میں ساماں شرر آلود نہیں ہے

فرقے است نہ اندک ز دلم تا بدلِ تو
معذوری اگر حرفِ مرا زُود نیابی

دل میں مرے تیرے ہے بہت فاصلہ اور تُو
سمجھے مری دیرینہ لگن زُود نہیں ہے

بر ذوقِ خداداد، نظر دوختگانیم
در سینۂ ما زخمِ نمک سود نیابی

ہے لذّتِ ناسور خداداد ہماری
کیا غم ہے اگر یہ نمک آلود نہیں ہے

در وجد و بہ ہنجارِ نفس دست فشانیم
در حلقۂ ما رقصِ دف وعود نیابی

آہنگِ نفس سے مجھے ملتی ہے قیادت
یہ وجد کوئی رقصِ دف وعود نہیں ہے

در مشربِ ما خواہشِ فردوس نجوئی
در مجمعِ ما طالعِ مسعود نیابی

مذہب میں مرے خواہشِ فردوس نہیں کچھ
محفل میں مری طالعِ مسعود نہیں ہے

در بادۂ اندیشۂ ما دُرد نہ بینی
در آتشِ ہنگامۂ ما دُود نیابی

ہے بادۂ اندیشہ مرا دُرد سے خالی
ہنگامے کی آتش میں مرے دُود نہیں ہے

چوں آخرِ حسن است بما ساز کہ دیگر
باہم کششِ مانعِ مقصود نیابی

ہے ختم جوانی تری، کر ربط کہ باہم
الجھن کوئی اب مانعِ مقصود نہیں ہے

غالب بہ دکانے کہ بہ امید کشودیم
سرمایۂ ما جز ہوسِ سود نیابی

امید کی غالب جو دکاں کھولی ہے، اس میں
سرمایہ مرا جز ہوسِ سود نہیں ہے

سرچشمۂ خوں ست ز دل تا بہ زباں، ہائے
دارم سخنے با تو و گفتن نتواں، ہائے

سرچشمۂ خوں دل سے رواں تا بہ زباں ہے
کر سکتی نہیں حال زباں پھر بھی بیاں ہے

سیرم نتواں کرد ز دیدارِ نکویاں
نظارہ بود شبنم و دل ریگِ رواں، ہائے

دیدار سے ہو سکتا نہیں سیر کبھی دل
کر سکتی نہ شبنم کوئی تر ریگِ رواں ہے

در خلوتِ تابوت نرفت است ز یادم
بر تختۂ در دوختہ چشمِ نگراں، ہائے

تاریکیِ تابوت میں بھی آتی نظر ہے
در پردہ، پسِ پردہ جو چشمِ نگراں ہے

اے فتویٔ ناکامیِ مستاں کہ تو باشی
مہتابِ شبِ جمعۂ ماہِ رمضاں، ہائے

تشنہ لبی رندوں کی بڑھی، آیا جو بن کر
تُو ماہِ شبِ جمعۂ ماہِ رمضاں ہے

از جنت و سرچشمۂ کوثر چہ کشاید
خوں گشتہ دل و دیدۂ خونابہ فشاں، ہائے

جنّت میں نہ سرچشمۂ کوثر سے شگفتہ
خوں گشتہ دل، و دیدۂ خونابہ فشاں ہے

در زمزمہ از پردہ و ہنجار گزشتیم
رامشگریِ شوق بہ آہنگِ فغاں، ہائے

ہے زمزمۂ عشق نہ پابندِ دف و نے
نغمہ گریِ شوق بہ آہنگِ فغاں ہے

سیماب تنے کز رمِ برق است نہادش
گر دیدہ مرا مایۂ آرامشِ جاں، ہائے

سیماب تنی، برق رَوی، جس کی ہے طینت
دیکھو وہ بنا کیسا مجھے راحتِ جاں ہے

غالب بہ دل آویز کہ در کار گہِ شوق
نقشے است دریں پردہ بصد پردہ نہاں، ہائے

دل تیرا جو اک کارگہِ شوق ہے غالبؔ
نقشِ ازلی اس میں بصد پردہ نہاں ہے

زاہد کہ و مسجد چہ و محراب کجائی
عید است و دمِ صبح، مئے ناب کجائی

معلوم ہے مسجد کہاں، محراب کہاں ہے
ہے عید، بتا شیخ، مئے ناب کہاں ہے

دریا ز حباب آبلہ پائے طلبِ تست
نورِ نظرا اے گوہرِ نایاب کجائی

ہے آبلہ پا بحر حبابوں سے، طلب میں
پوچھے ہے مرا گوہرِ نایاب کہاں ہے

بوئے گل و شبنم نہ سزد کلبۂ ما را
صرصر تو کجا رفتی و سیلاب کجائی

غنچانے کو حاجت گل و شبنم کی نہیں کچھ
آندھی کہاں، طوفاں کہاں، سیلاب کہاں ہے

حشر است و خدا داور و ہنگامہ بہ پایاں
اے شکوۂ بے مہریِ احباب کجائی

داور ہے خدا، حشر ہے، تُو وقت میں ایسے
اے شکوۂ بے مہریِ احباب کہاں ہے

آں شور کہ گردابِ جگر داشت، ندارد
اے لختِ دلِ غرقہ بخوناب کجائی

ہے ختم جو خوں آنکھ سے بہتا تھا جگر کا
تُو اے دلِ صد غرقۂ خوناب کہاں ہے

چوں نیست نمک سائیِ اشکم، بہ فغانم
کاے روشنیِ دیدۂ بے خواب کجائی

اشکوں میں رہی میرے نمک سائی نہ اب، تُو
اے روشنیِ دیدۂ بے خواب کہاں ہے

غواصیِ اجزائے نفس دیر ندارد
از دل نہ دمی، داغِ جگر تاب کجائی

اب سلسلۂ تارِ نفس ٹوٹ رہا ہے
اے دل وہ ترا داغِ جگر تاب کہاں ہے

شورے است نوا ریزیِ تارِ نفسم را
پیدا نہ ای، اے جنبشِ مضراب کجائی

ابھرائے تھی جو شور مرے تارِ نفس سے
اے جاں وہ تری جنبشِ مضراب کہاں ہے

بنمائے بہ گوسالہ پرستاں یدِ بیضا
غالب بہ سخن صاحبِ فرتاب کجائی

غالب تُو دکھا سامریوں کو یدِ بیضا
سننے کی سخن حق کی انہیں تاب کہاں ہے

دیده ور آنکه تا نهد دل بشمارِ دلبری
در دلِ سنگ بنگرد رقصِ بتانِ آذری

دیدہ ور وہ جو، کرے گر جستجوئے دلبری
دیکھے قلبِ سنگ میں رقصِ بتانِ آذری

فیضِ نتیجۂ ورع از مے و نغمہ یافتیم
زہرۂ ما بریں افق دادہ فروغِ مشتری

زہد اور تقوی کا فیض آتا مے و نغمہ سے ہے
حسنِ زہرہ سے افق پر ہے فروغِ مشتری

تا نبود بہ لطف و قہر، ہیچ بہانہ درمیاں
شکر گرفت نارسا، شکوہ شمرد سرسری

قہر کرتا ایک پر ہے، دوسرے پر مہر وہ
شکر جانے نارسا، شکوہ جو سمجھے سرسری

اے تو کہ ہیچ ذرہ را، جز بہ رہِ تو روئے نیست
در طلبت تواں گرفت بادیہ را بہ رہبری

ریزہ ریزہ قلب کا کرتا ہے تیری جستجو
ہے تو سرگرداں مگر، ہے بے نیازِ رہبری

ہر کہ دل است در برش، داغِ تو رویدش ز دل
تا چو بہ دیگرے دہد، باز بری بہ داوری

جس کے سینے میں ہے دل، رکھتا وہ تیرا داغ ہے
دلبری سے تو ہر اک دل پر کرے ہے داوری

بسکہ بہ فنِ عاشقی غیرتِ غیر جاں گزاست
با تو خوشم کہ جز تو نیست روئے بہ ہر کہ آوری

عاشقی جو بھی کرے تجھ سے تو اس کے واسطے
ماسوا تیرے نہیں، ہو جس کو حقِ دلبری

رشکِ ملک چہ و چرا، چوں بتو رہ نمی برد	کیوں کروں رشکِ فرشتہ، وہ بھی بے تابی سے جب
بیہدہ در ہوائے تو می پَرد از سبکسری	اڑتا پھرتا ہے ہوائے شوقِ جلوہ میں تری
کوثر اگر بمن رسد، خاک خورم ز بے نمی	ہو شکایت بے نمی کی، گر ملے کوثر مجھے
طوبیٰ اگر زمن شود، ہیمہ کشم ز بے بری	گر ملے طوبیٰ، مقدر میں مرے ہو بے بری
دردِ ترا بوقتِ جنگ قاعدۂ تہمتنی	درد تیرا جنگ میں رکھتا ہے زورِ رستمی
فکر مرا بہ زیرِ زنگ آئینۂ سکندری	فکر میرا زنگ میں آئینۂ اسکندری
بینی ام از گدازِ دل، در جگر آتشے چوں سیل	رہ ہو گر دل میں مرے غالب تجھے، تُو دیکھ کیا
غالب اگر دمِ سخن، رہ بہ ضمیرِ من بری	یہ گدازِ دل کرے میرا جگر ہے آذری

زبسکہ با تو بہر شیوہ آشنا ستمے
بہ عشق مرکزِ پرکارِ فتنہ ہا ستمے

ہوا ادا سے تری جب سے آشنا ہوں میں
مصیبتوں سے ہزاروں گھرا ہوا ہوں میں

امیدگاہِ من و ہمچو من ہزار یکیست
ز رشک در صددِ ترکِ مدعا ستمے

ہے رشک دیکھ کے عشاق اس قدر تیرے
کہ ترک کرنے کو تیار مدعا ہوں میں

سخن ز دشمن و غم ہائے ناگوارش نیست
ز دوست داغِ ستم ہائے ناروا ستمے

گلہ عدو سے نہیں، شکوہ یار سے ہے مجھے
ہلاکِ داغِ ستم ہائے ناروا ہوں میں

دیت مگو، و ملامت مسنج و فتنہ مگیر
چہ شد کہ، ہیچ کسم، بندۂ خدا ستمے

نہ کر تو ایسی ملامت، نہ کہہ بُرا اتنا
بُرا سہی مگر اک بندۂ خدا ہوں میں

ستم نگر کہ بدیں بختِ تیرہ کہ مراست
ز بہرِ فرقِ عدو سایۂ ہما ستمے

ستم یہ کتنا ہے کہ باوجودِ بدبختی
سرِ عدو کے لئے سایۂ ہما ہوں میں

چگونہ تنگ توانم کشیدنت بہ کنار
کہ با تو در گلہ از تنگیِ قبا ستمے

ہزار رشک سے ہوتی ہے مجھ کو دل تنگی
جو دیکھتا یہ تیری تنگیِ قبا ہوں میں

نکردہ وعدہ کہ بر عاجزاں بہ بخشاید
امید سنجِ فغاں ہائے نارسا ستمے

سنا ہے جب سے کہ عاجز کی ہوگی بخشائش
امید سنجِ فغاں ہائے نارسا ہوں میں

ببادہ داغِ خودی از رواں فرو شستہ
ہلاکِ مشربِ رندانِ پارسا ستمے

وہ دھوویں داغِ خودی ہیں شراب سے اپنے
فدائے شیوۂ رندانِ پارسا ہوں میں

بہرزہ ذوقِ طلب می فزایدم غالب
کہ باد در کف و آتش بہ زیرِ پا ستمے

فزون ذوقِ طلب کر رہا ہوں میں غالب
کہ باد در کف و آتش بہ زیرِ پا ہوں میں

دلم در نالہ از پہلوئے داغِ سینہ تاب استے
برآتش پارۂ چسپیدہ لختے از کباب استے

لگا یوں قلب پر اک داغ، کر کے سینہ تابی ہے
چپکتا جیسے انگارے پہ اک لختِ کبابی ہے

بہارم دیدن و رازم شنیدن بر نمی تابد
نگہ تا دیدہ خون استے و دل تا زہرہ آب استے

نہیں منت کش تابِ شنیدن راز ہے میرا
کہ دل میں داغ میرے، چشمِ تر میں خونِ نابی ہے

ہجومِ جلوۂ گل کاروانم را غبار استے
طلوعِ نشۂ مے مشرقم را آفتاب استے

ہجومِ جلوۂ گل ہے غبارِ کارواں میرا
طلوعِ نشۂ بادہ صعودِ آفتابی ہے

فغانم را نوائے صورِ محشر ہم عناں استے
بیانم را رواجِ شورِ طوفاں در رکاب استے

نوائے صورِ محشر ہے فغاں کی ہم عناں میری
بیاں میں ایک شورِ اضطرابِ سیلِ آبی ہے

خطائے سرزد از بے صبری و شرمندہ از نازم
بحسرت مُردن استغنائے قاتل را جواب استے

خوشی سے جان دے، سر رکھ کے خنجر پر خموشی سے
کہ بے صبری خطا ہے، ناشکیبائی خرابی ہے

دلم صبحِ شبِ وصلِ تو بر کاشانہ می لرزد
در و بامم بوجد از ذوقِ بوئے رختِ خواب استے

لرزتا دل شبستاں دیکھ کر ہے صبحِ وصلت میں
کرے رقصاں در و دیوار بوئے رختِ خوابی ہے

زہے جان و دلم کز ہفت دوزخ یادگار استے
خوشا پا تا سرت کز ہشت گلشن انتخاب استے

دلِ غمگین میرا یادگارِ صد جہنم ہے
پذیرفتۂ صد جنت ترا روئے گلابی ہے

دلم می جوئی و از رشک می میرم کہ در مستی
چرا زاں گوشۂ ابرو اشارت کامیاب استے

تجھے ہے جستجوئے دل، مجھے ہے رشک، مستی میں
اشارے کو ترے ابرو کے کیسی کامیابی ہے

محبت در بلا اندازہ می جوید مقابل را
کتانِ ہوش را مر جلوۂ گل ماہتاب استے

شمعِ روشن تری پروانۂ دل خاک ہے کرتی
کتانِ ہوش کرتی چاک تیری ماہتابی ہے

گلویم تشنہ و جان و دلم افسردہ، ہے ساقی
بدہ نوشینہ داروئے کہ ہم آتش ہم آب استے

گلو تشنہ و جان و دل فسردہ، دے مجھے ساقی
وہ اک دارو کہ جس میں آب آتش، آگ آبی ہے

نگویم ظالمی اما تو در دل بودۂ وانگہ
دلے دارم کہ ہمچو خانۂ ظالم خراب استے

تُو ظالم تو نہیں لیکن بسا ہے اس میں تُو جب سے
لٹا ہے دل، ہوئی اس کی بہت خانہ خرابی ہے

منال از عمر و سازِ عیش کن کز بادِ نوروزی
گلستاں جلوۂ رنگینیِ عہدِ شباب استے

نہ کھا غم عمر کا، کر عیش اب کہ موسمِ گل میں
گلستاں جلوۂ رنگینیِ عہدِ شبابی ہے

طفیلِ اوست عالم غالبا دیگر نمی دانم
گر از خاک است آدم، پائے نامِ بوتراب استے

بنایا خاک سے، غالب ولیکن قدرتِ حق نے
عطا کی آدم خاکی کو شانِ بوترابی ہے
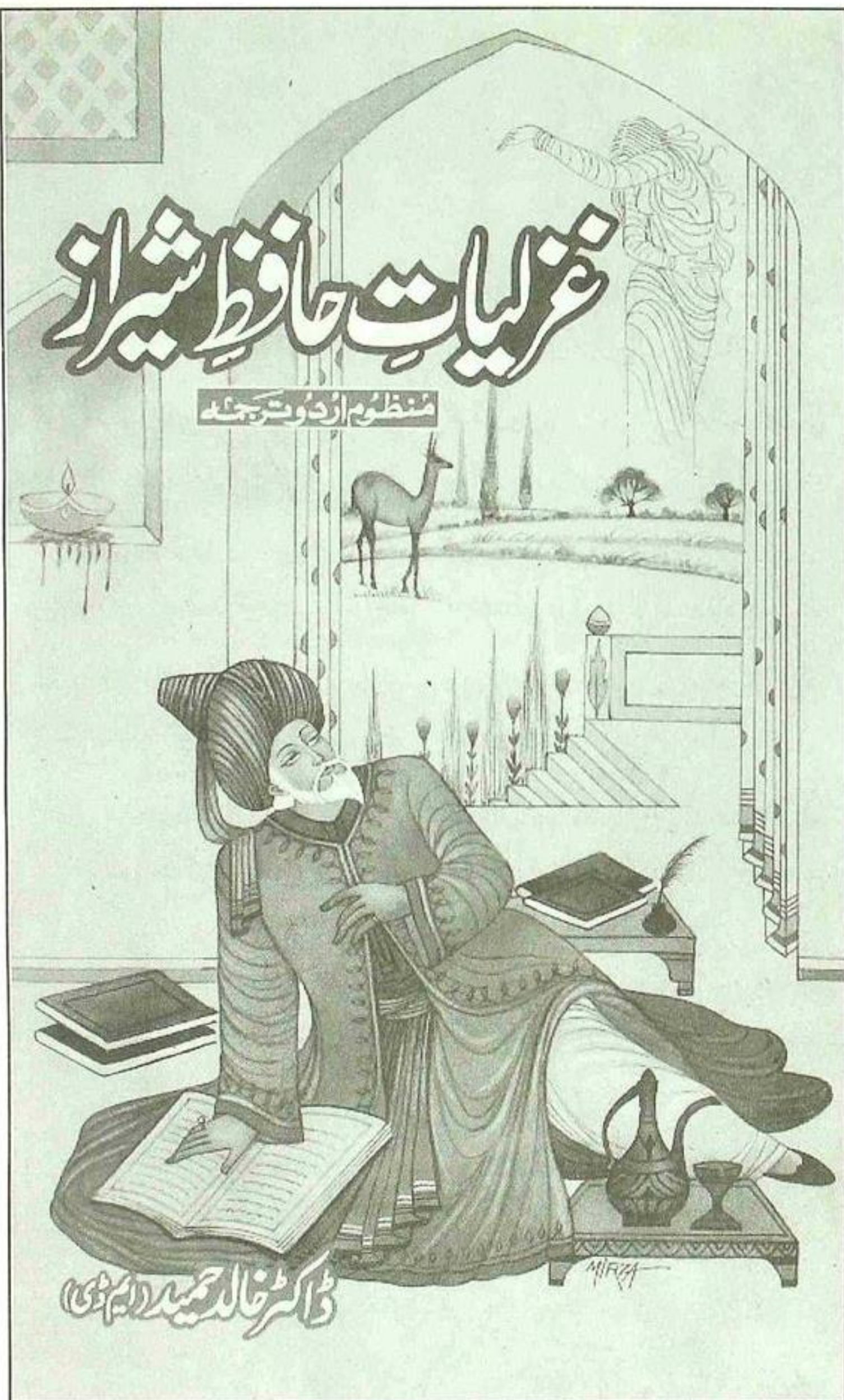
(مطبوعہ ۔ کراچی)

ہا پری شیوہ غزالان و ز مردم رمِ شاں
دلِ مردم بہ خمِ طرۂ خم در خمِ شاں